ابنِ صفی
جلد نمبر
16
جاسوسی دنیا
50- پاگل خانے کا قیدی
51- شعلوں کا ناچ
52- گیارہواں زینہ

پیشرس

پاگل خانے کا قیدی ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں فریدی اور حمید سے ملئے۔ حمید کی دلچسپیاں اس کی شرارتیں اور رام گڈھ کی پُراسرار فضاؤں میں پروان چڑھنے والی یہ کہانی کتنی دلچسپ اور کتنی معرکتہ الآرا ہے۔ اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر سکیں گے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ابن صفی کے اندازِ بیان نے اردو میں جاسوسی ناول لکھنے والوں کے لئے ایک نئی طرح ڈالی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ جاسوسی ادب میں ابن صفی کے معیار پر پہنچنا ایک لمبے عرصے تک شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔ وہ قاری کو کہانی کے تانے بانے میں اس طرح الجھا دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اس وقت تک ناول ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب تک اسے ختم نہ کرلے۔ پاگل خانے کا قیدی بھی ایسی ہی کہانی ہے، جسے آپ ایک ہی نشست میں پڑھنا پسند کریں گے۔

پبلشر

ایک سفر

کمپارٹمنٹ میں کئی افراد تھے۔ لیکن سب خاموش تھے۔ ٹرین فراٹے بھر رہی تھی.... کمپارٹمنٹ ایئر کنڈیشنڈ تھا ورنہ لوگ سکون سے مطالعہ کرنے اور اونگھنے کی بجائے بہت شدت سے بےچین نظر آتے کیونکہ کمپارٹمنٹ کے باہر مئی کا آتش بار سورج اپنی قہر انگیزی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

کمپارٹمنٹ میں دو کافی خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ اسی لئے کیپٹن حمید پر اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا تھا، جہاں حسن ہو وہاں سناٹا اُسے غیر فطری معلوم ہوتا تھا اور کسی غیر فطری ماحول میں جسمانی نظام کا متاثر ہونا ضروری ہے لہٰذا اس پر اختلاج کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک کافی ضخیم کتاب میں سر کھپا رہا تھا۔ مطالعہ میں انہماک اور چیز ہے اور اس کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی لائبریری کے وسیع کمرے میں تنہا بیٹھا ہو۔ سگار سلگاتے وقت بھی اس کی نظر کتاب ہی پر ہوتی تھی۔ یہ کسی جرمن مصنف کی تصنیف" جرمن ہی زبان میں تھی۔

فریدی کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تمام افراد سے مختلف نظر آرہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے لوگ بار بار اُسے دیکھتے تھے۔ لوگوں کے دیکھنے پر تو حمید کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن وہ لڑکیاں.... وہ دونوں فریدی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلچسپی لینے کی بات ہی تھی کیونکہ فریدی ایک بار بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہر وہ نوجوان ایسی لڑکیوں کے لئے عجوبہ ہوگا، جو انہیں نظرانداز کرکے اس طرح مطالعہ میں مشغول ہوجائے کہ ایک آدھ بار

نظروں کا تصادم بھی نہ ہو سکے۔ ویسے وہ لڑکیاں حقیقتاً اتنی ہی پرکشش تھیں کہ ایک معمر آدمی درد سر کا بہانہ کر کے بار بار آہیں بھر رہا تھا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے کبھی کبھی بڑبڑانے بھی لگتا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ بھی ایک معمر آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلی تھیں۔ لیکن پھر بھی اُن سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ بہت ذہین اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چہرہ بیضوی اور ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ پیشانی اونچی اور بہت کشادہ... سر پر برف کے سے شفاف بال جنکی تعداد پر شائد عمر کی زیادتی بھی اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔ مجموعی طور پر اُس کا چہرہ نرم دل شفیق آدمیوں کا سا تھا۔

اس نے بھی اکثر فریدی کے انہماک کو توجہ اور دلچسپی کی نظر سے دیکھا تھا۔ حمید اس پر اور زیادہ کباب ہوا تھا... لیکن... اس وقت اُسے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف عموماً اسی وقت متوجہ ہوتے تھے جب وہ اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع کرتا تھا اور فریدی کی شخصیت ایسی تھی کہ دوسرے اُسے ہر حال میں دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے زبردستی بوڑھے سے جان پہچان پیدا کرنی چاہئے، لیکن فی الحال کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سی سانس لی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ بھی خاموش رہنا پسند نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ متواتر چار گھنٹے... اُسے چار گھنٹے چار سال معلوم ہوئے تھے۔ چار گھنٹے سے اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور اب قریب ہی تھا کہ اکتاہٹ دردسر میں تبدیل ہو جائے، اچانک اُس کی نظر ایک رومال پر پڑی، جو باتھ روم کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ یہ رومال حمید نے اس بوڑھے کے ہاتھ میں دیکھا تھا جو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف گیا اور رومال اٹھا کر لڑکیوں کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

"یہ رومال شائد آپ کا ہے۔" حمید نے بوڑھے سے کہا۔

"اوہ... جی ہاں... شکریہ...!" بوڑھا رومال لیتا ہوا مسکرایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ شائد اُن صاحب کے ساتھ ہیں۔"

"جی ہاں... وہ بڑے بھائی ہیں میرے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"بیٹھئے...!" بوڑھا ایک طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "وہ تو بے تحاشا پڑھنے والوں میں سے معلوم

ہوتے ہیں۔"

"شکریہ...!" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ "جی ہاں! بظاہر ایسا ہی ہے۔"

"بظاہر...!" بوڑھے نے دہرایا۔

لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ شائد وہ اُن کی گفتگو سننے لگی تھیں۔

"جی ہاں! کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس کی آواز حد درجہ غمناک ہو گئی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" بوڑھے نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

"ایک بہت بڑی بد نصیبی جناب... وہ ایک جرمن مصنف کی کتاب ہے۔"

"ہاں ہے تو... میں نے باتھ روم کی طرف جاتے وقت دیکھا تھا۔"

"لیکن وہ جرمن نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"کیا بات ہوئی... واہ...!" بوڑھا ہنسنے لگا۔ لڑکیاں بھی مسکرائیں۔ حمید نے دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا فریدی اس وقت کتاب کو چہرے کے برابر اٹھائے دیکھ رہا تھا اور کتاب الٹی تھی شائد وہ کوئی چارٹ تھا جسے وہ الٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"وہ دیکھئے...!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا کتاب الٹی نہیں ہے۔"

"اُ... ہا... ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

اتنے میں فریدی نے چارٹ دیکھ کر کتاب پھر زانو پر رکھ لی۔

"مگر...!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کرتے۔"

"میں سمجھا تھا واقعی کوئی ذہین اور سنجیدہ لڑکا ہے۔" بوڑھے نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ جاہل نہیں ہیں۔ آکسفورڈ سے ایم۔اے کیا تھا۔ یہی کہا تھا میں نے کہ یہ ایک بہت بڑی بد نصیبی ہے۔"

"کیا بد نصیبی ہے۔" بوڑھے نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ پاگل ہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں خشک کرنے لگا۔

"کیا مطلب...!" بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "اور آپ انہیں اس طرح لئے پھر رہے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ یہ اُس قسم کے پاگل نہیں ہیں کہ دوسروں کے لئے دردسر بنیں۔ یہ

صرف اپنے لئے خطرناک ہیں۔"

"وہ کیسے.....!" بوڑھا پھر دلچسپی لینے لگا تھا اور لڑکیاں بھی آپس کی گفتگو بند کرکے بوڑھے کے شانے پر جھک آئی تھی۔

"ابھی اور اسی وقت.....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اُٹھ کر کوٹ پہنیں، چھڑی اٹھائیں اور چلتی ہوئی ٹرین سے اس طرح نکل جائیں جیسے اپنے کمرے سے نکل کر ٹہلنے جارہے ہوں۔"

"اوہ.....!" بوڑھا سر ہلا کر رہ گیا پھر حمید کیطرف دیکھ کر بولا۔ "دوسروں سے جھگڑتے تو نہیں۔"

"نہیں جناب! وہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جھگڑنا کیسا.....!"

"گھر والوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رکھتے۔ جرمن اور فرانسیسی زبانوں سے عشق ہے۔ ہر ماہ سینکڑوں روپے کی کتابیں خریدتے ہیں لیکن انہیں اسی طرح لئے بیٹھے صفحات الٹا کرتے ہیں۔"

"دیکھا تم نے.....!" بوڑھا لڑکیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ صاحبزادے مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ مسافرت میں اجنبیوں سے گفتگو کرنے میں دولت وعزت کا زیاں ہوتا ہے۔"

"بیٹھو! بیٹھو!" بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "میں گرہ کٹ نہیں ہوں، اس لئے دولت کے زیاں کا خطرہ نہیں۔ عزت اس لئے خطرے میں نہیں کہ میں نے تمہیں گالیاں نہیں دیں..... کہاں پڑھتے ہو.....! کس ایئر میں.....!"

"میں اب کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔" حمید جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مجھ سے بہتر میرا بھائی ہے، جو کبھی کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔"

"کیا تمہارے بیان میں صداقت تھی۔"

"نہیں میں جھوٹا ہوں اور اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں مذاق سمجھا تھا۔" بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے اُن کے حالات بتاؤ۔ مجھے لوگ ذہنی امراض کا اسپیشلسٹ کہتے ہیں۔ تم لوگ شائد رام گڈھ جارہے ہو۔"

"ہاں ہم وہیں جارہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کس غرض سے۔"

"علاج کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ ویسے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ گرمیاں گذارنے کے لئے رام گڈھ سے زیادہ بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں..... آں..... میں حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کچھ مدد کرسکوں۔"

"حالات.....!" حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ "میں بتا سکتا ہوں لیکن آپ وعدہ کیجئے کہ میرا مذاق نہیں اڑایئے گا۔ ابھی ابھی آپ نے مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہو! اُسے بھول جاؤ میاں لڑکے۔ میں بھی غلطی پر نہیں تھا۔ آج کل طالب علموں میں دوسروں کو بیوقوف بنانے کا مرض عام ہے حالانکہ یہ بھی ایک قسم کا چھچھورا پن ہے۔ بچوں کی سی عادت..... خود نمائی کا خبط..... ہاں تو تم مجھے بتاؤ۔"

"کیا عرض کروں بچپن ہی سے گم سم رہتے آئے ہیں اور ان کی حالت تو آپ کے سامنے ہے۔ حالات مضحکہ خیز ہیں۔ مثلاً رات کو ٹہل کر آئے چھڑی کو بستر پر ڈال کر لحاف اوڑھا دیا اور خود جاکر چھڑی کی جگہ کونے میں کھڑے ہوگئے..... دیکھئے..... آپ لوگ ہنس رہے ہیں نا..... لاحول ولا قوۃ۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہوگیا۔ لڑکیاں واقعی ہنس رہی تھیں۔

"ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "ویسے اس قسم کی باتوں پر ہنسی تو ضرور آئیگی۔ میں تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتا..... ہاں اچھا..... عام حالات میں یادداشت کی کیا کیفیت ہے۔"

"اُدھار لیتے ہیں..... لفظ اُدھار یاد رہتا ہے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ لیا تھا یا دیا تھا۔ لہٰذا کم از کم گھر والے تو انہیں قرض دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اُن بیچاروں کو قرض دے کر عموماً پشیمان ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ زبردستی اتنی ہی رقم پھر کسی موقع پر موصول کرلیتے ہیں کہ تم نے فلاں دن مجھ سے قرض لیا تھا..... اب واپس کرو۔"

"واقعی عجیب کیس ہے۔" بوڑھے نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "شادی ہوگئی ہے۔"

"اچھا ہی ہوا کہ ابھی تک نہیں ہو سکی۔"

"خواہش کرتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں.... البتہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب تم شادی کرلو۔"

بوڑھا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ گھر والوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔"

"ہائیں! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ بچپن سے اب تک بیوقوف ہی بناتے آرہے ہیں۔"

"بچپن میں کیا کیفیت تھی۔"

"بچپن میں حالات پریشان کن تھے۔ والد صاحب کے ساتھ بازار گئے اور اچانک والد صاحب کو احساس ہوا کہ وہ اُن کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ اُس کے گھر تک پہنچ جاتے تھے۔ کھانے بیٹھے تو سالن کے بجائے روٹیوں سے چاول کی پلیٹ صاف کرگئے۔ مار پڑی تو ہنستے ہنستے بیدم ہوگئے۔"

"اور اس کے باوجود بھی.... تم کہتے ہو کہ انہوں نے ایم۔اے کیا ہے۔"

"یہی تو خاص بات ہے جناب! ڈاکٹروں کی عقل چکر میں ہے۔ ایک صاحب ان کی سائیکوانیلیسس کرنے بیٹھے تھے۔ وہ تھپڑ پڑا تھا کہ آج تک یاد کرتے ہوں گے۔"

"تھپڑ....!" ایک لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں! میں نہیں جانتا کہ اس طریقے کا کیا نام ہے۔ بہر حال ماہر نفسیات نے ان سے کہا کہ وہ لفظ کہے گا اور بھائی صاحب اس کے جواب میں دوسرا لفظ کہیں گے۔"

"اوہ.... اچھا اچھا....!" بوڑھے نے سر ہلایا۔

"جی ہاں.... ماہر نفسیات نے پہلا لفظ ازار بند کہا۔ بھائی صاحب بولے آؤٹ آف ڈیٹ۔ اُس نے کہا نیل پالش.... آپ نے فرمایا چھچھوندر.... پتہ نہیں اور کیا کیا اوٹ پٹانگ چلتی رہی۔ آخر میں ماہر نفسیات نے کہا گالی.... آپ نے تھپڑ کہہ کر ہاتھ گھمادیا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں اور بوڑھا بولا۔ "وہ کوئی عطائی رہا ہوگا۔ اس کیس کے لئے یہ طریقہ لغو ہے ویسے کیس دلچسپ اور انوکھا ہے۔ آپ رام گڈھ میں کہاں ٹھہریں گے۔"

"کسی ہوٹل میں....!"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میرے ساتھ قیام کریں۔" اُس نے فریدی کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا، جو اس وقت بھی کتاب کو الٹ کر اپنے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔ "یہ کیس میرے لئے بہت دلچسپ ہے۔ اس طرح میرے تجربے میں بھی اضافہ ہوگا۔"

"مگر.... میں کیسے عرض کرسکتا ہوں۔ انہیں پر رضامند کرلینا آسان کام نہ ہوگا۔"

"کیوں انہیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس نے یہ بکواس محض اس لئے شروع کی تھی کہ لڑکیوں کو کچھ دیر ہنسانے کے بعد اُن سے بے تکلف ہو جائے گا، لیکن حالات نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ اچانک اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

"آپ کا ذاتی ہسپتال ہے۔"

"ذاتی ہسپتال بھی ہے اور میں سرکاری مثل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئر مین بھی ہوں۔"

"حمید پھر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"مگر جناب.... میں ابھی کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔"

"دیکھئے گا! اگر ہوسکے تو! ویسے اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔"

کہاں تو حمید اس چکر میں تھا کہ کچھ تفریح حاصل کرے گا اور کہاں اب اُسے خلجان میں مبتلا ہو جانا پڑا۔ بات ایسی ہی تھی۔ اگر وہ بوڑھا واقعی مثل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئر مین تھا تو فریدی سے رام گڈھ میں اس کی ملاقات یقینی تھی کیونکہ فریدی جس کام کے لئے رام گڈھ جارہا تھا وہ وہاں کے پاگل خانے ہی سے تعلق رکھتا تھا حالانکہ حمید کو اس نے تفصیل نہیں بتائی تھی مگر پھر بھی وہ اس سے تو واقف ہی تھا کہ پروگرام میں پاگل خانہ بھی شامل ہے۔

لڑکیاں پھر گفتگو میں مشغول ہوگئی تھیں، لیکن بار بار اُن کی نظریں فریدی کی طرف ضرور اٹھتی تھیں اور شائد موضوع گفتگو بھی فریدی ہی تھا۔

بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "واقعی یہ کیس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کی جو حجامت بننے والی ہے اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوگا۔

تین ریوالور

تھوڑی دیر بعد وہ پھر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور ایسی مسکین صورت بنائی جیسے کمسنی ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہو گیا ہو۔

ساری تفریح کر کری ہو کر رہ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملات کو برابر کرے۔

"غالباً اب ٹرین کسی اسٹیشن پر رکنے والی ہے۔" فریدی کتاب پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔ "کافی کے لئے کہہ دینا۔"

"نہیں ڈائننگ کار میں چلیں گے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"بس یونہی دل چاہتا ہے۔"

"غیر ضروری حرکتوں سے احتراز کیا کرو۔"

"یہ میری ضد ہے۔ آپ کبھی میرا کہنا نہیں مانتے۔ آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔"

"آہا.... کوئی خاص بات....!"

"بس اٹھئے! ٹرین رک رہی ہے۔"

"اگر لو لگ گئی تو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کے بدلے میں مر جاؤں گا.... بس....!"

فریدی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ لیکن لڑکیوں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ اب بھی اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ بوڑھے سے دو ایک بار نظریں ملیں اور پھر وہ حمید سے بولا۔ "چلو! پتہ نہیں کیوں بور کرنا چاہتے ہو۔"

گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تھی وہ دونوں کمپارٹمنٹ سے اُتر کر ڈائننگ کار میں جا بیٹھے۔

"ہاں! کیوں لائے ہو یہاں....!" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں بالکل گدھا ہوں۔"

"میرے جاننے نہ جاننے سے کیا ہوتا ہے۔"

"میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا ہوں۔"

"نہیں ہمیشہ تو نہیں۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ پھر بولا۔ "آپ کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔"

"میری عزت! کیا مطلب....!"

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں بہت زیادہ کنفیوز ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے بلکہ ہم دونوں کی عزت۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے ہاتھ میں ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی ہاں یا نہیں پر دونوں کی عزتوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں ڈائننگ کار میں اس وقت کوئی عورت بھی موجود نہیں ہے پھر کیوں تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"اچھا تو سنئے! اگر آپ پاگل ہیں تو ٹھہرنے کا بھی معقول انتظام ہو سکتا ہے۔"

"میں جا رہا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن ٹرین حرکت میں آچکی تھی۔ مجبوراً اُسے پھر بیٹھ جانا پڑا۔

"مجھ سے ایک حماقت ہو گئی ہے۔" حمید نے بسور کر کہا۔

"ارے بکو بھی کچھ....!"

"کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔"

"معاف کرنے سے پہلے گلا ضرور گھونٹ دوں گا۔ مجھے بور نہ کرو۔"

"اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ آپ کا ذہنی توازن بچپن ہی سے بگڑا ہوا ہے تو آپ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔"

"میں سچ مچ پاگل ہو کر تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"میں بہت سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ویٹر نے کافی کی ٹرے لا کر میز پر رکھ دی تھی۔ وہ سگار سلگا کر اپنے لئے کافی بنانے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تم کچھ دیر کے لئے سامنے والی برتھ پر بیٹھے تھے۔"

"جی ہاں! مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوئی تھی۔"

"پھر! کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں.... میں نے اُن سے کہا تھا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"اچھا بس اب خاموش رہو۔ بھلا اس جملے میں کون سی ایسی خاص بات ہے جس کے لئے مجھ سے داد طلب کرنا چاہتے ہو۔ بے تکی باتوں پر تو ہنسی آنے سے رہی بلکہ اکثر تو تمہاری عقل پر رونے کو بھی دل نہیں چاہتا۔"

"ہائے پوری بات تو سُنئے۔" حمید کراہ کر بولا.... اور پھر اُس نے مغموم سی آواز میں پوری داستان دہرا دی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ "چلو پروا نہ کرو۔ اگر مجھے تختہ مشق بنا کر تم نے تھوڑی سی تفریح کر لی تو اس میں میرا کیا حرج ہے۔ اب تم اُس سے نہایت صفائی سے کہہ سکتے ہو کہ میں ہوٹل کے علاوہ اور کہیں قیام کرنے پر رضا مند نہیں۔ بات اس طرح ختم ہو جائے گی۔ تم بھی نرے ڈیوٹ ہو ڈیوٹ....!"

"ہائے....!" حمید پھر کراہا۔ "یہی تو مصیبت ہے کہ آپ کو اُس سے دوبارہ بھی ملنا پڑے گا۔ اُس وقت میری کیا پوزیشن ہو گی۔"

"ملنا پڑے گا! کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"وہ مینٹل ہاسپٹل کے میڈیکل بورڈ کا چیئر مین ہے۔"

"کیا....؟" فریدی نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی۔ حمید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں! اس میں قطعی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی شامت ہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا....!"

"مانگو، کیا مانگتے ہو فرزند....!" فریدی کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"واپسی کا کرایہ....!" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ایک بار پھر کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات تمہاری حماقت بہت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔"

"ہائیں تو کیا معاملہ ٹھیک ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے حمید صاحب! اس وقت تو گویا غیب سے مدد ہوئی ہے۔"

"ارے.... وہ مارا....!" حمید نے زبردستی ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"تو اب مجھ سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کرا دینا کہ آپ والد صاحب کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"اچھا تو کیا.... قیام بھی کیجئے گا اسی کے یہاں....!"

"تمہاری بات تو اُسی صورت میں نبھے گی....!" فریدی نے کہا۔

"تو پھر آپ کو خبطی بھی بننا پڑے گا۔"

"خبطی کیا! میں اس سے زیادہ بھی کچھ بننے کو تیار ہوں۔"

"اور اب مجھے ہرگز یہ نہ بتائیں گے کہ اصل چکر کیا ہے۔"

"مجھے ایک پاگل کے متعلق تحقیقات کرنی ہیں، جو دس سال سے رام گڈھ کے مینٹل ہاسپٹل میں ہے اور آج سے دس سال قبل میڈیکل بورڈ کے موجودہ چیئر مین نے اسکا داخلہ وہاں کرایا تھا۔"

"تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"فی الحال تم معاملے کی بات کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیا کہوں! جو کہئے وہ کیا جائے۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اچھا تو پھر بعد میں مجھ پر تاؤ نہ کھائیے گا۔"

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ کچھ دیر خاموشی سے سگار کا دھواں بکھیرتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اس سے پہلے تم کئی بار پاگلوں کے رول ادا کر چکے ہو.... خیر ہٹاؤ۔"

"نہیں کہئے کہئے....!" حمید جلدی سے بولا۔

"کچھ نہیں۔ وقت بہت برباد کراتے ہو۔ کافی دیر تک یہاں بیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا اسٹیشن تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔"

"آپ کام بن جانے کی بعد بھی مجھ پر ردار کھتے رہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ "کیا آپ مجھے اُس پاگل کے متعلق کچھ نہ بتائیں گے۔"

"کیا بتاؤں۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا کہ اس پاگل پر ایک عورت اور اُس کی بچی کے اغواء کا الزام ہے۔"

"اتنی ذرا سی بات کے لئے کرنل فریدی کو تکلیف دی گئی ہے۔"

"میں نے خود ہی تکلیف کی ہے۔ نجی طور پر.... تم جانتے ہی ہو کہ میں محض تفریح کی خاطر ایک ماہ کی چھٹی ہرگز نہیں لے سکتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیس میں پیچیدگی ضرور ہوگی۔"

"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔"

"بہرحال آپ نہیں بتانا چاہتے۔"

"کیا جاننا چاہتے ہو۔"

"کیا اس کیس سے تعلق رکھنے والے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔"

"ہاں! ہے تو یہی بات! ورنہ.... اوہ دیکھو! ٹرین کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بہت ہی چھوٹا سا اسٹیشن ہوگا۔ جلدی کرو تاکہ ہم اپنے کمپارٹمنٹ تک پہنچ سکیں۔ یہاں بڑی تپش ہے۔"

حمید نے کافی کا بل ادا کیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی اور دونوں ڈائننگ کار سے اتر کر اپنے کمپارٹمنٹ میں آگئے۔

"ہم یہاں تو نہیں تھے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہیں تھے! بھائی صاحب۔" حمید تنگ آجانے والے انداز میں بولا۔ "یہ دیکھئے ہمارا سب سامان یہاں موجود ہے۔"

"بکواس....!" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا ساری دنیا میں ہمارا ہی سامان ایسا ہو سکتا ہے۔"

"نہیں بھائی صاحب! آپ کی یہ کتاب۔" حمید نے برتھ پر سے کتاب اٹھا کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آہا.... ٹھیک.... ہم یہیں تھے۔ عام آدمی جرمن زبان سے دلچسپی نہیں رکھتے۔"

فریدی برتھ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے مسافر انہیں گھور رہے تھے لیکن بوڑھے کا انداز دوسروں سے مختلف تھا۔

فریدی نے پھر کتاب اٹھالی۔ بوڑھا اب حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر پہلے ہی کی طرح مطالعہ میں گم ہو گیا۔

حمید اس کے پاس سے اٹھ کر بوڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

"کیوں....!" بوڑھے نے پوچھا۔ "کیا آپ تیار ہیں۔"

"کیا عرض کروں میری تو ہمت پڑی نہیں کہنے کی۔ ویسے ایک تجویز ہے.... میرے ذہن .... اُف فوہ.... میری آنکھیں جل رہی ہیں۔ کہیں لو کا اثر نہ ہو گیا ہو۔"

"جب آپ باہر جا رہے تھے میرا دل چاہا تھا کہ روک دوں۔ ٹھنڈک سے یکلخت گرمی میں چلا جانا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں کیا کرتا۔ بس سر ہی تو ہو گئے کہ ڈائننگ کار میں چل کر کافی پئیں گے۔"

"کافی! خدا کی پناہ! اس آب و ہوا میں۔"

"اب آپ ہی دیکھئے! مجبوراً مجھے بھی پینی پڑی۔ انکار کرتا تو آفت ہی آجاتی۔ وہ ٹھیک ہی مثل ہے کہ چھوٹا بھائی ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی کتا ہو جائے۔"

"شراب بھی پیتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"اس کے تو نام ہی سے نفرت ہے۔ اگر آپ کی زبان سے شراب کا نام ہی سن لیں تو کم از کم اُس گلاس میں پانی پینا پسند نہیں کریں گے جسے آپ نے استعمال کیا ہو۔"

"اچھا ہے! ورنہ شراب اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ ہاں ابھی آپ کون سی تجویز پیش کر رہے تھے۔"

"تجویز یہ ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھئے تو ہمارے والد صاحب کے دوست بن جایئے اور ہمیں اس رشتے کی بناء پر اپنے یہاں قیام کرنے پر مجبور کیجئے۔ شاید وہ مان جائیں کیونکہ والد صاحب کے دوستوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کا نام کمال ہے اور میں جمال ہوں۔ والد صاحب کے نام کے لئے آپ سر افضال کا حوالہ دے سکتے ہیں۔"

"سر افضال....!" بوڑھا بڑبڑایا۔ "آپ لوگ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"نہیں خاندان تو کچھ ایسا زیادہ اچھا نہیں ویسے اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جھوٹی شیخیاں بگھارنا اپنا مسلک نہیں ہے۔ پشت ہا پشت سے ہم لوگ دولت مند نہیں رہے ہیں۔ ہمارے دادا صاحب انگریزی فوج میں ایک معمولی سے سپاہی تھے۔ ترقی کرتے کرتے جنرل

کے عہدے تک پہنچ گئے تھے اور دادا کے باپ ایک معمولی کسان تھے۔"

"تم واقعی بلند خیال اور اعلیٰ کردار کے مالک ہو۔" بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "بہت کم لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔"

"بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ آپ رام گڈھ کے اسٹیشن پر اچانک ہم دونوں کو پہچان لیجئے گا۔ یہاں کمپارٹمنٹ میں نہیں۔ ورنہ بھائی صاحب کو شبہ ہو جائے گا اور وہ فوراً یہ سوال کر بیٹھیں گے کہ آپ نے اتنی دیر میں کیوں پہچانا.... اور وہاں اسٹیشن پر وہ یہ بات بھول چکے ہوں گے کہ ہم سب نے ایک ہی کمپارٹمنٹ میں سفر کیا تھا۔"

"اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ قطعی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھی بھول گئے ہوں گے کہ ابھی ہم دونوں ڈائننگ کار میں تھے۔ ہاں مگر وہ کتاب جو جرمن یا فرانسیسی میں ہو اُسے وہ کبھی اور کسی حال میں نہیں بھولتے۔ اکثر کہتے ہیں کہ میں کسی جرمن یا فرانسیسی لڑکی سے شادی کروں گا، ورنہ میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔"

"بھئی یہ کیس انوکھا ہے۔" بوڑھا مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ایک بار کا ذکر ہے۔" حمید کوئی لطیفہ چھیڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے فریدی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔

"خدا خیر کرے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ فریدی پھر بیٹھ گیا۔ وہ مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے۔" فریدی غرایا۔

"مم.... میں.... یہیں تو تھا۔"

"میری چھڑی کہاں ہے۔"

"چھڑی.... دیکھئے ہم ٹرین میں ہیں۔"

"آہا.... لاحول ولا قوۃ.... بھئی یہ گاڑی کب پہنچے گی۔"

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا۔ اُس نے کمپارٹمنٹ کے تین آدمیوں کو ریوالور نکالتے ہوئے دیکھا۔

"کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرے گا۔" اُن میں سے ایک نے چیخ کر کہا اور بقیہ لوگ جو نہتے تھے بوکھلا گئے۔ معاملہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

کار پر فائرنگ

فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک اس کے سامنے کسی جاسوسی ناول کا کوئی باب کھل گیا ہو۔ یہ تینوں آدمی کمپارٹمنٹ میں اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ کافی پینے کے لئے ڈائننگ کار کی طرف گئے۔ غالباً ان کے جانے کے بعد ہی وہ کمپارٹمنٹ آئے ہوں گے۔

لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں لیکن حمید نے بوڑھے ڈاکٹر کی حالت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی محسوس نہ کی۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی دونوں لڑکیاں خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔

تقریباً آدھے منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر اچانک اُن تینوں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے اور ان میں سے ایک نے نہایت سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "یہ اور اسی قسم کے دوسرے انجانے حادثے.... زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپ سفر پر جا رہے ہیں خوش ہیں۔ لیکن کسی کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کس طرح آ جائے۔ یہ ٹرین کسی دوسری ٹرین سے لڑ سکتی ہے۔ گاڑی پر ڈاکوؤں کا حملہ ہو سکتا ہے پھر.... کیا ہو گا۔ عقلمند وہی ہے جو آج ہی کل کا بندوبست کر لے۔ کل کا بندوبست یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے بچے کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔"

"میں اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کراؤں گا۔" حمید اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر چیخا۔

اور وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ "حضرت نوحؑ کا لڑکا طوفان سے بچنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا تھا.... ہاں تو صاحبان.... اپنی زندگی کا بیمہ کرانا نہ بھولئے.... اور گرینڈ لائف انشورنس کمپنی کو ہمیشہ یاد رکھئے۔ ہزاروں آسانیاں.... سینکڑوں کفائتیں اور کفالتیں....!"

اس نے جیب سے گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کا لٹریچر نکال کر کمپارٹمنٹ میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو غصہ تو بہت آرہا تھا لیکن نفسیاتی طور پر وہ ایک طرح کی سرور انگیز طمانیت بھی محسوس کر رہے تھے کیونکہ ابھی ابھی وہ گویا موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔

بوڑھے ڈاکٹر نے لٹریچر نہیں لیا۔ حمید نے بھی انکار کر دیا۔ لیکن فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتا ہوا بولا۔ "بیٹھ جاؤ..... کیا تم اپنی زندگی کا بیمہ کرا چکے ہو۔"

"قطعی.... سو فیصدی.... میں ہی نہ کراؤں گا۔"

"اگر تم مر جاؤ.... تو تمہارے بچوں کی مالی حالت خراب نہ ہو گی.... کیوں؟"

"قطعی.... مالی اعتبار سے ان کی حالت بہتر ہی رہے گی۔"

"تو گویا تم سکون سے مر سکتے ہو۔"

"جی ہاں....! مجھے مرتے وقت اب کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی۔"

"تو پھر اب زندہ رہ کر کیا کرو گے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور اُس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کی طرف بڑھ گئے۔

"ارے.... ارے....!" وہ ایک طرف کھسک کر کھڑا ہو گیا۔

"نہیں! اب تمہاری زندگی بیکار ہے۔" فریدی بھی اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی تھی۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس پر سچ مچ خون سوار ہو۔

"کیا بات ہے۔ کیا معاملہ ہے۔" اس کے دونوں ساتھی چیختے ہوئے لپکے۔

"اس کی زندگی کا بیمہ کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی غرایا۔ "اگر تمہیں اپنے بال بچوں کی مالی حالت درست کرانی ہو تو تم بھی آؤ۔"

فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی اور کمپارٹمنٹ میں خاصی ہڑبونگ مچ گئی۔ اس کے ساتھیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی دوڑ پڑے لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر جما رہا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

بہرحال فریدی اس کا گلا نہیں گھونٹ سکا۔ لوگوں نے اُسے الگ کر دیا تھا اور بیمہ کمپنی کا لٹریچر تقسیم کرنے والا دور کھڑا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "پرواہ نہ کرو دوست۔ مگر تم لوگوں کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔"

"جی ہاں جناب!" وہ ایک طویل سانس لے کر اپنا گلا صاف کرنے لگا۔ پھر بولا۔ "خطرناک بھی ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت بُری طرح پیش آتے ہیں۔"

"لیکن یہ طریقہ.... غیر قانونی ہے۔"

"ریوالور نقلی ہیں جناب اور پھر ہماری نیت میں فتور نہیں ہے۔ لوگ عموماً ہمیں معاف ہی کر دیتے ہیں۔"

"مگر یہ طریقہ....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"اس طرح لوگ ہمیشہ ہمیں یاد رکھتے ہیں اور جب وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرانے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں گرینڈ لائف انشورنش کمپنی ضرور یاد آتی ہے۔ ہمارا یہ طریقہ ابھی تک پچانوے فیصدی کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ہم سچ مچ انہیں انجانے حادثات کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو پھر اپنی کتاب میں ڈوب گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شروع سے اب تک اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر کی تمام تر توجہ فریدی ہی کی طرف تھی اور وہ دونوں لڑکیاں بھی.... حمید کے دل پر چوٹ لگی۔

ٹرین کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ حمید ڈاکٹر کے پاس جا بیٹھا۔

"ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"مسخرے ہیں! لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں نے پہلی بار انہیں رام گڑھ کی ریلوے لائین پر دیکھا ہے اور آج تک اس قسم کے بیمہ ایجنٹوں کے متعلق کچھ سننے کا بھی اتفاق نہیں ہوا مگر آپ کے بھائی صاحب اس سے کیوں الجھ پڑے تھے۔"

حمید ہنس کر بولا۔ "ارے وہ تو بس یونہی.... اُس سے کہنے لگے۔ تم نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ بولے پھر اب تمہیں مر جانا چاہئے تاکہ تمہارے بچے مالی فائدہ حاصل کر سکیں۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں اور بوڑھا بھی مسکرا دیا۔

"بھئی مجھے شبہ ہے۔" بوڑھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کس بات پر....!"

"ان کی دماغی حالت.... مجھے خراب نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال میں دیکھوں گا۔"

"کیوں آپ کو شبہ کیوں ہے؟"

"ایک لمبی بحث ہے! تم اکتا جاؤ گے۔ بہر حال اگر میرے ساتھ قیام کرو تو....!"

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر آپ نے میری باتوں پر اعتماد کیوں کر لیا۔"

"تمہارے اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ فراڈ ہوں۔ ہماری پیشانی پر تو یہ بات لکھی نہیں ہے کہ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں اور ابھی آپ بھی شبہ ظاہر کر رہے تھے۔"

"برخوردار.... تم غلط سمجھے۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تم جھوٹے ہو بعض اوقات لوگ کسی اچھے خاصے آدمی کو بھی پاگل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ وہ عام آدمیوں سے ذہنی طور پر مختلف ہوتا ہے۔"

"مختلف ہونا ہی تو پاگل پن ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ مختلف ہونا پاگل پن نہیں ہو سکتا۔ ضروری نہیں کہ جو چیز میٹھی نہ ہو وہ کڑوی ہوگی.... ترش بھی ہو سکتی ہے.... نمکین بھی اور پھیکی بھی۔ میں اگر یہ کہوں کہ تم عام آدمیوں سے مختلف ہو تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ تمہارے سر پر سینگ ہیں۔ یا تم ایک عدد سونڈ کے مالک ہو یا آدمی ہی نہیں ہو۔"

"میں سمجھ گیا آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں لیکن آخر یہ اختلاف کس قسم کا ہو سکتا ہے۔"

"اسے دیکھنا اور سمجھنا پڑے گا۔ تم کہہ رہے ہو کہ یادداشت بھی کمزور ہے اس لئے ان کا معائنہ کئے بغیر میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ٹرین پھر ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ اب پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رام گڈھ کے پہاڑ بہت دور دھند میں لپٹے ہوئے نظر آرہے تھے۔

بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کمپارٹمنٹ سے جا چکے تھے۔

"یہ لوگ بھی عجیب تھے۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مگر جناب! اس وقت پورے کمپارٹمنٹ میں صرف آپ ہی مطمئن نظر آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ اُسے مذاق ہی سمجھے ہوں۔"

"میں بھی تمہاری تعریف ہی کروں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "کیونکہ تمہیں اتنا ہوش تھا کہ میری دلی کیفیات کا اندازہ کر سکو! کیوں کیسی رہی۔"

"ٹھیک ہی رہی! مجھے بچپن ہی سے ریوالور مضحکہ خیز معلوم ہوتے رہے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اوہو! اب تو مجھے تمہارا بھی نفسیاتی تجزیہ کرنا پڑے گا۔"

"نفسیاتی تجزیہ....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ۔"

"کیوں لاحول کیوں پڑھ رہے ہو۔"

"میں ابھی تک اسے تجزیاتی نفسیہ بولتا رہا ہوں۔ اب شرم آرہی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے جاہل ہی سمجھا ہوگا جن کے سامنے اب تک یہ لفظ دہراتا رہا ہوں۔ بہتیری چیزیں مجھے غلط ناموں سے یاد آتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں! تمہارا بھی علاج ہو جائے گا۔" بوڑھا مسکرانے لگا۔

"میرے خدا کیا خاندان بھر پاگل ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک کچھ کہنے کیلئے بے قرار ہے۔

ٹرین پھر چل پڑی تھی۔ اب مناظر تبدیل ہو گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں جھک رہا تھا اور چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ جھلسا دینے والی گرمی لطیف سی خنکی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب کمپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بھی بند نہیں تھیں۔

یک بیک فریدی پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ مضطرب سا نظر آرہا تھا۔

حمید اٹھ کر اُسکی طرف جھپٹا۔ فریدی بلند آواز میں بول رہا تھا۔ لیکن انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو اپنی آواز سنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھورتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "وہ ٹھیک کہہ رہا تھا مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا بیمہ کرا لینا چاہئے۔"

"اس وقت تو ناممکن ہے بھائی جان۔" حمید نے کہا۔ "ویسے آپکا خیال بالکل درست ہے۔"

فریدی پھر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ حمید پھر اپنی برتھ پر آبیٹھا۔

ٹرین آٹھ بجے رات کو رام گڈھ پہنچی اور بوڑھا ڈاکٹر پروگرام کے مطابق سچ مچ ان دونوں

سے آٹکرایا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں سر افضال کے لڑکے ہو۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... فرمائیے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اوہو.... کیا مجھے نہیں پہچانا۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں۔"

"ہائیں آپ.... اُف فوہ.... کتنے بدل گئے ہیں۔" حمید گرمجوشی میں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

"تم شائد جمال ہو۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی ہاں.... اور یہ کمال بھائی جان ہیں۔"

"اوہو! کمال میاں تم تو بالکل بدل گئے ہو۔" ڈاکٹر نے فریدی کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن فریدی کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ وہ بت کی طرح کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔

"اوہو! بھائی جان۔" حمید جلدی سے بولا۔ "یہ نجیب چچا ہیں والد مرحوم ان کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔"

"اچھا....!" فریدی اس طرح چونکا جیسے اب تک خواب دیکھتا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ جھک کر بڑی عاجزی کے ساتھ ڈاکٹر سے مصافحہ کر رہا تھا۔

"یقین مانئے! مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "توقع ہے کہ آپ میری یہ غلطی معاف کردیں گے۔"

"کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر بولا۔

"نہیں کہئے کہ میں نے معاف کردیا۔ ورنہ میں ذہنی کوفت میں مبتلا رہوں گا۔" فریدی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"معاف کردیا بھئی۔" ڈاکٹر ہنسنے لگا۔ "کیا اسی ٹرین سے اُترے ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید بولا۔

"کہاں قیام ہوگا؟"

"ہوٹل میں....!" حمید نے جواب دیا۔

"کیا....؟ سر افضال کے لڑکے رام گڈھ آئیں اور ہوٹل میں قیام کریں۔ ناممکن....

قطعی ناممکن۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں میرے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔"

"اوہو.... دیکھئے۔" فریدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ "آپ کو بڑی تکلیف ہوگی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر اُن کے قلیوں کو ہدایات دینے لگا۔

ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ دونوں لڑکیاں بے تحاشہ چہک رہی تھیں۔ فریدی اور حمید خاموش تھے۔ حمید کا تو دل چاہ رہا تھا کہ وہ کائیں کائیں شروع کردے لیکن فریدی بار بار اُس کے پیر پر پیر رکھ دیتا تھا۔

یہاں کافی خنکی تھی اور حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آگیا ہو۔ مطلع صاف تھا اور اونچے پہاڑ سکوت میں ڈوبے کھڑے تھے۔

آج کا دن حمید کے لئے "عجیب" ثابت ہوا تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ رات "عجیب ترین" ثابت ہونے والی ہے۔ اچانک ایک موڑ پر دو تین فائر ہوئے اور کار کے اگلے پہیوں کے ٹائر برسٹ ہوگئے.... کار رک گئی۔ پھر سات آٹھ آدمیوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال کر مار ڈالو۔" کسی نے چیخ کر کہا اور بوڑھا ڈاکٹر ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا، جسے فریدی اور حمید نہ سن سکے۔

"کیا سچ مچ بیمہ ہی کرانا پڑے گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"یہ دو آدمی اور کون ہیں۔" کار کے اندر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"کمال اور جمال....!" فریدی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال لو۔" کسی نے پھر کہا۔

بوڑھا ڈاکٹر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کار کے دروازے کھلے اور لڑکیاں نیچے کھینچ لی گئیں۔ ان کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید بھی نیچے اتر گئے لیکن ڈاکٹر بدستور بیٹھا رہا۔ کار کی ہیڈ لائیٹس اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنی کچھ دور کھڑی ہوئی دو کاروں پر پڑ رہی تھی۔

"تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ایک آدمی غرایا۔ اس کے ہاتھ میں یقیناً ریوالور ہی تھا۔

اندھیرا ضرور تھا مگر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے کم از کم ریوالور تو نظر آسکتا تھا اور آدمیوں کی

تعداد بھی معلوم کی جاسکتی تھی۔ وہ آٹھ تھے۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ارے.... یہ تو وہی مردود معلوم ہوتا ہے۔" کسی نے کہا۔ "جس نے ٹرین میں میرا اگلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی.... اس کے ہاتھ پیر تو ضرور توڑے جائیں گے۔"

جنگ اور پسپائی

حمید سناٹے میں آگیا کیونکہ اس نے بولنے والے کی آواز پہچان لی تھی اور یہ آواز اُس آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی جس نے ٹرین میں ریوالور دکھا کر بیمہ کمپنی کی پبلسٹی کی تھی۔

فریدی کے چہرے پر پھر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔" کسی نے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پر حملہ کر چکا تھا۔

"مارو.... ہاں مارو۔" وہ اُسے دبوچ کر ریوالور والے کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

حمید بھی پہلے ہی سے تیار تھا وہ اُن آدمیوں کی بھیڑ میں گھستا چلا گیا، جنہوں نے لڑکیوں کو گھیر رکھا تھا۔

"تم سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم کون ہو۔" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

جواب میں فریدی کے بازو میں جکڑا ہوا آدمی فضا میں بلند ہو کر ریوالور والے پر گرا اور دونوں بیک وقت زمین پر ڈھیر ہوگئے۔ فریدی نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہیں دی۔ دوسرے لمحے میں ریوالور اُس کے قبضے میں آچکا تھا۔

دوسری طرف حمید نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ فریدی نے ایک ہوائی فائر کرنا چاہا مگر شائد ریوالور کا وہ چیمبر خالی تھا۔ وہ پے در پے ٹریگر دباتا چلا گیا لیکن ایک بھی فائر نہ ہوا۔

وہ دونوں زمین سے اٹھ چکے تھے۔ فریدی ان کے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ فریدی بیوقوف نہیں تھا کہ اُسے ان کے اس رویئے پر حیرت ہوتی۔ پھر اچانک وہ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور فریدی اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے۔ پھر فریدی تیر کی

طرح دوسرے مجمعے میں جا گھسا۔

حمید کو درحقیقت مدد کی ضرورت تھی۔ فریدی کے پہنچتے ہی پے در پے کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ گئے.... وہ نکل گئے۔"

بہت دور کسی کار کی عقبی سرخ روشنی آہستہ آہستہ اندھیرے میں گم ہوتی جارہی تھی۔

نامعلوم آدمیوں کی کاروں میں سے ایک غائب تھی۔

"چلو پکڑو انہیں۔" ایک دوسری آواز سنائی دی اور وہ سب کے سب کار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے.... فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

"کیا پاگل پن ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بڑبڑایا۔

"عجیب لوگ ہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور ڈاکٹر نجیب.... وہ ان سے بھی زیادہ پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ وہ لڑکیوں اور اپنے ڈرائیور سمیت نکل گیا.... اور دیکھو.... شاید وہ دوسری کار بھی اسٹارٹ نہیں ہو رہی ہے۔"

"اور ان لوگوں کی لاپروائی بھی ملاحظہ ہو۔ ہماری طرف سے بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔ آپ پاگل خانے کا معائنہ فرمانے کے لئے آئے تھے.... ہاہا....!"

"دیکھو! وہ پھر اِدھر ہی آرہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چھپ جانا چاہئے۔"

"اگر انہوں نے سامان پر ہاتھ صاف کر دیا تو....!"

"مجھے توقع نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی دُوسری جانب کی ڈھلان کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ زیادہ نیچے نہیں گئے۔ دو تین بڑے پتھروں کی اوٹ سے وہ سڑک کا حال بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

نامعلوم آدمیوں نے ڈاکٹر نجیب کی کار بھی اسٹارٹ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی لیکن انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

"بوڑھا بڑا فتین ہے۔" اُن میں سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مگر وہ دونوں کہاں گئے۔"

اس کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن کی نظروں میں "اُن دونوں"

کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

"اب کھسک چلو یہاں سے۔" کوئی بولا۔ "ورنہ وہ یقیناً پولیس کے ساتھ واپس آئے گا۔"

"کیا پیدل ہی چلنا پڑے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں.... خیر دیکھیں گے اُسے۔"

"اگر پولیس کے ساتھ اس کی واپسی کا امکان ہو تو ہمیں سڑک بھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔"

"چلو.... وقت نہ برباد کرو۔"

پھر وہ سب دوسری طرف ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔

"میں بھی پاگل ہو جاؤں گا جناب بھائی صاحب۔" حمید ایک طویل سانس لیکر آہستہ سے بولا۔

"ابھی ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہوں نے یہ تدبیر کی ہو۔"

"اور اگر نہیں تو میں انہیں پاگل ہی سمجھوں گا۔" حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "اُن کے پاس رائفلیں بھی تھیں، جن سے ڈاکٹر کی کار کے ٹائر پھاڑے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے جھگڑے کے وقت انہیں استعمال نہیں کیا۔ ایک ریوالور صرف دھمکانے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔"

"صرف دھمکانے کے لئے۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ وہ خالی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ بیمہ کمپنی والے بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو۔"

"اخذ کر لیا۔"

"کیا اخذ کر لیا۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آرہے ہیں۔"

"خیر پھر کبھی یاد کرنا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر سڑک کی دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سیکنڈ تک اسکے لڑھکنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک اور انتظار کرتے رہے پھر فریدی پتھروں کی اوٹ سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

"مگر حیرت ہے کہ وہ اپنی کار بھی چھوڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس کے ذریعہ تو پتہ چل

ہی جائے گا کہ وہ کون تھے۔"

فریدی کچھ نہ بولا وہ ڈاکٹر نجیب کی کار میں کچھ تلاش کر رہا تھا.... پھر وہ اسٹپنی کی طرف گیا اور ٹارچ روشن کر کے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"سامان تو محفوظ ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ حملہ آوروں کی کار کی طرف جا رہے تھے۔ ٹارچ کی روشنی کار پر پڑی اور فریدی بولا۔ "وہی بات ہے جو میں سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"کیا تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ یہ کوئی پرائیویٹ کار نہیں بلکہ ٹیکسی ہے۔"

"اوہ....!" حمید اس کے میٹر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُس ٹیکسی میں بھی کچھ دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کافی چالاک لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔"

"بہت کچھ چھوڑا ہے جناب۔"

"یعنی....!"

"ہمیں چھوڑ گئے.... یہی کیا کم ہے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سڑک پر روشنی پھیل گئی۔ غالباً وہ تین یا چار کاریں تھیں جو آگے پیچھے اسی طرف آرہی تھیں۔ فریدی اور حمید سڑک کے کنارے ہو گئے۔

آگے والی ایک سیاہ رنگ کی پولیس کار تھی اور وہ ٹھیک ان کے پاس ہی رک گئی۔

"خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔" کار کے اندر سے آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے تین آدمی نیچے اتر آئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ان میں سے ایک بولا۔ فریدی نے فوراً اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور حمید نے اُس کی تقلید کی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریح بھی خاصی رہے گی۔ دوسری گاڑیوں سے بھی لوگ اتر رہے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں انکے گرد مسلح کانسٹیبلوں کی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔" پولیس افسر نے فریدی اور حمید سے کہا۔

"اوہ.... جناب وہ لوگ تو بدمعاشوں کی کار لے بھاگے۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "جی

ہاں.... وہ ڈاکٹر نجیب تھے.... سر افضال کے دوست.... گہرے دوست.... جی ہاں... بدمعاشوں نے ہماری کار پر فائر کرکے اس کے اگلے ٹائر پھاڑ دیئے اور پھر حملہ کردیا۔ ہم دونوں لڑتے رہے اور ڈاکٹر نجیب بدمعاشوں کی ایک گاڑی لے گئے.... جی ہاں۔"

"ڈاکٹر صاحب ذرا قریب آیئے۔" آفیسر نے مڑے بغیر کہا اور ایک آدمی اس کے قریب پہنچ گیا۔ فریدی اور حمید کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"جی ہاں یہ وہی ہیں۔" انہوں نے ڈاکٹر نجیب کی آواز سنی۔

"ہاں! بتاؤ! تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔" آفیسر نے پھر فریدی سے پوچھا۔

"اوہو....!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیوں چچا نجیب یہ کیا معاملہ ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" نجیب نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ لوگ اپنے طور پر تم لوگوں پر شبہ کررہے تھے۔"

"خیر.... کوئی بات نہیں۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم بھی اُن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غلط فہمی جلد ہی رفع ہوجائے گی۔"

"اپنے ساتھیوں کا پتہ بتاؤ۔" آفیسر گرجا۔

"زبردستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ فریدی بالکل خاموش رہا۔

اچھا....!" پولیس آفیسر غرایا۔ "ان کے ہتھکڑیاں لگادو.... اور تم لوگ کھڑے کیوں ہو.... انہیں تلاش کرو.... جاؤ۔"

سنسان سڑک بھاری قدموں کی آواز سے بجنے لگی اور ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں اور انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"اچھا ڈاکٹر صاحب۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "ہمارا سامان احتیاط سے رکھئے گا۔ جلد ہی پھر ملیں گے۔"

"کیا ان کا کوئی سامان بھی ہے۔" پولیس آفیسر نے ڈاکٹر نجیب سے پوچھا۔

"جی ہاں! اگر لٹا نہ ہوگا تو کار کی اسٹپنی ہی میں ہوگا۔"

"اُسے ہماری کار میں رکھوا دیجئے۔" آفیسر بولا۔

"آپ کو پشیمانی ہوگی جناب۔" حمید نے آفیسر سے کہا۔

"خاموش رہو۔"

"اچھا جناب۔"

فریدی نے حمید کے پیر پر اپنا پیر رکھ دیا اور حمید نے خاموشی اختیار کرلی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک حملہ آوروں کی تلاش جاری رہی لیکن ان کا نشان بھی نہ ملا۔ ان دوران میں ڈاکٹر نجیب اپنی کار کے پہیے تبدیل کراتا رہا تھا۔

لیکن دونوں "مجرموں" کی روانگی کے وقت تک پہیے تبدیل نہیں ہوسکے تھے۔ اس لئے پولیس آفیسر نے وہاں دو مسلح کانسٹیبل چھوڑ دیئے اور بقیہ لوگ "مجرموں" سمیت شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمید ہی کے الفاظ میں پولیس آفیسر انہیں راستے بھر "بور" کرتا رہا۔ مگر اُن دونوں نے چپ سادھ لی تھی۔ اچانک کچھ دیر بعد فریدی نے پولیس آفیسر سے کہا۔

"غالباً کیپٹن ماتھر کا بنگلہ کوتوالی کے قریب ہی ہے۔"

"کیوں؟" آفیسر اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں یونہی.... مطلب یہ ہے کہ میں کیپٹن ماتھر کے علاوہ اور کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"واہ.... راجہ صاحب۔" دوسرے آفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا....!" حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبادیا۔

"ماتھر صاحب سے کوتوالی ہی میں ملاقات ہوجائے گی۔ فکر نہ کرو۔" پہلے آفیسر نے کہا۔

رام گڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن ماتھر فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور کسی زمانے میں اس کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔

اس وقت اس کا کوتوالی میں موجود ہونا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ ڈاکٹر نجیب شہر کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی اطلاع براہِ راست ماتھر کو دی تھی اور ماتھر نے ایک ڈی۔ ایس۔ پی کی سرکردگی میں پولیس کا ایک مسلح دستہ اس کے ساتھ روانہ کردیا تھا.... مگر جب مجرم اس کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن فریدی نے اُسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کردیا۔ پھر بھی وہ کچھ نروس سا نظر

آنے لگا تھا۔ پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے کمرے میں آیا جہاں اُن تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی نے ہنس ہنس کر اپنے ہتھکڑیاں لگنے کی واردات بیان کی۔ ساتھ ہی ماتھر بھی ہنستا رہا۔ پھر فریدی نے اس سے کہا کہ وہ ان دونوں کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے اور نہ اُن سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے، لیکن اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ان کے رام گڈھ آنے کا مقصد کیا تھا اور وہ ڈاکٹر کے یہاں کیوں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسی ڈی۔ ایس۔ پی کو ان کی ہتھکڑیاں کھولنی پڑیں، جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔

"میں مطمئن ہوں۔" ماتھر اس سے بولا۔ "یہ معزز لوگ ہیں۔ انہیں ان کے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی تک پہنچادو۔ میں انکے اور انکے خاندان والوں سے ذاتی طور سے واقف ہوں۔"

"تب مجھے بہت افسوس ہے جناب۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے لجاجت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" حمید بولا۔ "اکثر غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب براہِ کرم ہمیں ڈاکٹر کی کوٹھی تک پہنچانے میں جلدی کیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک پولیس کار میں اپنے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نجیب کوٹھی ہی میں موجود تھا اور اُس نے اُن دونوں کی واپسی کو حیرت کی نظروں سے دیکھا اور واپسی بھی ایسی جو انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ان کے ساتھ آیا تھا اور انہیں وہاں چھوڑ کر واپس جاتے وقت اُس نے بڑی لجاجت سے اُن دونوں سے معافی مانگی تھی۔

"کیا اس واقعے کے بعد بھی یہ ضروری تھا کہ تم لوگ یہیں واپس آتے؟" ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

"آپ سے وعدہ جو کر چکے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ورنہ کم از کم مجھے تو ہوٹل ہی میں آرام ملتا ہے۔ مگر میں والد مرحوم کے کسی دوست کا کہنا کیسے ٹال سکتا ہوں۔"

"اچھا.... اچھا....!" ڈاکٹر نجیب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں دیکھوں گا تم زندگی بھر

میرے ساتھ رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں سمجھے۔"

ڈاکٹر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا اور اس کے چہرے کی نرمی یکلخت غائب ہوگئی۔ پیشانی کا وہ نور جو نرم دلی کی علامت ہوا کرتا ہے تاریکی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ فریدی اور حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

دشمنوں کا ہمدرد

ڈاکٹر چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

"میں نے ایسے ڈرامے بہت دیکھے ہیں۔ تم لوگوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کیطرف دیکھا۔

"میں کیا بتاؤں بھائی صاحب میں خود حیرت میں ہوں۔ اسٹیشن پر خود ہی ملے، خود ہی مدعو کیا۔ پھر پولیس کے حوالے کر دیا اور اب.... مگر ٹھہرئیے! مجھے کچھ یاد آرہا ہے۔"

"کیا یاد آرہا ہے۔"

"ان بدمعاشوں میں میں نے اس آدمی کی آواز بھی سنی تھی جس نے کمپارٹمنٹ میں گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کا لٹریچر تقسیم کیا تھا۔"

"اچھا....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"اسی لئے.... ڈاکٹر صاحب....!"

"بس ختم کرو!" ڈاکٹر نجیب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ابھی تمہارے لئے کمرے درست کرادیئے گئے ہیں۔"

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ پھر حمید نے لاعلمی اور حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"کیا وہ ہمیں پہچانتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"خدا ہی جانے.... اور وہ گل رُخان ستم بر بھی کہیں نظر نہیں آتیں۔" حمید بولا۔

"نہیں حمید یہ معاملہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا! دیکھئے۔ میں بوڑھے کو ٹٹولتا ہوں۔"

"یعنی....!"

"یہی کہ وہ ہماری شخصیتوں سے واقف ہے یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ وہ ہمیں چیلنج نہ کرتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ زندگی بھر رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔"

"ہاں کہا تو تھا۔"

"پھر تم خود ہی سوچو....!"

"دیکھئے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔"

حمید وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا لیکن یہ بھی خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا، اتنے میں ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور شائد ڈاکٹر کا ملازم تھا۔ حمید نے اس سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور ملازم نے اُسے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ڈاکٹر اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"سنئے! جناب پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ پولیس اپنے طور پر ہمیں لے جا رہی ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے خود ہی ہم لوگوں کے متعلق شبہے میں مبتلا ہیں۔"

"کیا میرا شبہہ غلط ہے۔" ڈاکٹر نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"ایس۔ پی۔ ماتھر کی تصدیق پر بھی آپ مطمئن نہیں ہیں۔ دیکھئے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم آپ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو خود آپ ہی نے کہی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ بلاوجہ کسی شریف آدمی پر شبہہ کیوں کریں۔"

"ماتھر کی کیا حقیقت ہے آج کل اس سے بڑے بڑے بک جاتے ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "کوئی بڑی رقم.... خیر میں اپنا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں شوق سے رہ سکتے ہو۔"

"ہم ان حالات میں یہاں ہرگز نہ رہیں گے خواہ بھائی صاحب کو مجھے باندھ ہی کر کیوں نہ لے جانا پڑے۔"

"باندھ کر کیوں لے جانا پڑے گا۔"

"وہ تو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آپ سچ مچ والد صاحب کے دوست ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آپ نہیں جانتے کہ وہ واپسی میں راستے بھر بگڑتے آئے ہیں۔ میں یہ بات اُن کے ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ آپ ہم پر شبہہ کر رہے ہیں۔ لیکن وہ برابر یہی کہتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور اُن کے اس خیال کی تائید اس ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی کردی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔"

"ٹھہرو....!" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے میز کے قریب جاکر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

ادھر حمید لڑکیوں سے کہنے لگا۔ "انہیں یہاں سے لے جانے کے لئے خاصی ہاتھاپائی کرنی پڑے گی۔ لاحول ولا قوۃ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں نے نہ تو سامان میں ہاتھ لگایا اور نہ ہم میں سے کسی کو مار ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ حالانکہ ان کے پاس رائفلیں بھی تھیں اور ریوالور بھی۔"

ڈاکٹر فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دوسری نے ہاتھ اٹھا کر اس قسم کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ تم مطمئن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرانے لگیں اور حمید نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

ڈاکٹر ریسیور رکھ کر مڑتا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ماتھر سے گفتگو کی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔ "اس نے کیا کہا ہوگا؟"

"یہی کہ ہم سر افضال کے لڑکے ہیں۔"

"اور.... کیا کہا ہوگا؟"

"اور.... اور....!" حمید کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔ "ہاں بھائی صاحب اُس کے کلاس فیلو بھی تو رہ چکے ہیں۔ اُس نے یہ ضرور بتایا ہوگا۔ وہ شروع ہی سے کریک رہے ہیں۔"

"اور کچھ.... اور کچھ....!"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اُس نے بتایا کہ کمال کتوں کا شوقین ہے اور اُنکے بارے میں بہت اچھی معلومات رکھتا ہے۔"

"جی ہاں! ہمارے پاس ایک سو ساٹھ کتے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا "اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں پالنا قریب قریب ناممکن ہے۔ لیکن بھائی صاحب.... واقعی کمال کرتے ہیں۔"

"اچھا....!" ڈاکٹر کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "بھئی مجھے بھی بتانا۔ وہ کس قسم کے کتے ہیں۔ مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی کتوں سے ہے۔"

"مثال کے طور پر۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "افریقی جنگلی نسل کا کتا ڈنگو....!"

"خوب تو گویا تمہارے پاس یلو ڈنگو بھی ہے۔"

"جی ہاں....!"

"جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی یلو ڈنگو کے متعلق پڑھا تھا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"ضرور پڑھا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔"

"آؤ میں تمہیں اپنے کتے دکھاؤں.... اپنے بھائی کو بھی بلا لو۔"

"ڈیڈی! کیا اب صبح نہ ہوگی۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نہیں ابھی اور اسی وقت.....!" ڈاکٹر سنجیدگی سے بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ اس کا کیا مقصد ہے لہٰذا اس نے بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہ ظاہر کی۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر اس کمرے میں آئے یہاں فریدی ایک صوفے پر نیم دراز سگار پی رہا تھا۔

"ڈاکٹر ہمیں اپنے کتے دکھانا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا....!" فریدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ "ضرور ضرور....!"

اس کی آنکھوں میں اس وقت اس بچے کی آنکھوں کی سی چمک نظر آرہی تھی جس نے کلاس روم کی بوریت کے دوران میں اچانک چھٹی کی گھنٹی سن پائی ہو۔ ویسے حمید کے کہنے کے انداز سے اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ کسی قسم کا امتحان ہی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر انہیں عمارت کے اس حصے میں لایا، جہاں کتے رکھے جاتے تھے۔

اچانک ڈاکٹر کے منہ سے ایک عجیب قسم کی آواز نکلی جسے تحیر آمیز بے ساختگی کے نتیجے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اور اُسے متحیر کر دینے والی چیز ربر کا ایک پائپ تھا جو راہداری میں دور تک پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور اس کا ایک سرا سامنے والے کمرے کے دروازے کے نیچے غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے کسی مخصوص انداز میں سیٹی بجائی اور اُسے بار بار دہراتا رہا.... پھر یک بیک وہ ربر کے پائپ کے دوسرے رخ کی طرف دوڑنے لگا اور اس کا ساتھ دینے میں فریدی نے پہل کی، پھر حمید کو بھی دوڑنا پڑا۔ وہ باہر لان پر نکل آئے۔

یہاں اندھیرا تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر رک کر مایوسانہ انداز میں بولا۔ "ٹارچ....!"

پھر وہ دوبارہ عمارت کی طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال لی۔

لیکن ٹارچ روشن کرتے ہی قریب کی جھاڑیوں میں گویا زلزلہ سا آگیا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ٹارچ زمین پر پھینک کر جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔

حمید ٹارچ اٹھا کر اُسی طرف جھپٹا لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جھاڑیوں کا زلزلہ تیز ہو گیا۔ ساتھ ہی انسانی چیخیں اور کراہیں بھی فضا میں اُبھرنے لگیں۔

پھر کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئیں۔

حمید کو جھاڑیوں میں دو آدمی نظر آئے۔ ایک تو زمین پر بیہوش پڑا تھا اور دوسرا فریدی کی مضبوط گرفت میں کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔

دونوں کو کھینچ کر جھاڑی سے نکالا گیا۔

ڈاکٹر اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں حمید نے اُسے چھوڑا تھا۔ فریدی نے دوسرے مجرم کے ہاتھ اس کی ٹائی سے باندھتے ہوئے حمید سے کہا۔ "وہاں ایک گیس سلنڈر بھی موجود ہے اور یہ پائپ اسی سے اٹیچ ہے۔"

ڈاکٹر ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بولا۔ "وہ سب مر گئے ہوں گے۔"

"کون....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کتے! اُس کمرے میں کتے تھے۔ ایسے کتے جن کا یہاں ملنا مشکل ہے۔"

"اور یہ دونوں کون ہیں۔" فریدی نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر شور سن کر باہر نکل آئے تھے اور انکے ساتھ ڈاکٹر کی لڑکیاں بھی تھیں۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔" ڈاکٹر کے لہجے میں سختی رخصت ہو چکی تھی۔

پھر اُس نے اپنے نوکروں اور لڑکیوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "اب کوئی اندر تو نہیں ہے۔"

انہوں نے نفی میں جواب دیا اور ڈاکٹر نے انہیں تجربہ گاہ کی طرف جانے کے لئے کہا۔

دوسری طرف فریدی قابو میں آئے ہوئے آدمی سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

"کمال صاحب! انہیں چھوڑ دیجئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے دفعتاً فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوہو! شائد آپ فرشتے ہیں۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ دیکھئے.... میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

اس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

"اوہو.... تو تم.... اب تک....!" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "چلو.... چلو میں دیکھوں.... زرینہ.... صبیحہ تم تجربہ گاہ میں جاکر ڈریسنگ کا سامان تیار کرو۔"

"ہرگز نہیں....!" فریدی نے کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا۔ "جب تک میں ان سے اس حرکت کی وجہ نہ دریافت کرلوں، ڈریسنگ نہیں کراؤں گا۔"

"وجہ کا علم شائد ان کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔" ڈاکٹر بولا۔ "یہ کرائے کے ٹٹو ہیں۔"

دونوں لڑکیاں فریدی کی طرف بڑھیں اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "چلئے۔"

"کاش....!" حمید ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میری کھوپڑی بیچ سے دو ہوگئی ہوتی۔"

"جمال میاں....!" فریدی لڑکیوں کیساتھ چلتا ہوا پلٹ کر بولا۔ "ان دونوں کا خیال رکھنا۔"

"بہت اچھا بھائی صاحب۔" حمید نے جواب دیا لیکن دل میں کہنے لگا۔ "کاش تم سچ مچ پاگل ہوتے۔"

"پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا، جو مجرم کے ہاتھ کھول رہا تھا۔"

"ارے.... ارے! یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف بڑھا۔

"کچھ نہیں! یہ ٹھیک ہے....." ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "تم نہیں سمجھتے۔"

وہ اس کے ہاتھ جو پُشت پر بندھے ہوئے تھے کھول چکا تھا۔ ہاتھ کھلتے ہی وہ آدمی بے تحاشہ بھاگا۔ حمید نے جھپٹنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے پکڑ لیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی اٹھ کر بھاگا جو زمین پر

بیہوش پڑا تھا۔ نوکر شور مچانے لگے لیکن ڈاکٹر نے انہیں ڈانٹ دیا۔

"میں اس پاگل پن کو نہیں برداشت کر سکتا۔" حمید آپے سے باہر ہوگیا۔

جواب میں ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "جاؤ تم بھی تجربہ گاہ میں جاؤ۔ صبیحہ سے کہہ دینا کہ الماری سے ایک گیس ماسک نکال کر بھجوادے۔ تم سب بھی جاؤ۔" ڈاکٹر نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے اس کی وجہ بتائیے، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے انہوں نے راہ میں حملہ کیا لیکن ان کے انداز قاتلانہ نہیں تھے حالانکہ وہ بہ آسانی ہماری زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔ انہوں نے سامان بھی نہیں لوٹا اور اب انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کے انتہائی قیمتی کتوں کا صفایا کر دیا اور آپ.... آپ نے انہیں بھی نکل جانے دیا جو ہاتھ آچکے تھے۔"

"بس اب جاؤ۔" ڈاکٹر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں تم لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں اور اس تکلیف کی تلافی کرنے کی کوشش کروں گا، جو تم لوگوں کو میری ذات سے پہنچی ہے۔"

ڈاکٹر کے اس جملے پر حمید نے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ ڈاکٹر اب راہ پر آرہا ہے، اس لئے اُسے ناراض نہ کرنا چاہئے۔

"میں جارہا ہوں ڈاکٹر! مگر یہ چیز.... آپ نے دیکھا نہیں کمال بھائی کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن ہیں بہت دلیر، وہاں راستے میں بھی انہوں نے بڑی بے جگری سے اُن لوگوں پر حملہ کیا تھا۔"

"مگر آپ کا رویہ.... ڈاکٹر....!"

"اونہہ! تم اس کی پرواہ نہ کرو.... جاؤ"

حمید نوکروں کی رہنمائی میں ایک طرف چل پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ آخر یہ ڈاکٹر ہے کیا بلا اور وہ لوگ کون تھے۔ یقیناً فریدی اس معاملے کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے، لیکن وہ اُسے کیوں بتانے لگا۔

حمید نے نوکروں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ خاموش رہے۔ ہر سوال کا اُن کے

پاس ایک جواب تھا۔ "معلوم نہیں۔"

حمید جھلا گیا۔ اگر یہ اُس کے نوکر ہوتے تو مارتے مارتے بے دم کر دیتا۔

وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ لڑکیاں

تجربہ گاہ میں پہنچ کر صبیحہ اور زرینہ نے فریدی کو ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ فریدی نے اتنی ہی دیر میں اندازہ کر لیا تھا کہ صبیحہ بہت شوخ لڑکی ہے۔

دونوں نے بڑی پھرتی سے پیشانی کا زخم صاف کیا اور خود ہی ڈریسنگ بھی کرنے لگیں حالانکہ ڈاکٹر نے صرف ڈریسنگ کا سامان درست رکھنے کے لئے کہا تھا۔ جس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ واپسی پر خود ڈاکٹر ہی ڈریسنگ کرے گا۔

"کمال صاحب۔" یک بیک صبیحہ نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا یہ صحیح ہے کہ آپ...پپ...پا...!"

"شٹ اپ یہ کیا بکواس ہے۔" زرینہ جلدی سے بول پڑی۔

"ہاں ہاں کہئے کہئے۔" فریدی بولا۔

"آپ کے چھوٹے بھائی کہتے ہیں کہ آپ....پپ....پا....!"

"صبیحہ کی بچی....!" زرینہ چیخی۔

"اچھا جانے دو۔" صبیحہ گردن جھٹک کر بولی۔

"میں سمجھ گیا۔" فریدی مسکرایا۔ "غالباً جمال مجھے پاگل کہتا ہوگا۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"نہیں نہیں.... یہ غلط ہے۔" زرینہ نے کہا اور صبیحہ کو گھورنے لگی۔ جواب میں صبیحہ ـ اُسے منہ چڑھا دیا۔

"اچھا! آنے دو ڈیڈی کو۔"

"جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اس کا بُرا نہیں مانتا۔ میرا پورا خاندان مجھے پاگل سمجھتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس میں میرا حرج ہی کیا ہے.... اچھا تو اب میں سمجھا۔ وہ گدھا شائد مجھے اسی لئے رام گڈھ لایا ہے۔ یہاں کا پاگل خانہ تو کافی مشہور ہے۔"

"دیکھئے کمال صاحب.... یہ صبیحہ.... بالکل احمق ہے۔ آپ کچھ خیال نہ کیجئے۔"

"ہم دونوں پاگل خانے کے چیئرمین کی لڑکیاں ہیں۔" صبیحہ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "کمال صاحب! آپ خود سوچئے۔"

"تم خاموش نہیں رہو گی۔" زرینہ پھر جھلا گئی۔

"اور یہ زرینہ۔" صبیحہ نے شوخی سے کہا۔ "بہت زیادہ چالاک لڑکی ہے۔ اس لئے مجھ میں اثر کچھ کم آیا ہے۔ ویسے میں بھی خاصی پاگل ہوں۔"

قدموں کی آہٹ پر وہ خاموش ہو گئیں اور حمید نے تجربہ گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک ایسی ٹھنڈی سانس لی کہ خود اُسے اپنی کھوپڑی منجمد ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیوں....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں...!" حمید نے جواب دیا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا بھی پاگل ہو جانے کو دل چاہنے لگا ہے۔ کوئی تدبیر بتائیے...ڈاکٹر نے اُن دونوں کو چھوڑ دیا...باقی سب خیریت ہے۔"

"چھوڑ دیا۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرنے کے لئے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

صبیحہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ پھر قہقہوں کے ساتھ بولی۔ "میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر آدمی نہیں.... بالکل.... بالکل وہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا معلوم ہوتے ہیں۔" صبیحہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی لفظ کی تلاش ہی فضول ہے۔ سارے کتے مر گئے اور انہوں نے مجرموں کو معاف کر دیا۔ خدا کی پناہ۔"

"آہا! ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ڈاکٹر نے ایک گیس ماسک منگوایا ہے۔ غالباً وہ اُس کمرے میں جائیں گے جس میں گیس چھوڑی گئی ہے۔"

"کمال ہے بھئی۔" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ "کس دل سے اپنے کتوں کی لاشیں دیکھ سکیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" صبیحہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "وہ ہم لوگوں کی لاشیں دیکھ سکتے ہیں،

لیکن کتوں کی لاشیں تو اُن سے ہرگز نہ دیکھی جائیں گی۔"

"صبیحہ....!" زرینہ نے اُسے پھر ڈانٹا۔

صبیحہ ایک ہذیانی سا قہقہہ لگا کر بولی۔ "میں پاگل ہوں۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی.... ڈیڈی کا مضحکہ اڑاتی ہو۔"

زرینہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے ایک الماری کی طرف بڑھی، غالباً وہ گیس ماسک نکالنے جا رہی تھی۔ حمید صبیحہ کی طرف شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" صبیحہ نے چیلنج کرنے کے سے انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں! بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"فکر نہ کیجئے! یہ تو پہلا فاقہ ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ زرینہ چیخ مار کر اُس کے سامنے آگری۔

"سانپ....!" وہ اُٹھتے اٹھتے پھر چیخی۔

کھلی ہوئی الماری سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل رہا تھا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور صبیحہ بدحواسی میں زرینہ کو دروازے تک گھسیٹ لے گئی۔ نوکر برآمدے میں تھے۔ چیخ سن کر وہ بھی تجربہ گاہ میں گھس آئے۔

"اوہو.... ڈرو نہیں....!" فریدی پُرسکون آواز میں بولا۔

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور دکھائے گا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا چشم زدن میں ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ فریدی کا ہاتھ اس پر کیسے پڑا۔ وہ تو بس اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا کیچوا لٹکتا دیکھ رہے تھے۔ اُس نے اُس کے سر کا نچلا حصہ اس طرح چٹکی میں دبا رکھا تھا کہ سانپ کا کھلا ہوا منہ کسی طرح بند ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" زرینہ پھر چیخی۔

"بھائی صاحب! بھائی صاحب۔" حمید نے خوفزدہ سی آواز میں ہانک لگائی۔

فریدی نے سانپ کو ایک جھٹکا اور دے کر فرش پر ڈال دیا۔ رینگنا تو دور کی بات تھی اب وہ لہریں بھی نہیں لے سکتا تھا۔ صرف دم میں خفیف سی لرزش باقی تھی۔ وہ اُسے وہیں چھوڑ کر الماری کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد دو یا تین منٹ بعد دو عدد گیس ماسک لئے ہوئے باہر جانے لگا۔

"یہیں میرا انتظار کرو۔" اُس نے دروازے کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمید اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر پھر سانپ کی طرف دیکھنے لگا، جو غالباً اب مر چکا تھا۔

"کیا یہ زندہ ہے۔" زرینہ نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"نہیں! اس کی ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں سے الگ ہو گئی ہوں گی۔ بھائی صاحب اس فن کے ماہر ہیں۔"

حمید نے صبیحہ کی طرف دیکھا جو اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"کیا الماری مقفل تھی؟" حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

"جی ہاں....!" اُس نے جواب دیا۔

"کیا ڈاکٹر سانپوں پر بھی تجربہ کرتے ہیں۔"

"نہیں کبھی نہیں....!"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سانپ کسی نے یہاں رکھا تھا اور اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے، جنہوں نے کتوں کے کمرے میں گیس چھوڑی تھی۔ وہ جانتے رہے ہوں گے کہ گیس ماسک اسی الماری میں ہیں اور یقیناً ایسی حالت میں وہ نکالے جائیں گے۔"

حمید خاموش ہو کر لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا لیکن انہوں نے اس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی سانپ کے کھلے ہوئے منہ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات سوچی ہو کیونکہ حمید بھی دوسرے ہی لمحے میں اُسے بجلی کے بلب کی طرف اٹھا کر اُس کے کھلے ہوئے دہانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔ حمید نے مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی اُس کے منہ میں ڈال دی۔

اور پھر ایک طویل سانس لے کر مردہ سانپ کو فرش پر ڈال دیا۔ حقیقتاً اُس کے دانت نکال دیئے گئے تھے اور وہ سچ مچ ایک کیچوے ہی کی طرح بے ضرر تھا۔ زرینہ اور صبیحہ اُس کی حرکتوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

حمید سوچ رہا تھا کیا ڈاکٹر انہیں اپنے یہاں سے بھگانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اُن دونوں مجرموں کو چھوڑ دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے؟

وہ رات انہیں تجربہ گاہ میں بسر کرنی پڑی۔ ڈاکٹر نے کسی کو بھی کوٹھی میں نہیں جانے دیا۔ اُس کے خیال میں پوری کوٹھی گیس سے متاثر ہو گئی تھی۔

فریدی ایک خبطی آدمی کا بہترین رول ادا کرتا رہا۔ اُس نے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی مردہ سانپ کو دیکھ کر اُس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ مقفل الماری میں کس طرح پہنچا ہوگا۔

دوسری صبح جب حمید اور فریدی لان پر تنہا تھے تو حمید نے پچھلی رات کے واقعات کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"کیا آپ نے دیکھا تھا کہ سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔" اُس نے کہا۔

"ہاں میں نے دیکھا تھا۔"

"اور لڑکیوں کے بیان کے مطابق الماری مقفل تھی۔"

"رہی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر یہی سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں قیام کریں۔"

"اوہ! تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے واقف ہے۔" فریدی بولا۔

"پھر کیا سمجھوں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو اس قسم کی حرکتیں ہرگز نہ کرتا۔"

"تو پھر اُس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب واقعات کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"آخر آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم ہی کچھ روشنی ڈالو۔"

"اگر آپکے یہاں آنے کا مقصد معلوم ہو جائے تو ڈال سکتا ہوں روشنی...!" حمید اکڑ کر بولا

"مقصد بھی بتا چکا ہوں۔"

"اچھا تو یہ بھی بتا دیجئے کہ وہ پاگل کس قسم کا ہے جس میں آپ دلچسپی لے رہے ہیں اور اس کی اصلیت کیا ہے۔"

"اونہہ.... ختم کرو.... ڈاکٹر اپنی طرف آ رہا ہے۔"

ڈاکٹر نجیب انہیں کی طرف آ رہا تھا لیکن جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"ہلو.... کمال زخم کیسا ہے۔" اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور سر پر بندھی ہوئی پٹی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے۔"

"افسوس! کس بات پر۔" فریدی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"پچھلی رات کے واقعات....!" ڈاکٹر کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اوہ....!" فریدی ایک مختصر سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "مجھے ایسے واقعات سے بڑی دلچسپی ہے۔ ذہنی ورزش کے ساتھ اگر جسمانی ورزش بھی نہ ہو تو آدمی کاہل ہو جاتا ہے۔"

"تو تم.... ذہنی ورزش بھی کرتے ہو۔"

"جی ہاں! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میرے خاندان والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔" فریدی نے قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور غالباً اس گدھے نے آپ کو بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔"

"نہیں.... نہیں....!"

"آپ کی صاحبزادی محترمہ صبیحہ مجھے بتا چکی ہیں۔"

"اوہ.... اوہ.... وہ بڑی شریر ہے۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو۔"

"آپ پاگل خانے کے میڈیکل بورڈ کے چیئرمین ہیں نا....!"

"ہاں.... آپ....!"

"اور شائد اسی لئے میں یہاں لایا گیا ہوں کہ میرا علاج کیا جائے۔" فریدی کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔

"نہیں.... بھئی.... وہ تو تم اتفاقاً مجھے اسٹیشن پر ملے تھے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"خیر.... خیر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن آپ میری ذہنی حالت ٹھیک کرنے پر اپنا وقت نہیں برباد کریں گے۔"

"نہیں بھئی.... تم بالکل ٹھیک ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے آپ کو فرانسیسی اور جرمن کا لطیفہ بھی سنایا ہو۔"

"کیا وہ بھی غلط ہے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"سو فیصدی غلط.... محض مجھے غصہ دلانے کے لئے تمام میں کہتا پھرتا ہے کہ میں فرانسیسی اور جرمن سے نابلند ہوں۔"

"مگر.... بھئی.... تم نے وہ کتاب الٹی پکڑ رکھی تھی۔"

"کون سی کتاب....!"

"اوہ.... وہ.... کچھ نہیں.... کچھ نہیں....!" ڈاکٹر فوراً سنبھل گیا۔ کتاب کا واقعہ ٹرین سے متعلق تھا اور ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے اسٹیشن پر اتفاقاً ملاقات ہو گئی تھی۔

"نہیں بتایئے کون سی کتاب....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے ڈاکٹر کو آنکھ مار کر فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لیکن فریدی نے جھلاہٹ میں نہ صرف اس کا ہاتھ ہٹا دیا بلکہ ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی کوشش کی۔ حمید اچھل کر ڈاکٹر کے پیچھے ہو گیا۔

"ارے.... ارے.... ہائیں....!" ڈاکٹر نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو آپ اس سور کو بھی تو سمجھایئے کہ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ مجھے تمام جگہوں پر ذلیل کرتا پھرتا ہے۔"

"میں سمجھا دوں گا۔ خیر اسے جانے دو۔ تم ابھی ذہنی ورزش کی بات کر رہے تھے۔"

"جی ہاں.... کیا وہ بھی پاگل پن کی بات تھی۔"

"نہیں.... نہیں.... قطعی نہیں۔"

"ذہنی.... ورزش....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں پچھلی رات کے واقعات پر ذہنی ورزش کر رہا ہوں۔ کمرے میں گیس ڈال کر کتوں کو ختم کیا گیا۔ پھر اس الماری سے سانپ برآمد

ہوا جس میں گیس ماسک رکھے ہوئے تھے اور سانپ بھی کیسا، جس کے دانت پہلے ہی توڑ دیئے گئے تھے اور پھر آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرم بھی چھوڑ دیئے۔"

ڈاکٹر نجیب چند لمحے اُسے خاموشی سے گھورتا رہا۔ پھر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "آؤ.... چلو میں اس کے متعلق اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"چلئے....!" فریدی بولا۔

پاگل کا نشانہ

وہ ڈرائنگ روم میں آئے جہاں ناشتہ میز پر لگایا جا چکا تھا اور لڑکیاں شائد انہیں کی منتظر تھیں۔ صبیحہ حمید کو دیکھ کر مسکرائی اور حمید بھی مسکرا دیا۔ ڈاکٹر خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے پھر ڈاکٹر بولا۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔" فریدی نے سوچنے کے سے انداز میں اپنی پیشانی پر شکنیں ڈال لیں۔

"پچھلی رات کی باتیں جن پر تم ذہنی ورزش کرتے رہے ہو۔"

"آہا ٹھیک! میں ان واقعات کو کبھی نہیں بھول سکتا، محض اس لئے کہ وہ تحیر انگیز ہیں.... انتہائی تحیر انگیز.... ورنہ میں ہر بات بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ جب ہم اسٹیشن سے اس طرف آرہے تھے تو ہم پر چند نامعلوم آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ اُن میں سے ایک کی آواز بالکل ایسی ہی تھی جیسے بیمہ کمپنی کے اُس ایجنٹ کی جو ہمیں ٹرین میں ملا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب اُس واقعے سے ناواقف ہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔

اس پر فریدی نے بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں کی عجیب و غریب حرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اُن میں سے ایک وہ ایجنٹ ضرور تھا جس نے کمپارٹمنٹ میں ریوالور نکالا تھا۔ اچھا دوسری بات.... انہوں نے ہمارے سامان میں ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی ہمیں جان ہی سے مارنے کی کوشش کی، حالانکہ اُن کے پاس اسلحے بھی موجود تھے۔ پھر یہاں کوٹھی میں کتوں پر آفت آئی۔ الماری سے سانپ برآمد ہونے کا مقصد یہی تھا کہ اس واقعے کے بعد آپ لوگوں کو

ایک دوسرے حادثے سے دوچار کیا جائے، ورنہ وہ سانپ اسی الماری سے کیوں برآمد ہوتا جس میں گیس ماسک رکھے تھے۔ ظاہر ہے کہ کتوں والے واقعے کے بعد گیس ماسک کی ضرورت پیش آنی لازمی تھی۔ مگر اُس سانپ کا مقصد؟ آپ خود ہی فرمایئے کہ اس کے دانت کیوں نکال دیئے گئے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرموں کو کیوں چھوڑ دیا۔"

فریدی خاموش ہو کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"وہ ہمیں صرف خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔

"کون....!"

"چند نامعلوم آدمی....!"

"کیوں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟"

"تاکہ میں کوٹھی چھوڑ دوں۔"

"کیا یہ کوٹھی کرائے پر حاصل کی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں میری اپنی ہے۔ اب سے پچیس سال قبل میں نے اسے خریدا تھا۔"

"کون ہیں وہ بیہودے، جو آپ سے آپ کا مکان چھیننا چاہتے ہیں۔ مجھے بتایئے۔ میں اُن سے سمجھ لوں گا۔ کیپٹن ماتھر میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھے! میں خود بھی پولیس کی مدد لے سکتا تھا۔"

"پھر کیوں نہیں لی....!"

"وجہ ہے! میں نہیں چاہتا کہ پولیس کو اس کا علم ہو....!"

"کمال کرتے ہیں۔ ارے ان خطرناک حالات میں رہنا آپ کو پسند ہے۔"

"یہ ایک راز ہے۔"

"لیکن.... میری یہ چوٹ....!" فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں ماتھر کو اس کی اطلاع دے دوں۔"

"خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔" صبیحہ بول پڑی اور ڈاکٹر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"میں ضرور اُسے مطلع کروں گا۔"

"تم میرا کہنا نہیں سنو گے.... سر افضال....!"

"سنئے تو سہی۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آخر وہ راز کیسا ہے؟"

ڈاکٹر تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم مجبور کرو گے تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ان حرکتوں پر اتر آئیں گے۔ ورنہ میں تمہیں کبھی یہاں نہ لاتا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آ ہی سکوں۔" فریدی نے کہا۔

"میں بتادوں گا مگر پہلے تم وعدہ کرو کہ یہ بات صرف تم دونوں ہی تک رہے گی۔"

"سن رہے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر غرایا۔ "اگر تم نے یہ بات کسی سے کہی تو ہڈیاں پسلیاں ایک کردوں گا۔"

"میں کسی سے نہیں کہوں گا۔" حمید نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

فریدی پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا اور ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔ "اس عمارت میں کہیں پر ایک بہت بڑا دفینہ ہے۔"

"دفینہ....!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور اُس کا چہرہ یک بیک سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک نظر آنے لگی۔ لیکن حمید خوب سمجھتا تھا کہ یہ تغیر قطعی بناوٹی ہے۔ اس کا جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔

"دفینہ....!" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے یہ عمارت بحری جہاز کے ایک انگریز کپتان سے خریدی تھی۔ وہ یہاں تنہا رہتا تھا اور جس دن اُس نے مجھ سے رقم وصول کی تھی، اُس سے پندرہ ن بعد کوٹھی خالی کردینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ تیسرے ہی دن اسی کوٹھی میں مردہ پایا گیا۔ کسی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس کا ایک ملازم بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ سے راسرار آدمی تاریک راتوں میں کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے رہے ہیں اور انہوں نے کئی جگہ ا کھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوٹھی کے اندر بھی گھس آئے تھے۔ دو ایک بار انگریز کپتان کو اُن پر لیاں بھی چلانی پڑی تھیں۔ لیکن کپتان نے ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو کبھی نہیں دی، رحال کوٹھی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر ے قبضہ مل گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ شروع شروع ں کچھ لوگوں نے کوٹھی خریدنے کی پیشکش کی۔ پھر مجھے غائبانہ طور پر دھمکیاں ملنے لگیں۔ پچیس

سال ہوگئے ان بکھیڑوں میں پڑے ہوئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ابھی تک وہ لوگ ہی کامیاب ہوسکے اور نہ میں ہی۔ وہ اکثر چوروں کی طرح کوٹھی میں گھس کر اُسے تلاش کرتے رہے ہیں۔ امتحاناً میں نے اکثر کوٹھی کو ایک ایک ہفتہ کے لئے بالکل خالی چھوڑ دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ ویسے ان کی تلاش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ پچیس سال سے.... خدا کی پناہ.... اور اب وہ اس بات پر اُتر آئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو مجھ سے کوٹھی خالی کرالیں۔"

ڈاکٹر خاموش ہوکر فریدی کیطرف دیکھنے لگا۔ جسکے چہرے پر اب بھی جوش کے آثار تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "پولیس کو اطلاع نہ دینی چاہئے۔ ورنہ پوری کوٹھی کھود ڈالی جائے گی.... دفینہ نہ ہو تب بھی پولیس یہ جاننا چاہے گی کہ آخر وہ اس میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بالکل یہی بات میں بھی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" صبیحہ مایوسانہ انداز میں بولی۔

"تم چپ رہو....!" ڈاکٹر نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"ڈیڈی میں پاگل ہوجاؤں گی۔"

"ضرور ہوجاؤ۔"

"آپ پاگل نہیں ہوسکتیں۔" فریدی نے اُسے اطمینان دلایا۔ "بس دیکھتی رہئے کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

"آپ کیا کریں گے۔" صبیحہ نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"میں اُن گیدڑوں پر موت بن کر گروں گا۔" فریدی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ "میرے پاس ریوالور ہے۔ میں اس کا لائسنس رکھتا ہوں۔ میرا نشانہ بڑا شاندار ہے۔ جمال ذرا اٹھنا تو۔ شاباش....!"

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا تھا۔ ڈاکٹر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

حمید بدستور بیٹھا رہا۔ فریدی نے اُسے گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

پھر کھینچتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے تک لے جاتا ہوا بولا۔ "سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی، ویسے اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے

ہے۔ فریدی نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر حمید کے سر پر رکھ دیا اور حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی.... فریدی اُس گلاس پر نشانہ لگانے جارہا تھا۔

"کیا کرنے جارہے ہو تم....!" دفعتاً ڈاکٹر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"نشانہ دیکھئے میرا۔"

"ارے نہیں.... خبردار....!" ڈاکٹر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ مگر فائر ہوچکا تھا۔

گلاس کے پرزے اڑ چکے تھے اور حمید کھڑا اپنا سر سہلا رہا تھا۔

"اگر تمہارا ہاتھ بہک جاتا تو.... بولو....!" ڈاکٹر نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نالائق مر جاتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہوتی۔ اچھا آپ ہی فرمائیے کیا آپ کسی پاگل آدمی سے ایسے نشانے کی توقع کرسکتے ہیں۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں۔"

"اور یہ گدھا مجھے پاگل کہہ کر بدنام کرتا پھرتا ہے۔"

"میں نے کب کہا تھا کس سے کہا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں محترمہ صبیحہ....!" فریدی صبیحہ کی طرف مڑا۔

"اوہو.... میں سمجھ گئی تھی کہ یہ مذاق کر رہے ہیں۔" صبیحہ نے جواب دیا۔

"بہرحال کہا تھا....!"

"نہیں کہا تھا۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ "صبیحہ تم آخر شرارت سے باز کیوں نہیں آتیں۔"

صبیحہ کچھ نہیں بولی۔

"کہئے تو.... اور دکھاؤں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی ناک پر بسکٹ رکھ کر...."

"نہیں.... نہیں.... میں اس کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔"

"خیر.... ہاں تو آپ مجھے بتائیے! وہ کون لوگ ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کروں گا۔ انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ تنہا نہیں ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اُس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ اس کا تصفیہ نہ

ہو جائے۔"

"میں کیسے بتا سکتا ہوں جب کہ وہ کبھی کھل کر سامنے آئے ہی نہیں۔"

"انہیں تو آپ جانتے ہی ہوں گے جنہوں نے یہ کوٹھی آپ سے خریدنے کی کوشش کی تھی۔"

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اُن میں سے صرف ایک آدمی یہاں موجود ہے لیکن تم آخر اُسے کس طرح مرعوب کرو گے.... وہ یہاں کا ایک ذی حیثیت آدمی ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے.... صرف پتہ بتا دیجئے۔"

"نہیں بھئی! اگر تم کوئی غیر قانونی حرکت کر بیٹھے تو....!"

"نہیں.... میں پاگل نہیں ہوں.... حالانکہ لوگ مجھے بچپن ہی سے پاگل سمجھتے آئے ہیں۔ مگر یہ تو سوچئے.... کہ اگر میں پاگل ہوتا تو مجھے ریوالور کا لائسنس کیسے مل جاتا۔"

"میں تمہیں پاگل نہیں سمجھتا۔" ڈاکٹر نے پلکیں جھپکائیں۔

"تو پھر بتا دیجئے۔"

"سردار محمود.... وہ یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے۔"

"پتہ بتایئے۔"

"جس سے بھی پوچھو گے بتا دے گا۔ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔"

"اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا۔" فریدی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑبڑایا۔

"مگر تم کرو گے کیا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اُس سے زیادہ پریشان کروں گا جتنے آپ اب تک ہو چکے ہیں۔"

"دیکھو بھئی! میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اسکی ضرورت نہیں! بس تم اپنی زبان بند رکھنا۔"

"زبان تو بند رہے گی لیکن میرے ہاتھ نہیں باندھے جا سکتے۔"

"سردار محمود کے یہاں بم کیوں نہ پھینکا جائے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!" ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"کوئی مرے گا نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ دھوئیں کا بم ہوگا۔"

"دھوئیں کا بم لاؤ گے کہاں سے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میں سائینس کا گریجویٹ ہوں۔" فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔

"یعنی تم خود بنا لو گے۔"

"قطعی....!"

"نہیں.... میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"آپ مشورہ دیں یا نہ دیں۔" فریدی اپنی پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "اس زخم سے خون بہا تھا اور اب تکلیف بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں ہیں۔

ناشتے کے بعد ڈاکٹر اپنے ذاتی ہسپتال کی طرف چلا گیا۔ فریدی اور حمید لان پر آ بیٹھے۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "لڑکیوں پر رنگ تو خوب جمایا مگر ان دونوں میں عشق کرنے کی صلاحیت نہیں معلوم ہوتی۔"

"اس سے میرا وہ مقصد نہیں تھا جو تمہارے ذہن میں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا اس کہانی کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"عرف عام میں ہم اُسے بنڈل کہیں گے۔ بچوں کو بہلانے کی سی باتیں اور اسی لئے میں نے بھی اچھل کر اُسے یقین دلا دیا تھا کہ میں بالکل چغد ہوں۔"

"خیر مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی نے اُس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جما دیا۔

برآمدے سے صبیحہ انہیں دیکھ رہی تھی، جیسے ہی فریدی کا گھونسہ حمید پر پڑا وہ "ہاں.... ہاں" کر کے دوڑی۔ اس پر فریدی نے اس کے قریب پہنچتے پہنچتے دو چار ہاتھ جھاڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید سچ مچ جھلا گیا۔ صبیحہ اُن کے درمیان میں آ گئی۔

"آپ ہٹ جایئے براہ کرم....!" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جمال صاحب آپ سے کمزور ہیں۔" صبیحہ نے پوچھا۔

"آپ خواہ مخواہ....!"

"نہیں کمال صاحب آپ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کو بھی غصہ آ سکتا ہے۔"

پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلئے! میرے ساتھ ایسے بڑے بھائی پر خدا کی مار....!"

فریدی وہیں کھڑا رہا اور وہ حمید کو کوٹھی کی طرف گھسیٹ لے گئی۔

دھماکہ

صبیحہ نے لائبریری میں پہنچ کر حمید کو ایک کرسی میں دھکیل دیا اور اپنے چہرے پر سے بالوں کی وہ لٹ ہٹاتی ہوئی بولی، جو بار بار اپنی جگہ سے ہٹ کر چہرے پر جھول جاتی تھی۔

"اگر میں اسے قینچی سے اڑادوں تو کیسی رہے۔"

"ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسا مسئلہ....؟"

"میں اس سے ایک مصنوعی مونچھ بنا ڈالوں اور پھر بھیس بدل کر اُن لوگوں کی حجامت بناؤں جو دفینے کے چکر میں ہیں۔"

صبیحہ ہنسنے لگی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "تو آپ کو بھی اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"کیوں! یقین کیوں نہ ہوتا۔" حمید یک بیک اور زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"کچھ نہیں.... کوئی بات نہیں.... ہاں تو میں یہ کہنے والی تھی۔ آخر آپ اتنے سعادت مند کیوں ہیں؟"

"نہیں آپ مجھ سے اُسی کہانی کی بات کیجئے۔"

"مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اس کہانی کا آغاز میری پیدائش سے قبل ہوا تھا۔"

"آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔"

"ہاں میں یہ چھپا رہی تھی کہ میں مرجانے کی حد تک بور ہو چکی ہوں۔ نہ ڈیڈی یہ کوٹھی چھوڑتے ہیں اور نہ.... میں کہتی ہوں کیوں نہ ہم اس موضوع پر خاموش ہی رہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"مگر مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔"

"کیوں....!"

"آپ کے بھائی صاحب پاگل ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کے ساتھ ان کا برتاؤ انتہائی افسوس

ناک ہے۔ میں اسے سعادت مندی نہیں بلکہ بزدلی سمجھتی ہوں۔ آپ چپ چاپ پٹتے رہتے ہیں۔ چھی چھی.... بلکہ لاحول ولا قوۃ۔"

"میں کیا کروں۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔"

"طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہمت چاہئے۔" صبیحہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ یہ لڑکی بھی نوعیت کے اعتبار یکتا معلوم ہوتی تھی۔ یعنی وہ اس جیسے آدمی کو بھی گھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

حمید نے سوچا کہ اسے شیشے میں اتارنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

"ہمت! ہمت سے کیا بنتا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد تشویش کن لہجے میں بولا۔

"جوڈو سمجھتے ہیں آپ....!" صبیحہ نے پوچھا۔

"بچپن میں سمجھتا تھا اب بھول گیا ہوں۔"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں، جوڈو یا جیو جیتو.... کشتی کا جاپانی طریقہ۔"

"اوہو! میں سمجھ گیا۔ میں نے اس کے متعلق کہیں پڑھا تھا۔"

"میں آپکی مدد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس اس فن کی ایک باتصویر کتاب ہے۔ آپ بہ آسانی مشق بہم پہنچا سکیں گے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ وہ حضرت آپ پر کس طرح غالب آتے ہیں۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں گا۔" حمید نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ ایک الماری کے قریب گئی اور اُس میں سے ایک ضخیم کتاب نکال لائی۔ "دو طریقے ہیں" وہ حمید کی طرف کتاب بڑھاتی ہوئی بولی۔ "جو ہاتھی کو مچھر سے زیر کرا دیں۔"

حمید مضطربانہ انداز میں جلدی جلدی ورق گردانی کرنے لگا۔

"صبیحہ خدا کے لئے اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔" انہیں زرینہ کی آواز سنائی دی، جو ایک دروازے میں کھڑی صبیحہ کو گھور رہی تھی۔

"خدا کے لئے تم میری سراغ رسانی ترک کردو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔

پھر دونوں میں سچ مچ جھڑپ ہوگئی۔ زرینہ لڑنے میں کمزور معلوم ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اُس کے منہ سے ایک بات نکلتی، صبیحہ دس سنا ڈالتی لیکن آخر کار پسپا اُسی کو ہونا پڑا۔ وہ چیختی چنگھاڑتی اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ زرینہ فطرتاً صبیحہ کی ضد واقع ہوئی ہے کیونکہ اُس غل غپاڑے کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا اور وہ بدستور پُر سکون نظر آ رہی تھی۔

"دیکھئے! آپ اس کے چکر میں نہ پڑیئے گا۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے کہا۔ "اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ آپ اگر اس کی باتوں میں آئے تو خواہ مخواہ آپ کو بہت بھگتنا پڑے گا۔ یہ آئے دن نوکروں میں سر پھٹول کراتی رہتی ہے۔"

"اچھا!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"خود ڈیڈی بھی اس سے عاجز ہیں۔"

"یہ آپ سے چھوٹی ہیں یا بڑی۔"

"مجھ سے دو سال چھوٹی ہے لیکن جب ڈیڈی کا احترام نہیں کرتی تو میرا کیا کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر دروازے کیطرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ذرا ٹھہریئے۔"

اس نے باہر نکل کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی جب یقین ہو گیا کہ صبیحہ آس پاس کہیں موجود نہیں ہے تو پھر لائبریری میں واپس چلا گیا۔

"دیکھئے!" اُس نے زرینہ کو مخاطب کیا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ صبیحہ صاحبہ ڈاکٹر کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جھوٹا بھی سمجھتی ہیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"میں نے سنا تھا۔" زرینہ بولی۔ "لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیڈی جھوٹ بولیں گے۔ بہت اونچے آدمی ہیں۔"

"کیا یہ کوٹھی آپ کی بھی پیدائش سے قبل خریدی گئی تھی۔"

"جی ہاں....!"

"بدتمیزی تو ضرور ہے۔ لیکن کیا میں آپ کی عمر پوچھ سکتا ہوں۔"

"عمر....!" زرینہ کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"میں معافی چاہتے ہوئے اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔" حمید نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

"اوہو.... اس کی ضرورت نہیں۔" زرینہ مسکرائی۔ "حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی صحیح معلوم نہیں.... ڈیڈی ہم دونوں پر بھی ایک تجربہ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ا

نفسیات قسم کے لوگوں کو تجربات کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ اسی تجربے کی بناء پر ڈیڈی نے ہم دونوں کو اسکول یا کالج میں تعلیم نہیں دلوائی۔"

"بھلا وہ کیسا تجربہ ہوگا۔" حمید نے تحیر آمیز انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"ڈیڈی اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ اگر آدمی کو اپنی صحیح عمر معلوم نہ ہو تو وہ جلدی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں اسکول میں بھی داخل نہیں کرایا تھا۔ داخل کرتے تو عمریں بھی لکھوانی پڑتیں۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ صبیحہ مجھ سے دو سال چھوٹی ہے، اور یہ ڈیڈی ہی نے بتایا تھا۔ بہر حال وہ ہم دونوں پر اپنے اس نظریئے کا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"خوب! کمال ہے۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"اچھا....!" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ صبیحہ سے ہوشیار رہئے گا۔ ورنہ وہ آپ کو کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھنسا دے گی۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ویسے میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ وقت گذاری کے طور پر سمجھ لیجئے۔"

"شوق سے پڑھئے۔ آدمی کو بس اپنی عقل درست رکھنی چاہئے۔"

زرینہ چلی گئی اور حمید اُن دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا.... دونوں میں کتنا تضاد ہے۔ پھر اُسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ آخر یہ عمر کا کیا لطیفہ تھا۔ نفسیاتی طور پر سمجھ میں آنے والی بات ضرور تھی.... مگر....؟ ایسی بھی نہیں کہ کسی پر اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ قطعی حماقت انگیز.... کیا اُسے توقع ہے کہ وہ ان لڑکیوں کے بڑھاپے کی عمر شروع ہونے تک زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے قبل نہ تجربہ مکمل ہو سکتا ہے اور نہ کتاب ہی تکمیل پا سکتی ہے۔

وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر چلا آیا۔ وہ اس تجربے کا تذکرہ فریدی سے بھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی اُسے کہیں نہ ملا۔ وہ شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ فریدی کافی رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے بھی اس پر تشویش ظاہر کی اور ماتھر کو فون کیا۔ لیکن اس نے بھی فریدی کے متعلق لاعلمی ظاہر کی۔

حمید رات بھر اطمینان سے خراٹے لیتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کیا تشویش ہو سکتی تھی کیونکہ

فریدی یہاں کسی کام ہی کے لئے آیا تھا۔

دوسری صبح حمید خود سے بیدار نہیں ہوا بلکہ کوئی بے تحاشہ اُس کے کمرے کا دروازہ پیٹے جارہا تھا اور اس کی متواتر آوازوں نے اُسے جگادیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر جلدی سے جسم پر شب خوابی کا لبادہ ڈالا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

اس طرح دروازہ پیٹنے والی صبیحہ تھی۔ اُس کے ہاتھ میں شائد آج کا کوئی اخبار تھا۔ وہ حمید کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے میں گھس آئی۔

"واقعی آپ کے بھائی صاحب دھن کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔" اُس نے حمید کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"دیکھئے....!" اُس نے اخبار کا صفحہ الٹ کر ایک سرخی کی طرف اشارہ کیا۔

"سردار محمود کی کوٹھی میں پُر اسرار دھماکہ۔ پوری کوٹھی دھوئیں سے بھر گئی۔ کسی جانی یا مالی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ قرب وجوار میں کافی ہیجان پایا جارہا ہے۔ بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ وہ دھوئیں کا بم تھا۔ سردار محمود کا بیان ہے کہ وہ اُن کے کسی دشمن کی حرکت معلوم ہوتی ہے، لیکن انہوں نے کسی خاص آدمی پر اپنا شبہ نہیں ظاہر کیا۔"

حمید خبر پڑھ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اور وہ حضرت ابھی تک واپس نہیں آئے۔" صبیحہ نے کہا۔

"نہیں آئے۔" حمید نے خواہ مخواہ اضطراب ظاہر کرنا شروع کردیا۔

"ڈیڈی کا خیال ہے کہ اُن کے لئے پاگل خانہ ہی مناسب رہے گا اور انہیں افسوس ہے کہ انہوں نے دفینے کا قصہ آپ لوگوں کو کیوں بتایا۔"

"مجھے جانا چاہیئے۔"

"کہاں؟"

"بھائی صاحب کی تلاش میں۔"

"آپ صرف دو ہی بھائی ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"جائیداد یقیناً بڑی ہوگی اور بینک بیلنس بھی۔"

"جی ہاں! خدا کے فضل سے بہت کچھ ہے۔"

"تب پھر آپ انہیں مر ہی جانے دیجئے۔"

"کیا لغویت ہے؟" حمید نے غصہ ظاہر کیا۔

"لغویت نہیں۔ اُن کے مرجانے پر آپ جائیداد کے تنہا مالک ہوں گے۔"

"آپ کو اس قسم کی فضول باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

"حالانکہ میں نے آپ کے فائدے ہی کی بات کہی ہے۔"

"تو اس طرح آپ محترمہ زرینہ کی موت کی بھی خواہش مند ہوں گی۔"

"یقیناً میرا بس چلے تو میں اُسے آج ہی مار ڈالوں۔"

"ڈاکٹر کے سامنے یہی الفاظ دہرانے کی ہمت ہے۔"

"اوہو! ڈیڈی....!" صبیحہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی۔ "انہیں تو جب چاہوں زہر دے دوں۔"

"اچھا اچھا! میں ڈاکٹر کو سب کچھ بتادوں گا۔"

"وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ لوگ اپنے بچاؤ کی فکر کیجئے۔ میں پولیس کو اطلاع دینے جارہی ہوں کہ دھوئیں کا بم پھینکنے والا کون ہے۔"

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"مجھے سردار محمود سے ہمدردی ہے۔ ڈیڈی خواہ مخواہ ایک شریف آدمی پر الزام رکھ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سردار صاحب نے کبھی کوٹھی خریدنے کی خواہش ظاہر کی ہو لیکن اس بات کا ڈیڈی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان حرکتوں میں انہیں کا ہاتھ ہے۔"

حمید میز کے گوشے پر بیٹھ کر صبیحہ کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے اس نے اپنے چہرے پر سراسیمگی کے سارے آثار پیدا کر رکھے تھے۔

"اور آپ کے بھائی صاحب سو فیصدی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔" صبیحہ پھر بولی۔ "میں انہیں پاگل خانے ضرور بھجواؤں گی اور آپ جیل کے منتظر رہئے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔" حمید نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"آپ نے....!" وہ حمید کے قریب پہنچتی ہوئی بولی۔ "خیر میں آپ کو معاف کرتی ہوں۔ آپ پر مجھے نہ جانے کیوں رحم آتا ہے۔"

اچانک وہ حمید کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور حمید نے موج میں آکر آنکھیں بند کر لیں۔ صبیحہ سر سہلاتے سہلاتے گال بھی سہلانے لگی۔ پھر حمید کا کیا پوچھنا وہ خود کو تخت سلیمان پر محسوس کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں تحت الثریٰ کی بھی سیر کرنی پڑی۔ کیونکہ صبیحہ نے گال سہلاتے سہلاتے اچانک ایک بھرپور ہاتھ رسید کر دیا تھا اور پھر اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہاں سے ہوا ہو گئی۔ حمید ایک ہاتھ داہنے گال پر رکھے اور بُرا سا منہ بنائے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسرے گال پر اپنے ہی ہاتھ سے تھپڑ رسید کر لے۔

اچانک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔

"تم نے دیکھی وہ خبر۔" اُس نے آتے ہی کہا۔ اس کے لہجے میں مسرت آمیز لرزش تھی۔

"جی ہاں دیکھ لی۔" حمید نے اپنا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں بھائی نے جو کچھ کہا ہے کر گزریں گے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہاں۔"

"پتہ نہیں! مجھے تشویش ہے۔ ویسے اُن کی ذہنی حالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے انہیں صرف سنکی کہا جا سکتا ہے۔ پاگل نہیں۔ انہیں تلاش کرنا چاہئے۔ اب کوئی ایسی حرکت ہونی چاہئے جس سے سردار محمود کو علم ہو جائے کہ اس دھماکے کا تعلق میری ذات سے ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہئے۔"

نمبر چوالیس

محض دکھاوے کے لئے حمید فریدی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ورنہ اُسے ذرہ برابر تشویش نہیں تھی۔ البتہ وہ سردار محمود کے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

فریدی کو ڈاکٹر کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس نے سردار محمود

خلاف وہ حرکت کر ڈالی تھی۔ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ دوسری طرف اُسے ڈاکٹر سے زیادہ اس کی لڑکیاں پُراسرار معلوم ہو رہی تھیں اور صبیحہ اُسے تو وہ ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔

وہ تمام دن باہر ہی باہر رہا۔ شام کو اس نے سوچا کہ ماتھر سے بھی ملتا چلے، ممکن ہے فریدی سے وہیں ملاقات ہو جائے۔ اس کا خیال درست نکلا۔ فریدی ماتھر کے بنگلے میں موجود تھا اور بہت اچھے موڈ میں تھا۔ حمید نے اُسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب ڈاکٹر چاہتا ہے کہ سردار محمود اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ دھوئیں کے بم کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔ ویسے صبیحہ کو دفینے والی کہانی پر بالکل یقین نہیں۔"

"میں اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر آپ نے سردار محمود کی کوٹھی میں بم کیوں پھینکا تھا۔"

"وہ تو آج بھی پھینکا جائے گا۔"

"آخر معاملہ کیا ہے؟"

"تم فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔ اگر ہو سکے تو کل ڈاکٹر کو گھر سے باہر ہی نہ نکلنے دینا۔ مگر نہیں.... یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ خیر میں ہی کوئی انتظام کر لوں گا لیکن تم اس کے فون میں تو کچھ نہ کچھ خرابی پیدا ہی کر سکو گے۔ یہ بہت ضروری ہے.... خواہ تمہیں اس کے تار ہی کیوں نہ کاٹنے پڑیں۔"

"آخر کیوں....!"

"کل میں پاگل خانے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ وہاں کے انتظامی اُمور میں بھی دخیل ہے اور اسکی لاعلمی میں کوئی باہری آدمی پاگل خانے میں نہیں داخل ہو سکتا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل خانے میں داخلے کے اجازت نامے پر اُسکے دستخط ہونے ہر حال میں لازمی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اچھا۔ میں اس بات کی کوشش بھی کروں گا کہ وہ کل گھر سے باہر نکلنے ہی نہ پائے۔"

"کیسے روکو گے۔"

"نہایت آسانی سے۔ آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ کل وہ نہ تو پاگل خانے جائے اور نہ فون پر کسی سے گفتگو کر سکے۔"

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔"

"تو یہ ہو جائے گا۔ میں آج ہی رات کو اُس کی دونوں لڑکیوں سمیت غائب ہو جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی باندھ کر گھونسہ بنانے لگا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بہت نرمی سے کہا۔ "میں اس معاملے میں تم سے سنجیدگی کی توقع رکھتا ہوں۔"

"پھر اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں ہے۔"

"فرض کرو اگر لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم کیا کرتے۔"

"ایک منٹ کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرتا۔"

"مذاق ختم کرو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم اس سے کہہ دینا کہ وہ کل گھر سے باہر نہ نکلے۔ اسی طرح سردار محمود کو دھماکے والے معاملے کے متعلق یقین دلایا جاسکتا ہے کہ وہ اسی کا کام تھا۔ سمجھے.... اور اس کے بعد تم ٹیلی فون کے تار تو کاٹ ہی سکتے ہو۔"

"پھر دن بھر میں کیا کرتا رہوں گا۔"

"جو کچھ آج کرتے رہے ہو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔"

حمید دفع ہو جانے کے باوجود بھی سیدھا ڈاکٹر کی طرف نہیں گیا۔ کافی رات گئے تک ہوٹلوں اور ریستورانوں کے چکر کاٹتا رہا اور پھر جب کوٹھی پہنچا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پایا۔

"کچھ پتہ چلا۔" ڈاکٹر کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"جی ہاں ملے اور عجیب حال میں ملے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ وہی بھا صاحب جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں خدا کی پناہ.... حمید اپنا منہ پیٹ کر خامو ہو گیا۔"

"کیوں! کس حال میں تھے۔" ڈاکٹر کا اشتیاق بڑھ گیا۔

"اُن کے جسم پر امریکن غنڈوں کا سا لباس تھا اور وہ ایک بدنام قسم کے ہوٹل میں چ لفنگوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں یکلخت غصہ آگیا اور اُس کے ساتھ اپنی آستین سمیٹنے لگے۔ ایک نے اُن سے کہا بھی کہ استاد کہو تو ہاتھ صاف کر دوں۔ لیکن وہ مجھ الگ لے گئے اور بتایا کہ آج رات کو پھر سردار محمود کی کوٹھی میں دھوئیں کا بم پھینکا جائے گا ڈاکٹر سے کہہ دینا کہ کل دن بھر کوٹھی سے کمپاؤنڈ میں بھی نہ نکلیں۔"

"کیوں؟" ڈاکٹر کی حیرت بڑھ گئی۔

"پتہ نہیں۔ انہوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ اسی طرح سردار محمود کو یقین دلایا جاسکتا ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر ہی کا ہاتھ ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ یہ اشد ضروری تھا۔ کل میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اور کچھ؟"

"اور دوسری اہم بات میں خود کہنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"محترمہ صبیحہ آپ ن وہ میں رہتی ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" ڈاکٹر یک بیک چونک پڑا۔ اس کا یہ انداز نہ جانے کیوں حمید کو بہت پُراسرار معلوم ہوا۔

"انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم بیوقوف ہو اگر تمہیں اس پر یقین آجائے۔"

"اوہ....!" ڈاکٹر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا اور وہ ہنس کر بولا۔ "وہ شیطان ہے۔ یہ بات تو وہ مجھ سے بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ بہت شریر ہے۔"

حمید نے پھر یہ بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ ڈاکٹر کے رویئے پر غور کرنے لگا۔ آخر وہ اس بُری طرح چونکا کیوں تھا اور پھر پوری بات سن لینے کے بعد مطمئن بھی نظر آنے لگا تھا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے صبیحہ کا اس کی ٹوہ میں رہنا غیر متوقع ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہو۔

صبیحہ کے بارے میں سوچتے وقت حمید کو اس کا تھپڑ یاد آگیا اور وہ سوچنے لگا کہ اُس سے اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔ وہ سوچتا رہا اور اُسے نیند آگئی۔

دوسری صبح ٹھیک آٹھ بجے اُس نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔

ڈاکٹر نے ابھی تک سچ مچ کوٹھی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور حمید کو توقع تھی کہ وہ فریدی کے ہر مشورے پر عمل کرے گا البتہ اُسے ٹیلی فون کی فکر ضرور تھی۔ تار غالباً اس لئے کٹوائے گئے تھے کہ ڈاکٹر فون پر بھی کسی سے رابطہ نہ قائم کر سکے لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ اپنے فون سے کام نہ لے سکنے کی بناء پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ فون کی خرابی کی اطلاع وہ کسی

دوسری جگہ سے بھی ٹیلی فون کے محکمے کو دلوا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں تار کاٹنے کا علم اُسے یقینی طور پر ہو جاتا.... پھر.... حمید سوچتا اور الجھتا رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ گیارہ بجے تک ڈاکٹر نے فون استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔

آج حمید لڑکیوں سے دور ہی دور رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر صبیحہ سے ملاقات ہو گئی تو وہ مستقل طور پر پیچھا پکڑ لے گی اور حمید ڈاکٹر کی نگرانی نہ کر سکے گا۔ نگرانی کا خیال بھی نیا نہیں تھا۔ یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ حمید ڈاکٹر کی طرف سے مطمئن تھا کیونکہ اُسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ ان دونوں پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

تقریباً بارہ بجے ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی اس میں سے اُتر کر پورچ کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں ایک نوکر سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور اس بات پر مصر ہوا کہ اُسے براہِ راست ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا جائے۔ راستے میں حمید سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور پہلی ہی نظر میں کھٹک گیا۔

ڈاکٹر لائبریری میں تھا۔ حمید جلدی سے راہداری سے نکل کر لان پر آیا اور باہر ہی باہر لائبریری کی پشت پر پہنچ گیا۔ اب وہ ٹھیک اس کھڑکی کے نیچے تھا جس کی دوسری طرف ڈاکٹر ایک آرام کرسی میں لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دی۔ اُس کے لہجے میں استعجاب تھا۔ حمید بالکل کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو اس کے سر سے تقریباً ایک بالشت اونچی تھی۔

”نمبر چوالیس کی حالت بہت خراب ہے۔ اُسے کسی نے زہر دیا ہے۔“

”زہر دیا ہے۔“ ڈاکٹر نے دہرایا۔

”جی ہاں اور محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر وہاں موجود ہے۔“

”تو تم نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع دی تھی۔“ ڈاکٹر کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

”نہیں جناب.... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور وہ خود ہی آج صبح نمبر چوالیس کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”خود ہی آیا تھا۔“ ڈاکٹر نے حیرت سے دہرایا۔ ”اور وہ کوئی مشہور آدمی ہے۔“

”جی ہاں.... کرنل فریدی۔“

”کرنل فریدی۔“ کرسی کھسکانے کی آواز آئی شاید ڈاکٹر کھڑا ہو گیا تھا۔

”اور جناب! کرنل فریدی ہی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”تمہاری باتیں بے ربط ہیں آخر کرنل فریدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔“

”بس وہ وہاں آیا۔ ڈیوٹی انچارج سے مل کر اُس نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی اور سیدھا اس کی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ انچارج اُسے کیسے روکتا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو ہے نہیں۔ بہرحال جب وہ اس کی کوٹھری میں پہنچا تو وہ بیہوش پڑا تھا۔ کرنل ہی نے یہ بات سب سے پہلے محسوس کی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو فون کیا لیکن شاید آپ کا فون خراب ہے۔ انکوائری سے یہی معلوم ہوا تھا.... پھر سیدھا یہیں چلا آیا۔“

”نہیں فون تو ٹھیک ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”خیر کرنل فریدی وہاں موجود ہے یا چلا گیا۔“

”موجود ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے۔ نمبر چوالیس بچ جائے گا.... یا....!“

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔“

”اچھا! تم اپنی زبان بالکل بند رکھنا۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اُسے میں نے ہی پاگل خانے میں داخل کیا تھا۔“

”میری زبان بالکل بند رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔“

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر ڈاکٹر نے کہا۔ ”اب تم وہیں واپس جاؤ۔ جیسے ہی کرنل وہاں سے رخصت ہو مجھے فوراً فون پر اطلاع دینا۔ میں دیکھوں گا کہ فون میں کیا خرابی ہے۔“

حمید کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس کی دانست میں اب کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ ڈاکٹر فریدی کی موجودگی میں وہاں جانے سے رہا لہٰذا اب اُس کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ ڈاکٹر کو فون کی خرابی سے لاعلم رکھا جائے۔

حمید پورچ میں کھڑا نووارد کی کار کو پھاٹک سے نکلتے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر ابھی تک لائبریری ہی میں تھا۔ حمید پہلے تو اس کمرے میں گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا پھر لائبریری کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے بھر وہ اپنے چہرے پر بدحواسی کے آثار پیدا کرتا رہا۔

پھر لائبریری میں داخل ہوتے ہی للکارا۔ "ڈاکٹر کسی نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے بڑے پُر سکون انداز میں اس کا یہ جملہ سنا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ کہے بغیر پھر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کہے.... وہ سوچنے لگا کہ کیا ڈاکٹر سچ مچ اُس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ اس کی مسکراہٹ اور لاپروائی کے اظہار کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔

"اب اور کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈاکٹر کتاب بند کر کے عینک کے اوپر سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں ہو سکتا جسے اس طرح رواداری میں ڈال دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ ویسے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو میں تمہارا مشکور ہوں گا۔ سلامت سے کہو۔ وہ تار مہیا کر دے گا۔"

ڈاکٹر نے پھر کتاب کھول لی اور حمید وہاں سے چلا آیا۔

تاروں کی درستگی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ حمید اس دوران میں اس نووارد کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ اور وہ خبر.... زہر کسے دیا گیا تھا۔ کیا اُسی پاگل کو جس کے لئے فریدی رام گڈھ آیا تھا لیکن یہ حیرت انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچنا چاہا اور آج ہی اُسے زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر نجیب کی کیا حیثیت تھی؟ حمید اس گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ فون کو ٹسٹ کرنے کے لئے وہ پھر کمرے میں آگیا۔ اب وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

حمید خیالات میں کھویا ہوا میز کے گوشے سے ٹک گیا۔ آخر وہ کون تھا جس کے لئے فریدی کو یہاں تک آنا پڑا۔ اس نے کسی کے اغواء کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نجیب.... وہ اُس پاگل سے بھی زیادہ پُراسرار معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دیئے جانے سے زیادہ اُس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر تشویش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"ڈاکٹر نجیب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں.... میں ہی ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نمبر چوالیس مر گیا اور کرنل یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی یہاں کے مقامی حکام کو لا کر باضابطہ کاروائیوں کی تکمیل کرے گا.... مگر....!"

"مگر کیا؟" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے جانے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک دوسرا کرنل فریدی آدھمکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ایک دوسرا آدمی جو خود کو کرنل فریدی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اُسے فی الحال روک لیا ہے۔ آپ جو کچھ کہیں کیا جائے۔ یہ آدمی نوعمر ہے اور اسے کسی طرح بھی کرنل فریدی نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اُسے بھی لاش دکھادو۔" حمید بولا۔

"تم میری آواز کی بہت اچھی نقل کر رہے ہو۔" ڈاکٹر نجیب نے کہا جو کمرے کے دروازے میں کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید جلدی سے ریسیور رکھ کر ہر قسم کے خطرے کے لئے تیار ہو گیا۔

دھوکا اور فائر

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ لیکن اس بار حمید نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ آخر ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھو.... کون ہے۔"

حمید کو اس پر متحیر ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اُس نے ریسیور اٹھالیا۔ البتہ اُس نے ڈاکٹر کو سچ مچ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی سی تھی۔ یہ آواز نہ صرف نسوانی بلکہ صبیحہ کی آواز سے مشابہہ بھی تھی۔

"ہاں.... ڈاکٹر موجود ہیں! ٹھہریئے۔" حمید ماؤتھ پیس میں کہہ کر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔

اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ خشک ہوگئے تھے اور وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے حمید کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ڈاکٹر نجیب اسپیکنگ.... اوہ.... کیا.... کیسی لاش.... اچھا.... اچھا.... ہاں.... ہاں.... خیر کوئی فکر نہ کرو۔ بس تمہاری زبان بند رہنی چاہئے۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ دیا اور ایک کرسی میں گر کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید ٹھیک اُس کے سامنے بیٹھا سر کھجاتا رہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے اُسے مخاطب کیا۔ "پہلے تم نے کس کا فون ریسیور کیا تھا۔"

"کال آپ ہی کی تھی۔" حمید نے شرمندگی ظاہر کرنے والے لہجے میں کہا۔

"کون تھا۔"

"اس نے اپنا نام نہیں بتایا مگر پیغام عجیب تھا۔"

"کیا تھا....؟"

"اوٹ پٹانگ.... کہنے لگا نمبر اکیاون یا اکتالیس یا اور کوئی نمبر.... مجھے نمبر یاد نہیں.... بہرحال وہ نمبر مر گیا۔ ایک کرنل سعیدی چلا گیا اور اب دوسرا کرنل سعیدی آیا ہے۔ کرنل سعیدی یا اور کچھ۔ نام کے متعلق میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے صحیح یاد ہے۔"

"تم نے فون کے تار کیوں کاٹے تھے۔" ڈاکٹر کے لہجے میں سختی پیدا ہوگئی۔

"تاکہ مجھے ان کی مرمت کرنی پڑے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میں بہت زیادہ بیوقوف نہیں بن سکتا۔"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم دونوں اب مجھے اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکتے۔"

"اگر یقین نہ کرنا چاہیں تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت یقین نہیں دلا سکتی۔"

"تو گویا تم اب بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہے ہو۔"

"میں مرتے دم تک آپ کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلاتا رہوں گا۔"

ڈاکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا تو میں ابھی امتحان کئے لیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ.... چلو اٹھو....!"

حمید اُٹھ کر اُس کے ساتھ ہولیا۔

ڈاکٹر اُسے عمارت کے باہر نہیں لے گیا۔ لیکن پھر بھی حمید کو کافی چلنا پڑا کیونکہ عمارت کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ بالآخر وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر دروازے پر نظریں جمادیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تم اس تحریر کو پڑھ سکتے ہو۔"

"کون سی تحریر؟" حمید نے پوچھا۔ وہ دروازے سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر تھا اور ابھی تک اُسے کوئی تحریر نظر نہیں آئی تھی۔

"یہ تحریر۔" ڈاکٹر نے دروازے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

حمید اتنا آگے بڑھا کہ دروازے پر بالکل لگ گیا لیکن اب بھی اُسے کوئی تحریر نہ دکھائی دی۔ پھر وہ کوئی چبھتا ہوا جملہ کہنے کے لئے مڑنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر نے پیچھے سے اُسے ایک زوردار دھکا دیا۔ کیواڑ خود بخود کھلے اور حمید منہ کے بل کمرے میں جا گرا۔ دروازہ خود بخود پھر بند ہوگیا اور حمید نے سنبھلنے سے پہلے ہی تالے میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

"اب کچھ دیر آرام بھی کرو۔" اُس نے ڈاکٹر کا قہقہہ سنا۔ "تم بہت تھک گئے ہوگے۔"

حمید اٹھ کر دروازے پر ٹکریں مارنے لگا۔ لیکن دروازہ کمزور نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو آوازیں دیں، لیکن جواب ندارد پھر وہ تاؤ میں آکر زبانی طور پر اس سے ایک گندہ سا رشتہ قائم کرنے لگا۔ مگر شائد ڈاکٹر جاچکا تھا۔

یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک کوٹھری تھی اور اس میں صرف یہی ایک دروازہ تھا، جس سے حمید اندر داخل ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُسے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ عمارت کا یہ حصہ دور افتادہ تھا۔ حمید کو توقع نہیں تھی کہ کوئی نوکر بھی اُس کی آواز سن سکے، لہٰذا غل غپاڑہ بند کر کے وہ نہایت سنجیدگی سے حالات پر غور کرنے لگا۔ ایسے مواقع پر غور کرنے کے علاوہ اور کوئی عقلمندی سرزد نہیں ہوسکتی۔ بہرحال حمید کے غور و فکر کا نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ محض فریدی کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔ اگر وہ اُسے صحیح واقعات سے باخبر رکھتا تو اس کی نوبت کیوں آتی۔ وہ بہرحال ہوشیار رہتا۔ زیادہ نہیں تو صرف ڈاکٹر کی پوزیشن ہی واضح کردی ہوتی۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔

گھڑی اس کی کلائی پر موجود تھی لہٰذا وہ بہ آسانی اس بوریت کی عمر طویل کا اندازہ کر سکتا تھا۔

دوپہر کا کھانا غائب۔ سہ پہر کی چائے ندارد اور اب گھڑی چھ بجا رہی تھی۔ حمید نے قطعی یہ نہیں سوچا کہ اس وقت غروب آفتاب کا منظر بڑا حسین ہوگا۔ وہ تو اب صرف رات کے کھانے کے متعلق سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات اسی کوٹھری میں بسر کرنی پڑی تو پھر اپنے آباؤاجداد تک کے خون کا انتقام لے ڈالیں گے۔ اس کے ذہن میں نہ تو زرینہ کی سنجیدگی کی تصویر تھی اور نہ صبیحہ کے چنچل پن کی تصویر.... اس وقت تو معدہ دماغ سے بھیک مانگ رہا تھا اور دماغ پر ایک بہت بڑا بسکٹ مسلط تھا۔ اتنا بڑا بسکٹ جس میں سے خیرات بھی نکالی جاسکے۔

سات بج کر چھ منٹ پر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے پکار رہا ہو۔ پہلے تو سمجھا کہ یہ بھی خالی معدے کی اختراع ہے لیکن پھر یقین آگیا۔ آواز دور کی تھی۔ کبھی وہ قریب سے آتی ہوئی معلوم ہوتی اور کبھی دور ہو جاتی اور پھر حمید نے اُسے پہچان لیا۔ وہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر حلق پھاڑنے لگا۔

راہداری دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج اٹھی۔

"حمید....!" فریدی نے پھر آواز دی اور شائد اب وہ اسی کوٹھری کے دروازے پر تھا۔

"لاشیں جواب نہیں دیا کرتیں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر پانچ منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور حمید نے فوراً محسوس کیا کہ اس دروازے پر اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔

"پوری عمارت میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرا ہی موجود ہونا آپ کو شاق گذر رہا ہے تو پھر بتا دیجئے غیر موجود یا ناموجود جو کچھ بھی قواعد کے رو سے کہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں کہاں ہیں۔"

"لڑکیاں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ باقی بچا ڈاکٹر تو اُسے جہنم میں جھونکئے۔"

"حمید سنجیدگی سے گفتگو کرو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں بہت شدت سے بور ہوں۔" حمید بے دلی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "اور آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"نوکر بھی غائب ہیں۔" فریدی بڑبڑایا۔ "مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔"

"وہ باورچی خانے میں ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میں تمام دیکھ چکا ہوں۔"

"آپ چلئے تو میرے ساتھ۔"

"لیکن تم یہاں.... کیا وہ تمہیں قید کر گئے تھے۔"

"اجی نہیں توبہ کیجئے۔ آیئے تو میرے ساتھ۔"

فریدی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ دونوں باورچی خانے میں آئے اور حمید نعمت خانے پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت کچھ تھا۔

"دیکھئے! آپ جب تک تلاش کیجئے۔" حمید کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹھونس کر منہ چلاتا ہوا بولا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی جھلا گیا۔

"اگر پیٹ بھرنا بیہودگی ہے تو میں اس زندگی پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ تم کافی دیر تک وہاں بند رہے ہو۔" فریدی غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں.... پرواہ نہیں۔ میں ایک بجے سے وہاں مراقبہ میں تھا.... کیک لذیذ ہے۔"

"اچھا پہلے تم زہر مار کرلو پھر کچھ بتانا۔"

"خدا آپ کا ہاضمہ ہمیشہ درست رکھے۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

فریدی کی آنکھوں میں بے چینی مترشح تھی۔

"یہ دوسرا فریدی کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔ اُس کا منہ برابر چل رہا تھا۔

"تم جانتے ہو۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔"

"ہاں....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "چوٹ ہوگئی۔ میں نے معاملات کو اچھی طرح سمجھے بغیر طریق کار متعین کر لیا تھا۔ اُسی کا نتیجہ ہے۔"

"ہوا کیا۔"

"کسی نے کرنل فریدی بن کر پاگل خانے میں داخلے کا پاس حاصل کیا اور وہاں جا کر اُس پاگل تک رسائی حاصل کی جس کی تلاش مجھے تھی اور پھر غالباً زبردستی اُسے زہر کا انجکشن دے دیا۔"

"پھر جب آپ پہنچے تو کیا ہوا۔"

"جب تک کہ ماتھر نے وہاں پہنچ کر تصدیق نہیں کر دی۔ وہ لوگ مجھے دھوکہ باز سمجھتے رہے۔ میں نے وہیں سے فون کر کے ماتھر کو بلایا تھا۔"

"یہاں ڈاکٹر نے میری حجامت بنادی۔" حمید نے کہا اور آج کے سارے واقعات دہرانے لگا۔

"کیا تم اُس آدمی کو پہچان لو گے جو یہاں آیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یقیناً پہچان لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پاگل خانے ہی کا کوئی ڈاکٹر تھا۔"

"ہوں.... اچھا....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اب آپ بھی مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہ کریں گے۔"

"نہیں.... میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہیں کسی چونی والے جاسوسی ناول کا مزہ آجائے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ ڈاکٹر ہماری وجہ سے فرار ہوا ہے۔"

"بنیادی طور پر تو یہی بات ہے لیکن خود ڈاکٹر کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ وہ ہماری وجہ سے فرار ہو رہا ہے۔ اُس کے فرار کی وجہ حقیقتاً پاگل کی موت ہے۔"

"وہ پاگل کون تھا۔"

"وہ پاگل تھا ہی نہیں.... وہ ایک قیدی تھا۔ پاگل خانے کا قیدی۔"

"ہاں! اپنا اپنا مقدر ہے۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ایسا بدبخت ہوں کہ مجھے پاگل خانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

کیک حمید کے حلق سے بھی کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اُسے پانی کے گھونٹ اتارنے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بدقت تمام اس نے تین چار گھونٹ لئے اور ایک لمبی سی ڈکار لے کر کھڑا ہو گیا۔

"اب اگر آپ جہنم کی طرف بھی اشارہ کریں تو بے دریغ چھلانگ لگا دوں۔"

فریدی تقریباً آدھے گھنٹے تک عمارت کے مختلف حصوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ پھر اُس نے ڈاکٹر کی تجربہ گاہ کا رخ کیا۔ یہاں بھی اُس نے چند الماریاں کھولیں اور اُن میں رکھے ہوئے سامان کا جائزہ لیتا رہا۔ حمید خاموشی سے اس کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلتا پھر رہا تھا۔

اچانک فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ "ڈاکٹر کے پاس تین کاریں تھیں ذرا گیراج میں دیکھنا تو کوئی گاڑی ہے یا نہیں۔"

حمید لیبارٹری سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑا۔ پوری کمپاؤنڈ سنسان اور تاریک پڑی تھی۔ گیراج کے سامنے پہنچ کر اُس نے ٹارچ روشن کی۔ گیراج میں تالا بند نہیں تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر نے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے سامان کی محافظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سارے کمرے کھلے پڑے تھے اور سامان جوں کا توں موجود تھا۔ شائد ہی کوئی چیز عمارت سے ہٹائی گئی ہو۔ پتہ نہیں، وہ نوکروں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یا انہیں چھٹی دے دی تھی۔

حمید گیراج میں داخل ہوا۔ ایک کار موجود تھی۔ اس کی ایک کھڑکی پر حمید کو ایک ریشمی رومال پڑا ہوا نظر آیا۔ یہ رومال صبیحہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر اُلو کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حمید اُسے کئی بار صبیحہ کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھالیا۔

رومال کے ایک گوشے پر کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ حمید نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گرہ کھولی.:..اور.... یہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر پنسل سے جلدی میں کچھ لکھا گیا تھا۔

"جمال صاحب!" کاغذ پر تحریر تھا۔ "ڈیڈی سچ مچ پاگل ہوگئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو کمرے میں بند کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں یہ آپ کو اُس نقشے سے معلوم ہوگا جو لیبارٹری کی تیرہ نمبر والی الماری میں رکھا ہوا ہے اور جمال صاحب! کیا لکھوں.... میں نہ جانے کیوں آپ لوگوں پر اعتماد کرتی ہوں۔ نقشہ تلاش کر کے فوراً آیئے۔ آج میں بہت زیادہ خطرہ محسوس کر رہی ہوں.... صبیحہ!"

حمید یہ تحریر پڑھ کر سرپٹ دوڑتا ہوا تجربہ گاہ میں آیا لیکن فریدی وہاں موجود نہیں تھا۔ دو میزیں الٹی ہوئی نظر آئیں۔ شیشے کے بہتیرے آلات کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔

حمید بڑی تیزی سے دروازے کی طرف مڑا اور باہر پہنچنے سے قبل ہی اُس نے ایک فائر کی آواز سنی، جو کمپاؤنڈ ہی کے کسی حصے سے آئی تھی۔ پھر پے در پے مزید تین فائر.... حمید نے جھپٹ کر تجربہ گاہ کی روشنی گل کر دی۔

اب اُس نے لیبارٹری سے نکلنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے ابھی ابھی چند

مخصوص قسم کی چیخیں سنی تھیں.... آواز فریدی کی تھی اور یہ چیخیں ایک طرح کا اشارہ تھیں، جس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ جہاں ہو وہیں رک جاؤ.... حمید دم بخود کھڑا رہا۔

نقشہ اور تعاقب

کمپاؤنڈ پر پھر سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ حمید نے تجربہ گاہ کا دروازہ بند کر کے پھر روشنی کر دی۔ وہ جلد از جلد اُس نقشے کو تلاش کر لینا چاہتا تھا جس کا حوالہ صبیحہ نے اپنے خط میں دیا تھا۔ مگر وہ نقشہ.... آخر اس قسم کے کسی نقشے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

یہاں تقریباً دو درجن الماریاں تھیں اور ہر الماری پر اس کے نمبر موجود تھے، حمید تیرہ نمبر کی الماری کے سامنے رک گیا۔ اچانک اس نے تجربہ گاہ کے دروازے پر فریدی کی آواز سنی۔

"اندر کون ہے۔"

"میں ہوں۔" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اُس نے دروازہ کھول دیا۔ فریدی اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"دروازہ بند کر دو۔" اُس نے کہا۔ حمید دروازہ بند کر کے فریدی کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کی ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر سینے پر جھول رہی تھی اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ گالوں پر ہلکی ہلکی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر لکیروں کی شکل میں جم گیا تھا۔

"کیا معاملہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"انہوں نے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے خاص طور پر تجربہ گاہ ہی کو نشانہ بنانا چاہا تھا۔ تعداد میں پانچ تھے اور اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔"

"اور آپ بھی خاص طور پر تجربہ گاہ ہی میں دلچسپی لے رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ دونوں کی دلچسپیوں کی ایک ہی وجہ ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔

"وجہ مجھے بھی بتائیے۔"

"ابھی بور مت کرو۔"

حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا اور آہستہ سے کہنے لگا۔ "وجہ دریافت کرنے کے لئے آپ کو

ساری الماریاں الٹنی پڑیں گی۔"

"کیا مطلب....!"

"مگر میں اُس الماری سے واقف ہوں جس میں وجہ بند ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی بڑبڑا کر ایک الماری کا تالا توڑنے لگا۔ اور حمید تیرہ نمبر کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تالا توڑنا مشکل نہیں تھا وہ جلد ہی کامیاب ہو گیا۔ اس الماری میں صرف کاغذات تھے۔ حمید نے ان سب کو نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

"کیا کر رہے ہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"میں کہاں تک بیکار بیٹھا رہوں۔ آپ اپنا کام کیجئے۔"

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنے کام میں مشغول رہا۔

تھوڑی دیر کی محنت کے بعد حمید کو نقشہ مل گیا۔ وہ بہت واضح اور صاف تھا۔

"وہ مارا....!" حمید فرش سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا۔

"میں کان پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔" فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"یہ دیکھئے! نقشہ یہ رہا۔" حمید اُس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر دہاڑا۔

فریدی نے جھپٹ کر اُسکا گریبان پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے پر لے گیا۔

"دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" اُس نے اس کی گردن پکڑ کر دیوار کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"واقعی میرے ستارے گردش میں ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"دن بھر بند رہا اور اس وقت..." وہ جملہ پورا کرنے کی بجائے اُس نقشے کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کو کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ وہ دیوار ہی کی طرف منہ کئے ہوئے اطمینان سے کھڑا رہا۔

اچانک اُس نے فریدی کی ہلکی سی کراہ سنی اور کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ حمید بے ساختہ پلٹا۔ فریدی الماری سے تقریباً ڈیڑھ گز کے فاصلے پر فرش سے اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی وہ اپنا داہنا بازو بھی رگڑتا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا....؟" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑا۔

"شاک....!" فریدی فرش سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تالے میں کرنٹ ہے۔"

اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں صبیحہ نے اُسے بیوقوف تو نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ فریدی نے جس الماری کے تالے کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نمبر "چھ" تھا۔

"آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ ذرا لائٹ آف کر دو۔"

حمید نے روشنی گل کر دی۔ فریدی شائد پھر الماری کے قریب پہنچ چکا تھا کیونکہ آوازیں کچھ اس قسم کی آ رہی تھیں۔ جیسے وہ تالا توڑ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں کھٹاکے کی آواز آئی اور فریدی نے کہا۔ "لائٹ آن کرو۔"

حمید نے پھر روشنی کر دی۔ فریدی تالا توڑ کر الماری کے پٹ کھول چکا تھا اور وہ الماری....

حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ کیونکہ الماری میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ کسی خانے میں ایک تنکا بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"یہ کیا حماقت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تھی تو حماقت ہی! میں بیکار وقت ضائع کر رہا تھا۔"

"اب میری بھی کچھ سن لیجئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بھی بکو۔" فریدی جھلا کر اُس کی طرف مڑا۔

حمید نے صبیحہ کا خط اور نقشہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خط اور نقشے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "یہ خط کہاں ملا تھا؟"

"گیراج میں....!" حمید نے کہا اور رومال کا قصہ بتاتا ہوا بولا۔ "رومال پر اُلو کی تصویر تھی ورنہ میں کبھی متوجہ نہ ہوتا۔ مجھے یہ پرندہ کسی عظیم سراغرساں کی طرح عظیم معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہیں یہ سب بکواس ہے۔ ڈاکٹر ہمارا وقت برباد کرنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں سردار محمود ہی کا آدمی سمجھتا ہے۔"

"تو کیا یہ سچ مچ کسی دفینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیوں شروع کر دی تھی۔"

"دفینہ وغیرہ سب بکواس ہے۔ یہاں مجھے اُن چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھ

بھی کوئی علم نہیں ہے۔"

حمید کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ آخر اس نے جھلا کر کہا۔ "اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کل رات میں نے سردار محمود کے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا تذکرہ سنا تھا جو اُن لوگوں کے خیال کے مطابق تجربہ گاہ میں ہو سکتی ہیں کیونکہ تجربہ گاہ ہمیشہ رات کو خالی پڑی رہتی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہی جگہ رکھی جا سکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ مگر بعض اوقات فریدی سے حماقتیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے یہ نہ سوچا کہ ڈاکٹر نے فرار ہوتے وقت یہاں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑی ہوگی۔"

"مگر یہ عمارت کھلی پڑی ہوئی ہے اور یہاں ہزاروں کا سامان ہے۔ کیا ڈاکٹر سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید کی اُلجھن بدستور بڑھتی رہی۔

"لاؤ.... وہ نقشہ تو لاؤ۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ کچھ دیر تک نقشے پر جھکا رہا پھر بولا۔ "میں اسے بھی وقت کی بربادی ہی سمجھتا ہوں لیکن چلو یہی سہی۔ ویسے اس نقشے کے وجود کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی.... اچھا آؤ۔"

"نقشہ آپ کی سمجھ میں آ گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! وہ بہت صاف ہے۔ لیکن.... وہ جگہ.... کیا ہوگی.... یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیسی جگہ....!"

"جہاں آخری تیر بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نشانات رام گڈھ کے ایک غیر آباد حصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسلئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اختتام کسی عمارت پر ہوگا... یا... آؤ.... گیراج میں ایک گاڑی تو موجود ہے۔ لیکن پہلے میں اس عمارت کی نگرانی کے لئے ماتھر کو فون کر دوں۔"

فون کرنے کے بعد وہ گیراج میں آئے۔ گاڑی موجود تھی اور اس میں کافی مقدار میں پٹرول بھی تھا۔ پٹرول کے دو بھرے ہوئے ٹن الگ سے بھی موجود تھے۔

حمید کی دانست میں وہ ایک نامعلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ نقشہ حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کار سنسان راستوں پر دوڑتی رہی۔

"ان دونوں میں سے مجرم کون ہے۔ سردار محمود یا ڈاکٹر۔" حمید نے پوچھا۔

"دونوں....!"

"اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں۔"

"ہاں.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "یار حمید ایک بات سمجھ میں نہیں آتی.... خیر ہٹاؤ.... پھر دیکھیں گے۔"

"نہیں ابھی اور اسی وقت دیکھیں گے۔" حمید جھلا گیا۔

"اندھیرے میں کیا دیکھو گے! ویسے تم یہ ضرور دیکھو گے کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

"یعنی....!" حمید چونک کر مڑا۔ کافی فاصلے پر کسی دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آرہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا لیکن دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس لئے اُسے بھی یہی سوچنا پڑا کہ وہ تعاقب ہی ہو سکتا ہے۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آج میں شکار کھیل رہا ہوں۔"

"ضرور کھیلئے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "میرے مقدر میں تو ایک گراموفون بھی نہیں ہے کہ کالو قوال کے ریکارڈ ہی سننا شروع کر دوں۔"

"گھبراؤ نہیں! ابھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود زندہ دل آدمی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر نے مجھ سے مدد حاصل کی ہے۔ ورنہ وہ پاگل خانے میں کرنل فریدی بن کر کیوں داخل ہوتا۔"

"کیا وہ سردار محمود تھا۔"

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"یعنی آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔"

"اتنا ٹھوس کہ سردار محمود کو زندگی ہی میں میدانِ حشر کا مزہ آجائے گا۔"

"اور ڈاکٹر....!"

"ڈاکٹر....!" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ اس قابل ہے کہ ڈگڈگی بجا کر اُسے بندروں کے ساتھ نچایا جائے۔"

کار بدستور سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

فریدی نے کہا۔ "آگے ایک موڑ اور ہے اسکے بعد ہم سیدھے جائیں گے.... اوہو.... اب یاد آیا... وہ آخری تیر کا نشان... مگر نہیں... وہ سڑک تو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں... خیر دیکھو۔"

"کار کی روشنیاں بجھا دیجئے نا۔ سڑک صاف ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہو.... انہیں اس کا بھی احساس نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تعاقب سے باخبر ہیں۔"

کار ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور چل کر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی اس کے پیچھے تھی۔

"ہم غلط نہیں آئے۔ وہ غالباً ہڈی کی کھاد بنانے والی فیکٹری کی چمنی ہی ہے۔ داہنی طرف دیکھو۔ اسی کے چار فرلانگ کے فاصلے پر تیر کا آخری نشان تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اُس چمنی کیطرف دیکھ رہا تھا، جو اندھیرے میں بھی صاف نظر آرہی تھی۔

کار چلتی رہی.... اچانک فریدی نے کہا۔ "چار فرلانگ۔"

اور کار کی رفتار کم کر کے انجن بند کر دیا۔

"جلدی سے اُتر آؤ۔" اس نے کہا اور حمید دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "اب میں سمجھ گیا۔ انہیں بھی ڈاکٹر کی تلاش ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ صبیحہ ٹھیک ہی ہو.... آؤ۔"

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دور پر روشنی نظر آرہی تھی۔ اترائی میں غالباً وہ کوئی عمارت تھی اور اس کی کھڑکیوں میں روشنی تھی۔ فریدی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کافی نیچے اُتر آئے تھے۔ اس لئے اس کا پتہ چلنا دشوار تھا کہ دوسری کار وہاں پہنچی یا نہیں۔

وہ ایک مختصر سی عمارت تھی اور اس میں تین کمروں سے زیادہ نہ رہے ہوں گے۔ اس کی کئی کھڑکیاں روشن تھیں۔ فریدی حمید کو ایک بڑے پتھر کے پیچھے دھکیل کر خود عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس کی واپسی بھی جلد ہی ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "وہ لوگ یہیں ہیں۔ میں نے صرف ڈاکٹر کو دیکھا ہے۔ لڑکیاں نظر نہیں آئیں...." وہ دونوں پتھر کی اوٹ میں تھے۔ یعنی سڑک سے اتر کر عمارت کی طرف آنے والے انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ حمید کو تو احساس بھی نہ ہوتا کہ کب کون آیا اور کب گیا کیونکہ اُس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ وہ پتھر کی اوٹ سے جھانکنے ہی کی

کوشش کر رہا تھا۔

"وہ وہاں پہنچ گئے۔" فریدی نے سرگوشی کی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک چھناکا سا سنائی دیا۔
جیسے شیشے کی کوئی چادر فرش پر گر کر چور چور ہو گئی ہو۔ حمید نے اب بھی آواز کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مطمئن تھا کہ فریدی تو دیکھ ہی رہا ہے۔ جب وہ چاہے گا اُسے کسی مشین کی طرح حرکت میں لے آئے گا۔

اچانک فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ پنجوں کے بل چلتے ہوئے بڑی تیزی سے عمارت کی ایک دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے قدموں کی آہٹیں سنیں، برآمدے میں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ "تم یہاں ٹھہرو، جو بھی اِدھر آئے نہایت اطمینان سے گولی مار دینا۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر برآمدے میں جھانکا۔ کھڑکیوں سے آنے والی روشنی اتنی کافی تھی کہ وہ ستون سے چپٹے ہوئے اُس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کی پشت اُسی کی طرف تھی۔

حمید نے فریدی کو برآمدے میں جاتے دیکھا اور وہ خود ابھی دوسرے سرے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اُسے برآمدے میں کوئی کودتا ہوا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ آدمی تھا یا جانور۔ گول مٹول سا۔ وہ اُسی کی طرف آرہا تھا۔ حمید دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت معلوم ہونے میں دیر نہ لگی۔ وہ فریدی تھا اور اس نے کسی کو اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔ اس نے ایک بے جان سے آدمی کو زمین پر ڈال دیا۔

"آؤ.....!" وہ حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"مگر یہ.....!"

"اس کی پرواہ نہ کرو..... اسے گھنٹوں میں ہوش آئے گا۔"

وہ دونوں دبے پاؤں چلتے ہوئے برآمدے میں آئے اور کھڑکیوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہیں جھکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے دیکھے نہ جا سکیں۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر ایک چھوٹی سی راہداری میں پہنچ گئے۔

سامنے والے کمرے میں ڈاکٹر آتشدان کے قریب ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا تھا اور اُسے تین ایسے آدمیوں نے گھیر رکھا تھا جن کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے۔

ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قطعی لا

الذہن ہو۔ وہ تین آدمی غالباً اپنے اس غیر متوقع اقدام کا ردِ عمل معلوم کرنا چاہتے تھے، ورنہ پھر اُس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟

زرینہ

حمید نے اپنے ہاتھ پر کوئی ٹھنڈی سی چیز محسوس کی۔ فریدی نے اس کی طرف ایک ریوالور بڑھایا۔ حمید نے اس کے دستے پر مضبوطی سے انگلیاں جما دیں۔

"ڈاکٹر.....!" اندر ایک قوی ہیکل آدمی کہہ رہا تھا۔ "یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا بھی موقعہ نہ دیا جائے گا۔"

"میں نے آج تک اپنے کسی فعل پر افسوس نہیں کیا۔" ڈاکٹر کا لہجہ پُر سکون تھا۔ "تم دس سال سے مجھے دیکھ رہے ہو..... دس سال سے.....!"

"جاؤ انہیں تلاش کرو۔" اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "اور اس خبیث کو بولنا ہی پڑے گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور فریدی نے جلدی سے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید ایک طرف سمٹ گیا۔ فریدی دروازے کی دوسری طرف تھا۔

جیسے ہی وہ دونوں باہر نکلے اُن کے سروں پر بیک وقت دو ضربیں پڑیں اور وہ ڈھیر ہو گئے۔ ریوالوروں کے دستے کافی وزنی تھے۔ تیسرا آدمی بھی غرا کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا اور وہ ڈاکٹر کے پیروں کے پاس جا گرا۔

"کمال..... کمال.....!" ڈاکٹر کی مسرت آمیز چیخ تھی۔

لیکن فریدی اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

"سردار محمود! چہرے سے نقاب اتار دو۔" فریدی نے ریوالور کا رخ اُس کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر حمید سے بولا۔ "میری جیب میں ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ہے، جو بارہ بجے کے بعد ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ سردار محمود کے ہاتھ یقیناً سخت ہوں گے۔"

سردار محمود اپنا نقاب الگ کرتا ہوا بولا۔ "تم کیا سمجھتے ہو! ہم ایک ڈرامے کا ریہرسل کر رہے

تھے.... کیوں ڈاکٹر....!"

"ڈرامہ ختم ہو گیا۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو۔ کرنل فریدی تمہیں پاگل نمبر چوالیس کو زہر کا انجکشن دینے کے الزام میں گرفتار کرتا ہے۔"

"کرنل فریدی.... تم....!" ڈاکٹر لڑکھڑا کر دیوار سے جالگا۔

حمید ہتھکڑیاں لے کر آگے بڑھا اور فریدی نے گرج کر کہا۔ "نہیں محمود! تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ میں تم پر فائر بھی کرسکتا ہوں۔"

"یہ بکواس ہے۔ میں کسی پاگل کو نہیں جانتا۔" سردار محمود چیخا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ پاگل نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اُس بیچارے کو کئی دن سے بخار تھا۔ تم کرنل فریدی بن کر اُس کی کوٹھری میں داخل ہوئے اور تم نے اُسے زہر کا انجکشن دیا۔ وہ غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ تم ڈاکٹر ہو کیونکہ تم میک اپ میں بھی تھے۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو تاکہ میں اطمینان سے یہ داستان سردار محمود کو سنا سکوں۔"

حمید نے ہتھکڑیاں لگادیں۔ سردار محمود چپ چاپ کھڑا رہا۔

جب ہتھکڑیاں لگ چکیں تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "جو کچھ کہہ رہے ہو اسکا کوئی ثبوت بھی ہے۔"

"ثبوت! میں نے آج تک کوئی کچا کام ہی نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کے ذی اثر لوگوں میں سے ہو۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت تمہیں پھانسی کے پھندے سے نہیں بچاسکتی۔"

"مجھ پر جھوٹا الزام لگایا جارہا ہے۔" سردار محمود نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے لئے تمہیں عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"میں جواب دے لوں گا۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اے.... ڈاکٹر تم کہاں چلے.... بیٹھو.... ورنہ تمہارا حشر بھی کچھ اچھا نہیں ہو گا۔"

اس پر ڈاکٹر اور سردار محمود نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے پھر ڈاکٹر گلا صاف کر کے بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ہم ایک ڈرامے کے لئے ریہرسل کر رہے تھے۔"

"مگر ڈاکٹر! کیا یہ ریہرسل ہماری ہی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ ٹرین پر بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں کا ریہرسل۔ پھر راستے میں کار پر ڈاکے کا ریہرسل اور اب یہ ریہرسل نہیں ڈاکٹر یہ ڈرامہ اب

نہیں ہو سکے گا۔ ہر قسم کے ریہرسل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پاگل خانے میں زہر کا انجکشن دینے کا ریہرسل فرمایا۔ لیکن اس بات کا خیال نہ رکھا کہ پاگل نمبر چوالیس کے بازو پر عقیق کا ایک بڑا سا مہرہ بھی موجود ہے اور وہ بوکھلاہٹ میں اُس پر اپنے انگوٹھے کا ایک بہت ہی واضح نشان چھوڑ آئے۔ میں نے کہا کہ آخر میں کیوں اس ریہرسل سے محروم رہوں۔ لہٰذا آج جب سردار محمود صاحب تین بجے اپنے ڈرائنگ روم میں لائم جوس پی رہے تھے میں ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ گلاس ختم کر کے وہاں سے ہٹے اور میں نے اپنا پارٹ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ میں نے وہ گلاس کیوں چرایا ہو گا۔ بہر حال چھ بجے تک فنگر پرنٹ کے ایکسپرٹ اس بات پر متفق ہو گئے کہ عقیق کے مہرے اور گلاس کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں سردار محمود! کیا ڈرامہ اسٹیج ہو سکے گا۔"

سردار محمود اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

"اب تم بکو ڈاکٹر....!"

"کیا تم سچ مچ کرنل فریدی ہو۔"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لڑکیاں کہاں ہیں! بلکہ اُن دونوں میں سے وہ لڑکی کون ہے!"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں اُس لڑکی کا نام پوچھنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ جس کے لئے تم دس سال سے دھمکائے جاتے رہے ہو.... ڈاکٹر جلدی کرو۔ میرے پاس وقت کم ہے۔"

"زرینہ....!" ڈاکٹر نے مردہ سی آواز میں کہا۔

داستان

کمرے میں ڈاکٹر، فریدی اور حمید کے علاوہ دونوں لڑکیاں بھی تھیں اور وہ چاروں قیدی دوسرے کمرے میں بند کر دیئے گئے تھے۔ کھاد کی فیکٹری سے فریدی نے ماتھر کو فون کر دیا تھا اور اب وہ اُسی کا منتظر تھا۔

ڈاکٹر کمرے میں ٹہل ٹہل کر کہہ رہا تھا۔ "میں کیا کرتا۔ بالکل بے بس تھا۔ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتا۔"

"میں یہ داستان شروع سے سننا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

ڈاکٹر چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ "مگر تم یہاں پہنچے کس طرح۔"

"آہا خوب یاد آیا....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "اس نقشے کا کیا مطلب تھا ڈاکٹر.... وہ غالباً تیرہ نمبر کی الماری میں تھا اور چھ نمبر کی الماری میں کیا تھا۔"

"وہ نقشہ! میں نے ان دونوں کے لئے بنایا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں یہ یہاں تک پہنچ سکیں۔" ڈاکٹر دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور چھ نمبر کی الماری میں وہ کاغذات تھے جن سے یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ زرینہ حقیقتاً کون ہے۔"

"میں حقیقتاً کون ہوں۔" زرینہ نے اس جملے پر حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "سردار محمود اور سردار ہاشم دونوں سگے بھائی تھے۔ سردار ہاشم سردار محمود سے زیادہ مالدار تھا۔ آج بھی جنوب میں اس کی چاندی کی کئی کانیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ سردار محمود نے بہت کوشش کی کہ اس کی بیوی کو ختم کر دیا جائے، لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اس کا ایک ہمدرد بھی تھا.... ایاز.... وہ سردار ہاشم کا منیجر تھا اور اسے سردار ہاشم سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کی بیوی کی حفاظت کرتا رہا۔ ہاشم کی موت کے تین ماہ بعد ایک بچی پیدا ہوئی۔ لیکن اب اُن دونوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ سردار محمود ان کا خاتمہ کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ آخر ایک دن ایاز اُن ماں بیٹیوں سمیت غائب ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں بدنام کرنے کے لئے افسانے تراشے اور اُن کے حلیے مشتہر کرا دیئے۔ ایاز میرا پرانا شناسا تھا اس کی یہ بدنامی میرے کانوں تک بھی پہنچی۔ بات کچھ دنوں بعد ختم ہو گئی۔ میں اس کہانی میں کیسے داخل ہوتا ہوں۔ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایاز کے فرار کے ٹھیک چھ ماہ بعد مجھے سرکاری طور پر انگلینڈ جانا پڑا۔ چونکہ قیام کی مدت پانچ سال تھی اس لئے بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے صرف ایک آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ ہم یہاں سے بندرگاہ کے لئے روانہ ہوئے تین دن بعد وہاں پہنچے۔ بچی راستے میں بیمار پڑ گئی۔ اس لئے ہمیں روانگی ملتوی کرنا پڑی لیکن بچی چار دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ واقعی وہ ایک پاگل کر دینے والا واقعہ تھا۔ ہو سکتا تھا

کہ دوسروں پر اتنا اثر نہ ہوتا ہو مگر میں تو قریب قریب پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں یاد رہ گیا تھا کہ ہم انگلینڈ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں سارا دن سڑکوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کیا مجھے توقع تھی کہ وہ بچی مجھے دوبارہ مل جائے گی۔ اچانک ایک دن ایاز سے ملاقات ہو گئی۔ اُس کے متعلق میں قریب قریب سب کچھ بھلا چکا تھا۔ لیکن ایاز نے خود ہی اس کا اظہار کیا۔ سردار ہاشم کی بیوہ ہیضے کا شکار ہو کر فوت ہو چکی تھی لیکن بچی کو ایاز اب بھی سینے سے لگائے پھر رہا تھا۔ اس نے میرے واقعات سن کر ایک تجویز پیش کی۔ کیوں نہ میں اس بچی کو لے کر اپنی بچی کی طرح پالوں۔ کسی کو علم بھی نہ ہو گا کہ وہ میری بچی نہیں ہے۔ پاسپورٹ کی درستگی بھی نہیں کرائی گئی تھی، لہٰذا ایک بچی اُسی پاسپورٹ پر نہایت آسانی سے انگلینڈ کا سفر کر سکتی تھی۔ میں ایاز کو اپنی قیام گاہ پر لایا۔ میری بیوی کو جب اُس کے حالات معلوم ہوئے تو وہ بچی کو لے لینے پر اڑ گئی۔ میں بھی نیم رضامند تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچی ہمارے ساتھ انگلینڈ چلی گئی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال بعد صبیحہ پیدا ہوئی۔ پھر مجھ پر دوسری مصیبت نازل ہوئی یعنی انگلینڈ سے واپسی سے چھ ماہ قبل میری بیوی بیمار ہوئی اور ایک ماہ بعد وہ بھی چل بسی۔ بہر حال اس واقعے سے محکمہ سراغرسانی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی لہٰذا میں اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر کے بور نہیں کروں گا۔ پانچ سال پورے کر کے میں انگلینڈ سے واپس آ گیا۔ میرے اعزہ کو دو لڑکیاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ شائد میں نے اپنی بچی کی موت پر ان میں سے کسی کو خط لکھ دیا تھا۔ بہر حال مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ لکھا تھا یا نہیں۔ ممکن ہے لکھ ہی دیا ہو۔ میں نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس پر بات پھیل گئی لیکن معاملہ صرف چہ میگوئیوں ہی تک محدود رہا۔ لیکن آج سے دس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک واقعے نے حالات کو دوسرے رنگ میں ڈھال دیا۔ ایک رات ایاز میرے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ محمود کے آدمی اُس کے پیچھے تھے۔ اُس نے کچھ کاغذات میرے سپرد کئے اور استدعا کی کہ میں اُسے پاگل خانے میں پہنچا دوں۔ ایک پاگل کی حیثیت میں.... اُس نے بتایا کہ اُسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ مگر وہ لڑکی کے سن بلوغ کو پہنچنے تک زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ سردار محمود کی حجامت اپنے ہاتھوں سے بنا سکے۔ میں نے بھی سوچا تدبیر تو ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نے اُسے پاگل خانے میں داخل کرا دیا۔ سردار محمود کو اس کا علم ہو گیا۔ لڑکیوں کے بارے میں پہلے ہی چہ

میگوئیاں ہو چکی تھیں۔ اُسے شک ہو گیا اور اُس نے ہر ہر طرح سے پتہ لگانے کی کوشش کی۔ مجھے ذرا تا دھمکاتا بھی رہا۔ دونوں لڑکیاں سمجھدار ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں مطمئن کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی دفینے کی داستان تراشنی پڑی۔ وہی داستان میں نے تم کو بھی سنائی تھی۔"

"مجھے اُس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔" صبیحہ بولی۔

"تم خاموش رہو۔" ڈاکٹر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ پھر فریدی سے مخاطب ہو گیا۔ "نہ سردا محمود ان واقعات کی اطلاع پولیس کو دے سکتا تھا اور نہ میں ہی ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اسلئے نہیں دے سک تھا کہ اُس کی نیت میں فتور تھا۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر ہمیشہ قابض رہنے کیلئے چپ چاپ لڑکی ک ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔ میں اسلئے خاموش تھا کہ اگر پولیس کو اس واقعے کا علم ہو گیا تو لڑکی سردا محمود کے حوالے کر دی جائے گی کیونکہ قانونی طور پر وہی اس کا ولی تھا۔ اس طرح وہ سیدھی موت کے منہ میں چلی جاتی۔ بہر حال وہ مجھے ہر ہر طرح پریشان کرتا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک دن می تنگ آکر لڑکی کو اُس کے سپرد کر دوں گا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اُسے آج تک یہی نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں سے اس کی بھتیجی کون ہے۔ وہ تو الگ رہا۔ یہ دونوں خود ابھ تک ایک دوسری کو سگی بہنیں سمجھتی رہی ہیں۔ سردار محمود نے تو یہاں تک کوشش کی تھی کہ ا دونوں ہی کو ختم کرا دے۔ لیکن.... خدا کا انصاف! وہ آج تک لاولد ہے اور اب اُس کا رخ پھانس کے تختے کی طرف ہو گیا ہے اور زرینہ اپنی اور اُس کی دونوں جائیدادوں کی مالک بنے گی۔"

"ارے.... واہ....!" صبیحہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "بڑی آئیں کہیں کی۔ کیا میں کہیں مر گ ہوں۔ سردار محمود کی جائیداد میں لوں گی۔ اتنی جائیدادیں کیا کلیجے میں بھریں گی۔ اری واہ ر میری بلبل یہ رونا کیسا۔" وہ اٹھ کر زرینہ کے آنسو خشک کرنے لگی۔

"صبیحہ....!" ڈاکٹر بگڑ گیا۔ "اُسے پریشان نہ کرو ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔ وہ مجھے تم سے زیا عزیز ہے۔ اسلئے کہ وہ میرا شاہکار ہے۔ اُسے میں نے جیسا بنانا چاہا بن گئی اور تم نہ جانے کیا بن گئی ہو۔"

"میں بیوقوف بن گئی ہوں ڈیڈی۔" صبیحہ نے قہقہہ لگایا۔ "سردار ہاشم کی بیٹی میں ہوں آپ خواہ مخواہ اپنی لڑکی کو میری جائیدادیں دلوانا چاہتے ہیں۔"

"ارے کم بخت یہ کیا کہتی ہے۔" ڈاکٹر اپنا سر پیٹ کر بولا۔ "اگر تو نے یہ بات کہی تو میر فرشتے بھی یہ نہ ثابت کر سکیں گے کہ تم سردار ہاشم کی لڑکی نہیں ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرے پاس اس کا ثبوت ہے کہ صبیحہ تمہاری ہی لڑکی ہے اور یہ ثبوت مجھے آج ہی ملا ہے۔ تمہاری مرحومہ بیوی کی ڈائری جسے تم نے اپنی تجربہ گاہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ اتنی احتیاط سے کہ سردار محمود کا ہاتھ اُس تک بہت آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔"

"رشوت.... رشوت.... میں کبھی نہ مانوں گی۔" صبیحہ شور مچانے والے انداز میں بولی۔

"اوہ.... واقعی۔" ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ "میں بالکل گدھا ہوں۔"

"تب میں آپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ خواہ مجھے آپ کی بھی جائیداد نہ ملے۔" صبیحہ نے اس انداز میں کہا کہ فریدی اور حمید بے ساختہ ہنس پڑے اور ڈاکٹر دانت پیستا ہوا صرف گھونسہ دکھا کر رہ گیا۔

دوسرے دن حمید کے استفسار پر فریدی نے اس کیس کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ مرکزی محکمے کو رام گڑھ کی پولیس کے متعلق ایک گمنام شکایت نامہ موصول ہوا تھا کہ ایاز پر دسترس ہونے کے باوجود بھی وہ سردار ہاشم کی بیوی اور بچی کا پتہ نہیں لگا سکتی اور ایاز بنا ہوا پاگل ہے۔ غالباً یہ شکایت نامہ سردار محمود ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا کیونکہ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ ایاز کو پاگل خانے میں داخل کرانے والا ڈاکٹر نجیب ہے۔ سردار محمود نے یہ سوچا ہو گا کہ ممکن ہے کہ مرکزی محکمے کی تحقیقات کے دوران میں اس کی بھتیجی بے نقاب ہو جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن اُسے کسی طرح فریدی کی آمد اور اُس کے طریق کار کے متعلق علم ہو گیا۔ لہٰذا اُسے اسی میں بہتری نظر آئی کہ وہ ایاز ہی کا خاتمہ کر دے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سازش کا راز ظاہر ہو جائے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 51

شعلوں کا ناچ

(مکمل ناول)

وحشی اجنبی

سلور مون ریستوران میں ایک آدمی داخل ہوا اور سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایک دراز قد اور گٹھیلے جسم کا جوان تھا۔ چہرہ بھرا ہوا.... اور بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی کے نیچے دو بڑی بڑی اور وحشت زدہ آنکھیں جن میں سرخ ڈورے نظر آ رہے تھے۔ جسم پر لمبا کوٹ تھا اور کاندھے پر ایک کمبل۔

اُس کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش تھی جس کی بناء پر دوسرے اُسے دیکھنے پر مجبور تھے۔ ایک کرسی پر بیٹھتے وقت اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے اور سفید چمکدار دانتوں کی قطار کی ایک جھلک دکھائی دی۔ اس کے انداز میں بڑی درندگی تھی۔

ریستوران میں بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ساتھی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ "اس آدمی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن میں کسی بھیڑیئے کا تصور ابھرتا ہے۔"

لڑکی کا ساتھی چونک کر اس کی طرف مڑا۔ وہ بھی نووارد کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں! خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" اُس کے ساتھی نے کہا۔

"مگر اس کی آنکھیں۔" لڑکی نہ جانے کیوں کانپ کر رہ گئی۔

"اُس کی آنکھیں....!" ساتھی نے ایک طویل سانس لی اور تلخ لہجے میں بولا۔ "اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنی روح کے ویرانے نظر آتے ہوں گے۔ اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنے جسم کی تسکین کا پیغام نظر آ رہا ہوگا۔ تم عورتیں آنکھوں سے سب کچھ معلوم کر لیتی ہو۔"

"شٹ اُلو کہیں کے۔" لڑکی مسکرائی۔ "تم مرد بدگمانی کے کیچڑ کے کیڑے ہو۔ میں تو یہ کہہ

رہی تھی کہ اُس کی آنکھیں خونیوں کی سی ہیں۔"

اچانک ایک گرجدار آواز سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ چونک پڑے۔

نووارد ایک ویٹر پر گرج رہا تھا۔ "ابے یہ سالن! چڑیا کے بچے کے لئے لایا ہے۔ مذاق کرتا ہے فقیر سمجھتا ہے.... یہ لے۔"

اس نے جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر میز پر پٹخ دیا۔

منیجر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر بڑی تیزی سے اُس کی طرف آیا۔

"فرمائیے! جناب والا....!"

"فرمائیے کیا بھئی! یہ تمہارا نوکر آدمی ہے یا اُلو۔ ہم نے کھانے کے لئے کہا تھا اور یہ کھانا آیا ہے.... کیا ہمیں بچہ سمجھتا ہے.... اتنا ذرا سا سالن.... اور یہ دو چپاتیاں.... خدا کی مار.... نوٹ پکڑو.... کھانا لاؤ کھانا....!"

منیجر نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر اپنے چہرے پر لجاجت کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔ "اوہ جناب والا معاف کیجئے گا۔ میں ابھی آپ کے لئے انتظام کرتا ہوں۔ نوٹ آپ اپنے پاس ہی رکھئے۔"

"نہیں.... نوٹ تم رکھو.... جلدی کرو۔" وہ غصیلے انداز میں میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"بہت بہتر جناب۔" منیجر نے میز سے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ویٹر کو الگ بلاتا ہوا بولا۔ "یہ کوئی کوہستانی معلوم ہوتا ہے ایک پوری مرغی.... آدھی ران اور بیس چپاتیاں اس کی میز پر لگادو.... چائے کے لئے کہے تو پانچ پیالیوں والی چائے دانی رکھنا۔"

ویٹر نے نووارد کی میز صاف کردی اور پانچ منٹ کے اندر ہی اندر منیجر کی ہدایت کے مطابق میز پر کھانا لگادیا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" نووارد غرایا۔ "ہم تجھے خوش کریں گے۔"

ویٹر ادب سے سلام کر کے ہٹ گیا۔

ہال کے دوسرے لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

"بالکل جانور معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ہاں تم لوگ اب تہذیب و شائستگی سے اکتا گئی ہو۔ تمہیں اب سے ہزاروں سال پرانا مرد

چاہئے۔ ہزاروں سال پرانا مرد جو ہر معاملے میں بالکل جاہل ہو۔"

"تم گدھے ہو۔" لڑکی بھنا کر بولی۔

"گدھا محض اپنی شائستگی ہی کی بناء پر بدنام ہے۔ اتفاق رائے نہ ہونے پر مجھے گدھا ہی کہو گی۔ شیر یا چیتا کبھی نہیں کہہ سکتیں، حالانکہ ابھی اُس آدمی کو دیکھ کر تمہارے ذہن میں بھیڑیئے کا تصور ابھرا تھا۔"

"تم بار بار اُس کا حوالہ کیوں دے رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ تم اُس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہو۔"

"بکواس ہے۔"

دوسری طرف وہ نووارد بلند آواز میں ویٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ارے.... ادھر مرغیوں میں بالکل دم نہیں ہوتا۔ ہڈیوں پر کھال لپٹی ہوئی ہے۔"

"حضور کیا کیا جائے اِدھر ایسی ہی ملتی ہیں۔" ویٹر نے مؤدبانہ جواب دیا۔

"ہاں.... ہاں....!" نووارد سر ہلا کر ران ادھیڑنے لگا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے دونوں ہاتھ استعمال کر رہا تھا۔

بیس منٹ کے اندر اندر سارے برتن صاف ہوگئے اور باقی بچی ہوئی دو چپاتیوں سے اُس نے اپنے دونوں ہاتھ صاف کئے.... پھر اُس نے چائے طلب کی۔

"کتنا مردانہ پن ہے اس کے اندر میں۔" لڑکی بولی۔ "شاید اب وہ چڑ کر سچ مچ اپنے ساتھی کو جلا رہی تھی۔"

"سبحان اللہ کیا کہنے ہیں۔" اس کے ساتھی نے جلے بھنے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں.... یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔" لڑکی بولی۔ "اِدھر کا تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہ اُدھر کا ہے جہاں کے لوگ اپنی عورتوں کو بھیڑوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔"

"بھیڑیں دودھ دیتی ہیں نا۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "عورت سے مرد کا پیٹ نہیں بھرتا.... سمجھے! وہ لوگ ٹھیک کرتے ہیں۔ یہی ہونا چاہئے۔ ہر عورت فطرتاً مرد چاہتی ہے۔ خادم نہیں۔ وہاں کی عورتوں کو حقیقی مسرت ملتی ہوگی۔"

"تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔"

"ہاہا.....!" لڑکی طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "تمہیں ہرگز غصہ نہیں آئے گا۔ غصہ تو اسے آ
ہے۔ اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ اُسے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن دیا جاتا ہے۔ کوارٹر پلیٹ
اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ یہاں کی مرغیاں دبلی ہوتی ہیں اور اُس کے دانت کھال سے
پھسل کر ہڈیوں سے جا ٹکراتے ہیں۔ دیکھو ویٹر سمجھدار معلوم ہوتا ہے اس نے بہت بڑی چائے
دانی اس کے سامنے رکھی ہے۔"

انٹلکچوالس کا یہ جوڑا آپس میں الجھتا رہا اور نووارد وہاں سے جانے کے لئے اٹھ گیا۔

ویٹر نے نوٹ کے بقیہ روپے طشتری میں رکھ کر پیش کئے۔

"یہ کیا.....!" نووارد نے حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ کے بقیہ روپے۔"

"ہشت.....!" وہ طشتری کو دوسری طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ "جاؤ..... یہ تمہارا انعام ہے۔"

زیادہ رات نہیں گئی تھی۔ ابھی صرف سات بجے تھے۔ لیکن سردیوں کی راتیں جن کی ابتدا
اور انتہا میں کافی فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔

اجنبی ریستوران سے نکل کر فٹ پاتھ پر آگیا۔

وہ جگمگاتی ہوئی دکانوں اور دمکتی ہوئی سڑکوں کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے
اپنی زندگی میں پہلی بار کسی بڑے شہر میں آیا ہو۔

اُس کے قریب سے زرق برق لباس میں خوبصورت عورتیں گزرتیں اور وہ ٹھٹک کر ایک
طرف ہو جاتا اور پھر کچھ دیر رک کر ندیدی آنکھوں سے اُن کی سبک خرامی دیکھتا رہتا۔ حتیٰ کہ
کسی موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو جاتیں اور وہ آگے بڑھ جاتا۔ سربفلک عمارتوں کو نیچے سے ا
تک دیکھتے وقت وہ اپنی بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی پر ہاتھ ضرور رکھ لیتا تھا۔

خوبصورت اور سبک کاریں چکنی سڑک پر پھسل رہی تھیں اور وہ بڑی دیر سے سڑک
کرنے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر اُسے بھیڑ نظر آرہی تھی۔ ا
کوئی چیز تھی جسے دیکھنے کے لئے لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے۔

بدقت تمام وہ سڑک پار کرنے میں کامیاب ہوا۔

مجمعے کے درمیان میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے داہنے ہاتھ پر سات آ

سانپ لٹکا رکھے تھے اور اس کے پیچھے بے شمار ڈبوں اور مرتبانوں کے ڈھیر تھے۔ ایک اونچے اسٹول
پر پیٹرومیکس لیمپ رکھا ہوا تھا۔

وہ آدمی چیخ رہا تھا۔ "تو صاحبان جب بادشاہ چلا گیا تو اس کی نوجوان ملکہ نے..... اپنے حبشی
غلام کو طلب کیا..... اے بچے۔ جاؤ مجمعے سے باہر جاؤ۔" اس نے کہانی روک کر ایک بچے کو ڈانٹا جو
مجمعے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکا آگے پہنچ چکا تھا۔

کہانی سنانے والے نے اسے دھمکانے کے لئے سانپوں والا ہاتھ اس طرف بڑھا دیا۔ لڑکا
پلٹ کر اجنبی کو دھکا دیتا ہوا مجمعے سے باہر نکل گیا۔

"اوئے خدائی خوار.....!" اجنبی جھلا کر پلٹا مگر لڑکا جا چکا تھا۔

"ہاں تو صاحبان وہ ایک ملک کی ملکہ تھی۔ اسے کس چیز کی کمی تھی۔ ذرا اپنی جیب پاکٹ سے
ہوشیار رہیے گا..... جہاں دس شریف ہوتے ہیں وہاں دو چار ذاتِ شریف بھی آجاتے ہیں جی
ہاں..... ہاں تو..... صاحبان.....!"

"او..... صاحبان کے بچے۔" اچانک مجمعے کے باہر سے کسی نے کہانی سنانے والے کو للکارا۔

لوگ چونک کر مڑے۔ ایک ڈیوٹی کانسٹیبل پیچھے کھڑا کھانس رہا تھا۔

کھانس چکنے کے بعد اس نے بلغم کا پٹاخہ سڑک پر مارتے ہوئے کہا۔ "آج پھر تو نے یہاں
مجمع لگایا ہے..... ہائیں.....!"

"دوسرے جمعدار نے اجازت دے دی تھی جمعدار۔" کہانی سنانے والے نے دانت نکال دیئے۔

"ہٹاؤ..... یہاں سے کاٹھ کباڑ جمعدار کے جنے۔" کانسٹیبل ہاتھ ہلا کر بولا۔

"تم کہانی سناؤ۔" اجنبی نے بازاری دوا فروش سے کہا۔

کانسٹیبل اجنبی کو گھورنے لگا۔ لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے تھے۔

"ٹھہرو.....!" اجنبی ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "ٹھہر جاؤ کہانی ضرور سنی جائے گی۔ یہ کون ہوتا ہے
روکنے والا۔"

"ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔" کانسٹیبل اجنبی پر جھپٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس کے دونوں ہاتھوں پر تھا اور ہاتھ اوپر کی طرف اٹھتے
جا رہے تھے۔ اجنبی نے اُسے سر سے بلند کر کے فٹ پاتھ پر پٹخ دیا۔

بھگدڑ مچ گئی۔ دوا فروش کے ڈبے اور مرتبان اُلٹنے لگے۔

دو چار دوسرے کانسٹیبل اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے۔ اجنبی ان حالات سے بے پرواہ کانسٹیبل کے دوبارہ اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک پانچ کانسٹیبل اُس پر ٹوٹ پڑے۔ دس پانچ راہگیر بھی اُن کا ہاتھ بٹانے لگے۔

لیکن اب اجنبی نے ایک بڑا سا چاقو نکال لیا تھا۔ یکے بعد دیگرے چار پانچ چیخیں فضا میں لہرائیں اور اجنبی حملہ آوروں کے نرغے سے نکل کر سڑک پار کرتا ہوا ایک پتلی سی گلی میں گھس گیا۔

گلی میں اندھیرا تھا اور وہ اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے آدمیوں کا شور سن رہا تھا۔ اچانک اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کے آگے بھی بھاگ رہا ہے۔

اُس نے چاقو کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور بھاگتا رہا۔

پھر ایک جگہ اُسے جھٹکا سا لگا اور وہ منہ کے بل گرنے کی بجائے بائیں طرف گھسٹتا چلا گیا۔ اُس کے دونوں بازو کسی کی گرفت میں تھے۔

اس جدوجہد میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"خاموش رہو۔" اُس نے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنی۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔ میرے ساتھ آؤ.... ورنہ یہ لوگ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں گے۔"

اجنبی اپنے ہاتھ چھڑا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں کوئی اور بھی تھا۔

اُس نے پھر نرم لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھ آؤ دوست....!"

"چلو....!" اجنبی پھٹی ہوئی سی آواز میں بولا۔

"جلدی کرو۔ وہ آ گئے۔" اُس نے اجنبی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

اندھیرا.... اندھیرے ہی میں اجنبی نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اندھیرے ہی میں اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں اور باہر کے شور و غل کی آوازیں اب بھی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

وہ دونوں ایک جگہ رک گئے۔ اجنبی نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

ایک دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔

"آ جاؤ....!" دوسرے آدمی نے کہا اور اجنبی ٹٹول کر دروازے میں داخل ہو گیا۔

سوئچ دبنے سے ہلکی سی آواز ہوئی اور کمرہ روشن ہو گیا۔ اجنبی کے سامنے ایک دراز قد آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر انگریزی وضع کا اعلیٰ ترین لباس تھا اور ہاتھوں میں جواہرات کی انگشتریاں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن اس کا چہرہ.... وہ السٹر کے اٹھے ہوئے کالر اور نیچے جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کے گوشے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

"تم بہت بہادر ہو.... بہت دلیر....!" اُس نے اجنبی کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر اُسے گھورتا رہا۔

"تم کون ہو....!" آخر اجنبی نے پوچھا۔

"تمہارا دوست....! دوست کوئی بھی ہو ہر حال میں فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔ تم نے اس وقت چھ آدمیوں کو زخمی کیا ہے اور یہ تو کل ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان میں سے کتنے مر گئے۔"

"مر گئے ہوں گے۔" اجنبی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"ٹھیک ہے! مجھے اُن کے مرنے یا جینے کی فکر نہیں۔ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم جیسا دلیر دوست پھر مجھے نہیں ملے گا۔"

"ملے گا کیوں نہیں۔" اجنبی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "کیوں مجھے کیا ہو جائے گا۔"

"تمہیں! تمہیں میرے دوست.... اگر پولیس تمہیں پا گئی.... تو تم پھانسی پر لٹکا دیئے جاؤ گے۔"

"دوسری دنیا میں ملیں گے دوست مجھے معلوم ہے کہ تمہارا یہاں کا قانون ایسے لوگوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔ ورنہ.... ورنہ میں تو اس سے پہلے بھی سترہ آدمیوں کو جان سے مار چکا ہوں۔"

"اوہ....!"

"ہاں دوست....!" اجنبی نے مسکراتے ہوئے ایک طویل انگڑائی لی۔

"اچھا دوست.... دوست میں تمہارے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "میں تمہیں یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا۔ قانون کے ہاتھ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

اجنبی کچھ نہ بولا۔

پُراسرار دوست

تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی سیڈان تاریک گلیوں سے نکل کر شاہراہ پر آگئی۔ اجنبی پچھلی سیٹ پر تھا اور دوسرا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اجنبی کی ہیئت بدل چکی تھی۔ اب اس کے جسم پر ایک قیمتی سوٹ تھا اور سر پر لمبے بالوں کی ٹوپی کی بجائے فلٹ ہیٹ.... جن لوگوں کو اس نے تھوڑی دیر قبل زخمی کیا تھا وہ بھی شاید اب اسے نہ پہچان سکتے۔

ان کا سفر آدھے گھنٹے تک جاری رہا.... پھر سیڈان ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"آؤ دوست....!" دوسرے آدمی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اجنبی گاڑی سے اتر آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کی سجاوٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جہاں اسے بٹھایا گیا تھا اور وہ آدمی اب وہاں موجود نہیں تھا جو اُسے یہاں لایا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہا۔ وہ آدمی واپس آگیا لیکن اس کی حالت میں اب بھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ اُس کا چہرہ اب بھی اجنبی کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔

"میں نے تمہیں سلور مون ریستوران میں دیکھا تھا۔" اُس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں.... میں نہیں سمجھا۔" اجنبی نے پوچھا۔

"جہاں تم نے کھانا کھایا تھا۔" اُس نے کہا۔ "میں نے وہیں تم کو اپنی دوستی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ پھر جب میں نے تمہیں مشکلات میں گھرا ہوا دیکھا تو .... میں .... اور دیکھو دوست .... ریستوران میں میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ تم سے دوستی کروں اور جب تمہیں پریشانی میں دیکھا تو مجھے تم سے اتنی ہی محبت معلوم ہوئی جتنی ایک پرانے دوست کے لئے معلوم ہونی چاہئے۔"

"میں تمہارا شکر گذار ہوں دوست۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "اور تم مجھے.... غیر وفادار دوست نہ پاؤ گے۔"

"میں بے غرض محبت کرتا ہوں۔" اُس آدمی نے کہا۔

"پرواہ نہ کرو۔" اجنبی بولا۔ "میں ناسپاس نہیں ہوں۔"

"اب میں اپنے دوست کے متعلق جاننا چاہوں گا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔"

"میں .... نصرت ہوں .... نصرت جلال .... میں کسی کو نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔ لیکن تم .... تم میرے دوست ہو۔ تم نے خان جلال کا نام سنا ہے۔"

"خان جلال.... نام تو سنا ہے۔"

"خان مقلاق....!" اجنبی نے کہا۔

"خان مقلاق.... ہاں ہاں....!" دوسرا آگے جھک آیا۔

"میں خان مقلاق کا بیٹا ہوں.... نصرت جلال.... چھوٹا خان مقلاق۔"

"کسی ہمدرد دوست کو دھوکا دینا بُری بات ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" اجنبی کی بھنویں تن گئیں۔

"یہی کہ تم ایک غلط بات کہہ رہے ہو۔"

"مجھے جھوٹا کہنے والا زندہ نہیں رہتا۔" اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن پھر سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "معاف کرنا.... میں تمہیں دوست کہہ چکا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تم بڑے غصہ ور معلوم ہوتے ہو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی اصلیت کسی کو نہ بتاتا لیکن... تم میرے دوست ہو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ خان مقلاق بہت بڑا آدمی ہے۔ آزاد علاقے کا حکمران۔ اس کا بیٹا.... اس طرح.... میرا مطلب ہے کہ اگر خان مقلاق کا بیٹا یہاں آتا تو حکومت اُس کے لئے خاص قسم کے انتظامات کرتی۔"

"میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔" اجنبی نے برجستہ کہا۔ "خان بابا.... نے....!"

وہ یک بیک خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم کیسے دوست ہو۔ میں نے ابھی تک تمہاری شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"اوہو.... تو اس سے ہماری دوستی پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"مہربانی کر کے اپنی ٹوپی اتارو اور کالر نیچے گرادو۔ ورنہ میں زبردستی....!"

"نہیں پیارے دوست.... نصرت خاں۔" اُس کی آواز دردناک ہو گئی۔ "تم میری صورت کبھی نہ دیکھ سکو گے.... کبھی نہیں! میری صورت آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ میں ایک

بدنصیب آدمی ہوں۔ میرا چہرہ اتنا بدنما ہے کہ تم اس پر تھوک دو گے۔ یہاں سے چلے جاؤ گے مجھ سے نفرت کرو گے اور میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں محبت کا بھوکا ہوں۔ پیار چاہتا ہوں۔ مجھے اس کیلئے مجبور نہ کرو۔ پیارے دوست.... نصرت خاں.... اور مقلاق کے آٹھویں خان اعظم....!"

"اوہ تو تمہیں یقین آگیا کہ میں چھوٹا خان ہوں۔"

"مجھے یقین ہے دوست.... میں ایک بار خان اعظم سے مل چکا ہوں۔ تم اُن سے بہت مشابہ ہو۔"

"ٹھیک....!" اجنبی ہنس کر بولا۔ "لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں ڈاڑھی رکھ لوں اور وہ سفید ہو جائے تو میں خان بابا کا ہم شکل ہو جاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں نصرت خان.... تم خانِ اعظم کے اکلوتے بیٹے ہو نا۔"

"ہاں.... یہ درست ہے۔"

"لیکن تم.... اس حال میں یہاں کیوں۔"

"رازداری کی قسم کھاؤ تو بتادوں۔"

"میں سڑتی ہوئی تین ہزار لاشوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارا راز ہمیشہ راز ہی رہے گا۔"

"یہ کیسی قسم تھی! تمہارا مذہب کیا ہے۔" اجنبی اُسے گھورنے لگا۔

"میرا مذہب....!" اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "میرا مذہب وہی ہے جو.... خیر ہٹاؤ! تمہیں شائد اُس قسم پر اعتراض ہے جو میں نے ابھی کھائی ہے۔"

اجنبی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ قسم....!" اس پراسرار دوست نے کہا۔ "یہ قسم وہی ہے جو ہزاروں سال سے طاقتور لوگ کھاتے آئے ہیں۔ میرا مذہب.... قوت ہے.... میری جنت خونریزی ہے اور میرا جہنم پلنگ ہے جس پر کمزور آدمی ایڑیاں رگڑ کر مرتے ہیں۔"

"تم عجیب ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"اور میں نے تمہیں اس لئے دوست بنایا ہے۔" وہ کہتا رہا۔ "اسی لئے یہاں لایا ہوں کہ تم دلیر ہو اور جس وقت اپنے شکار پر جھپٹتے ہو تمہارے دل میں رحم کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا مذہب بھی وہی ہے جو میرا ہے۔"

"نہیں بھئی! میں خدا پرست ہوں اور خدا کا بندہ۔" نصرت خاں بولا۔

"میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔" اس کے پُراسرار دوست نے کہا۔ "اور وہ بڑی مچھلی بھی خدا کی بندی ہے جو چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے.... نہیں نصرت خاں.... تم میرے مذہب سے الگ نہیں ہو۔"

"اوئے.... خدائی خوار.... تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"میں فی الحال اور کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ میں تمہارا راز افشاء نہیں کروں گا۔"

نصرت خان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"خان بابا.... بہت سخت گیر آدمی ہیں اور اب میں بچہ نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے قید کر رکھا تھا۔ ہمارے ادنیٰ ملازم بھی چار چار عورتیں رکھتے ہیں لیکن میں.... مجھے بچپن سے اب تک عورتوں سے دور رکھا گیا ہے۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا تھا مجھے مقلاق کے قلعے کی دیواروں سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں وہاں سے چھپ کر نکل آیا اور اب میں وہاں کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔ کبھی نہیں۔ خان بابا پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے قتل کرا دیا تھا۔ وہ بہت حسین تھی دوست بہت حسین۔ میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ مجھے خان بابا سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں اب وہاں کبھی نہ جاؤں گا۔ میں مقلاق کا آٹھواں خان نہیں بننا چاہتا۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کے سمندر چھان ماروں۔"

"پرواہ مت کرو۔" اُس کے پُراسرار دوست نے کہا۔ "تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں تمہارے خان بابا سے بھی زیادہ طاقتور اور اختیار رکھتا ہوں۔"

"آخر تم ہو کون....!" نصرت خان نے حیرت سے کہا۔

"میں طاقت ہوں۔"

"پٹھان ہو.... طاقت خان....!"

اُس کا دوست ہنسنے لگا۔

"چھوڑو.... میں کچھ بھی ہوں اسکی پرواہ نہ کرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ آج سے تم ایک نئی زندگی اور ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہے ہو۔ تمہاری محبوبہ بہت حسین تھی لیکن تم اسے بھول جاؤ گے۔"

"کبھی نہیں بھولوں گا۔" نصرت خان کو غصہ آگیا۔

"بھول جاؤ گے۔ اچھا اٹھو..... میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں دکھاؤں حسن کسے کہتے ہیں
تم اُس ایک عورت کے لئے رنجیدہ ہو۔ طاقت تمہارے لئے ہزار عورتیں مہیا کرے گی۔"

"کرے گی..... طاقت خان کرے گی ہاہا.....!" نصرت خان ہنسنے لگا۔ "چلو میں چلتا ہوں

ایک بار پھر وہ اُسی سیڈان میں سفر کر رہے تھے۔

"مجھے اپنا چہرہ دکھا دو۔" نصرت خان بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے نفرت نہ
کروں گا۔"

"میرے دوست تم مجھے دکھ پہنچا رہے ہو..... اور میں اپنے کسی دوست سے اس کی تو
نہیں رکھتا مجھے معاف کر دو۔"

"اچھا دوست.....!" نصرت خان ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اب کبھی اس کی خوا
نہیں کروں گا۔"

"شکریہ! تم بہت اچھے ہو۔"

گاڑی پھر ایک شاندار عمارت کے سامنے رک گئی۔

نصرت خان کے پُر اسرار دوست نے کہا۔ "جاؤ..... یہ پُر مسرت رات تمہارے لئے ا
بازو کھولے ہوئے ہے۔"

نصرت خان کار سے اتر کر عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا اور سیڈان آگے بڑھ گ
نصرت خان پورچ میں پہنچ کر رک گیا۔ پھر جیسے ہی برآمدے میں پہنچنے کے لئے سیڑھیاں
کرنے لگا دو لحیم شحیم آدمی صدر دروازے سے اس کی طرف جھپٹے۔

"طاقت.....!" نصرت خان آہستہ سے بڑبڑایا اور وہ دونوں الٹے پاؤں پیچھے کھسکتے ہوئے
صدر دروازے کے اِدھر اُدھر کھڑے ہو گئے۔

نصرت خان بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ راہداری کافی طویل تھی اور اس کے دونوں طر
کمرے تھے۔ راہداری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔ دروازے کے اُس طرف سامنے ہی ایک
قد آدمی جس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح سپاٹ اور چکنا تھا کھڑا سگار پی رہا تھا۔ نصرت کو دیکھ
اُس نے سگار فرش پر پھینک کر اُسے جوتے سے مسلتے ہوئے قدرے جھک کر کہا۔ "خوش آمدید
نصرت جواباً سر کو خفیف جنبش دے کر مسکرایا۔

اب وہ کافی طویل و عریض ہال میں کھڑا تھا۔

ہال میں کچھ لوگ چاقو پھینکنے کی مشق کر رہے تھے۔ نصرت انہیں بڑی توجہ اور دلچسپی سے
دیکھنے لگا۔ گنجا آدمی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ نشانہ بازوں نے اس
کی مطلق پرواہ نہ کی کہ کوئی نیا آدمی بھی وہاں موجود ہے۔ وہ بدستور چاقو پھینکنے میں مشغول رہے
مگر نصرت نے ایک کو بھی کامیاب ہوتے نہیں دیکھا۔ کسی کا چاقو اب تک ٹارگٹ کے اُس دائرے
میں نہیں پڑا تھا جس کے لئے وہ کوشاں تھے۔

"یہ بڑا دلچسپ مشغلہ ہے۔" نصرت گنجے میزبان کی طرف مڑ کر بولا۔

"جی حضور.....!"

"کیا میں بھی کوشش کروں۔"

"ضرور..... ضرور..... کیا میں حضور کے نام کا اعلان کر دوں۔"

"میرا نام..... ضرغام ہے۔" نصرت بولا۔ "یہ نام دراصل اُس کے پُراسرار دوست کا منتخب
کیا ہوا تھا۔ اُس نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی اصلیت کسی پر بھی ظاہر نہ کرے۔"

"طاقت کے نئے دوست" گنجے نے بلند آواز میں کہا۔ "مسٹر ضرغام! اب اپنی مشاقی کا
مظاہرہ کریں گے۔"

دوسر لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ نصرت نے کشتی سے ایک چاقو اٹھایا۔ ٹارگٹ کی طرف
دیکھنے لگا۔ اس میں کئی دائرے تھے اور اُن کا قطر دو انچ تھا۔

"نیلا دائرہ۔" نصرت نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل کر نیلے
دائرے میں پیوست ہو گیا۔ اُس نے دوسرا چاقو اٹھایا۔

تھوڑی دیر بعد ہر دائرے میں ایک ایک چاقو پیوست نظر آنے لگا۔

نشانہ بازوں میں سے کئی اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

پھر اچانک سارا ہال بینڈ کی موسیقی سے گونجنے لگا۔ نصرت بوکھلا کر آواز کیطرف مڑا۔ ہال کے
دوسرے سرے پر ایک دروازے سے نیم عریاں انگریز لڑکیوں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔

پندرہ نیم عریاں لڑکیوں کا رقص۔ نصرت کے ہاتھ سے آخری چاقو چھوٹ کر فرش پر
جا گرا۔ لڑکیوں کی قطار آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتی آ رہی تھی۔ نصرت پتھر کے بت کی

طرح کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور کانوں کی لویں خون اگلتی معلوم ہو رہی تھیں۔

لڑکیاں اُس کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگیں۔ لاؤڈ اسپیکر سے موسیقی منتشر ہو رہی تھی۔ اُ
کے گرد پندرہ حسین ترین لڑکیاں ناچ رہی تھیں اور ہال میں سولہواں تنفس وہ خود تھا۔ نز
بازوؤں اور گنجے میزبان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اچانک ہال کے سارے قمقمے بجھ گئے اور اندھیرے م
سریلے قہقہوں اور چیخوں نے یلغار کر دی۔

طاقت

سردیوں کی شفاف چاندنی جنگل پر بکھری ہوئی تھی۔

کرنل فریدی نے اپنی شاندار کیڈیلاک سڑک کے نیچے اتار دی۔ نکھری ہوئی چاندنی م
سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بڑا پُرکشش معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے پچھلی نشست کی کھڑکی پر ہاتھ رکھ ک
کہا۔ "تم زندہ ہو یا مر گئے۔"

"اس سردی میں مرنے سے بھی احتراز نہ کروں گا۔" اندر سے آواز آئی اور یہ آواز کیپٹن
حمید کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔ "کیا گاڑی
دھکا دینا پڑے گا۔"

"رسی نکالو۔"

"دیکھئے! اگر میں گر کر مر گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔" حمید نے کہا۔ "میرے ہا
اور پیر بُری طرح ٹھٹھر گئے ہیں اور اگر اس وقت میں نے درخت پر چڑھنے کی حماقت کی تو سید
تحت الثریٰ میں پہنچ جاؤں گا۔"

"رسی نکالو....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے کار سے ایک موٹی سی رسی کا لچھا نکال کر زمین پر پٹخ دیا۔

"میں تمہیں درخت پر نہیں چڑھاؤں گا۔" فریدی نے کہا اور رسی کا لچھا اٹھا کر ایک طرف
چلنے لگا۔

حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور وہ بھی اُس کے ساتھ اس طرح چلنے لگا جیسے اُسے کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔

سڑک کے دونوں طرف کچھ اس قسم کی جھاڑیاں تھیں جنھیں پار کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اور اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اندر کی طرف اُن کا پھیلاؤ کتنا ہو گا۔

"مجھے بتائیے۔ آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم پرواہ نہ کرو۔ رسی اٹھا لینے کے بعد تم یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ گے سمجھے۔ پھر یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔"

فریدی نے ایک جگہ رک کر رسی کا لچھا کھولا اور اُس کے سرے پر پھندا بنانے لگا۔

حمید حلق سے بے تکی آوازیں نکالتا ہوا اپنی گردن مسل رہا تھا۔

فریدی نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ رسی کا پھندا ایک درخت کی ایک موٹی سی شاخ میں پڑ چکا تھا اور اب وہ رسی کو جھٹکے دے کر اُس کی مضبوطی کا اندازہ کر رہا تھا۔

"اب کب ملاقات ہو گی۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں پوچھا اور فریدی کو بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"میں بالکل مایوس ہو گیا ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

اُس نے فریدی کو رسی پر چڑھتے دیکھا اور اپنا سر کھجانے لگا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ چلو اچھا ہی ہوا۔ جب تک ملاقات نہ ہو بہتر ہی ہے۔ آج کل کرنل فریدی روز ہی نت نئی حرکتیں کر رہا تھا۔ اور پھر وہ ان کا مقصد بھی نہیں بتاتا تھا۔

فریدی درخت پر پہنچ چکا تھا۔ رسی حمید کے پیروں کے پاس آ گری۔ اس نے اُسے تہہ کر کے اٹھایا اور کیڈی میں آ بیٹھا۔

انجن اسٹارٹ کر دینے کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر تک ساکت و صامت بیٹھا رہا حالانکہ فریدی نے تاکید کر دی تھی کہ وہ یہاں سے فوراً چلا جائے۔ حمید دراصل اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ اس وقت شہر سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک ویرانے میں تھا۔ گھر سے چلتے وقت جب فریدی نے رسی کی فرمائش کی تھی تو صرف یہ بتایا تھا کہ ایک درخت پر چڑھنا ہو گا۔ مگر اس حماقت کا مقصد کیا تھا؟ اُسے حمید بار بار ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔

آخر کیڈی چل پڑی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ اس لئے حمید بے کھٹکے اُسے زیادہ سے زیادہ

رفتار سے چلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ سردی کی شدت نے خود اُسی کے خیال کے مطابق اُس کی کھوپڑی تک منجمد کر دی تھی۔

وہ جلد سے جلد شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ سردی کی شدت کے باوجود بھی چاندنی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ حمید کو اس کا بھی احساس تھا.... مگر سردی.... وہ چیخ چیخ کر گانے لگا۔ محض اس خیال سے کہ چیخنے سے جسم میں گرمی آتی ہے۔ حمید اچھا گا لیتا تھا لیکن اب اسے وہ کیا کرتا کہ سردی کی وجہ سے ہر بول کی دھن انگریزی ہوتی جا رہی تھی۔

خدا خدا کر کے وہ شہر پہنچا۔ راستے میں سب سے پہلے ہائی سرکل نائٹ کلب ہی ایک ایسی جگہ ملتی تھی جہاں وہ اپنے ٹھٹھرے جسم کو گرمی پہنچا سکتا تھا۔

اُس نے کیڈی کمپاؤنڈ میں کھڑی کر دی اور کلب کی عمارت میں گھس گیا۔ گیارہ بج چکے تھے اور یہی وقت کلب کی رونق کا تھا۔

اسے ایک بھی میز خالی نہ دکھائی دی۔ لیکن ایسا بھی کیا تھا کہ وہ وہاں سے یونہی رخصت ہو جاتا۔ اس نے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔

ہائی سرکل کا منیجر اس کے خاص شکاروں میں سے تھا۔ وہ حمید کو شعر سناتا تھا۔ جب شعر نہیں سوجھتے تھے تو نثر ہی میں مکھن لگانا شروع کر دیتا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ حمید کی ناخوشی اس کے لئے ایسے لمحات لا سکتی ہے جو مسندِ عشق پر بھی پھانسی کے تختے کا مزہ دیں۔

وہ حمید کو اپنے آفس میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"آخاہ! کپتان صاحب! واللہ بڑے موقعے سے تشریف لائے۔" وہ اس کی پیشوائی کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔

"بور مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ وہاں کوئی میز خالی نہیں ہے۔ اس لئے میں یہیں بیٹھ کر کافی پیوں گا۔ ذرا جلدی سے کافی منگواؤ۔ خوب گرم ہونی چاہئے ورنہ کافی پاٹ کسی شاعر کے سر پر پھوٹے گی۔" حمید ایک کرسی میں گرتا ہوا بولا۔

"ضرور.... ضرور.... جناب.... سر آنکھوں پر.... مگر اس ٹھٹھرا دینے والی رات میں آپ تنہا ہیں.... مجھے حیرت ہے.... بقول شاعر....!"

"نہیں شاعر نہیں.... کافی جلدی کرو۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"ابھی لیجئے۔" منیجر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے لگا۔

ایک ویٹر کمرے میں داخل ہوا اور کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

منیجر حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ آنے والے! لمحات خود اُس کی دانست میں اس کے لئے بہتر نہیں ہو سکتے تھے۔ ہائی سرکل نائٹ کلب میں حمید کا داخلہ ہمیشہ اس کے لئے کسی نہ کسی پریشانی کا باعث بن جایا کرتا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔" اچانک حمید اسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں! کچھ بھی نہیں.... میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج آپ کے انداز بڑے شاعرانہ قسم کے ہیں۔ آہ بالکل عاشق نامراد و مہجور کے لئے۔ وہ جو ہجر کی سنسان راتوں میں تڑپ رہا ہو۔ اوہ کپتان صاحب آج آپ کے چہرے پر بڑا سوز و گداز ہے.... آہ.... میں سمجھا.... بیوفائی.... محض بیوفائی کسی ستم گر نے آپ کے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہیں.... بقول شاعر....!"

حمید منہ پھاڑے اُسے گھورتا رہا اور پھر جیسے ہی اُس نے شعر پڑھنے کا ارادہ کیا حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اگر تم نے آج مجھے ایک بھی شعر سنایا تو اس عمارت میں زلزلہ آجائے گا سمجھے۔"

"میں سمجھ گیا جناب۔" منیجر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یقیناً آپ پر کسی ستم گر نے ظلم ڈھایا ہے۔"

"ستم گر کے بچے! ابھی تک کافی نہیں آئی۔"

"اوہ.... ٹھہرئیے.... میں خود دیکھتا ہوں۔" منیجر نے کہا اور اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جانے کے چند ہی لمحوں کے بعد ایک اینگلو انڈین لڑکی آفس میں داخل ہوئی اور حمید کی طرف دیکھے بغیر مڑ کر دفتر کا دروازہ بند کرنے لگی۔

پھر دروازہ بند کر کے اُس طرف مڑتے ہی وہ کچھ چونک سی پڑی۔

"منیجر کہاں ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"تشریف رکھئے.... وہ ابھی آتے ہیں۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔

حمید نے اس پر تفصیلی نظر ڈالی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی قسمت پر عش عش کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ جس انداز میں اس نے دفتر میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا تھا وہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ منیجر سے کافی بے تکلف ہے۔

لڑکی بہت حسین اور پُرکشش تھی۔

اتنے میں کسی نے آفس کے دروازے کا ہینڈل باہر سے گھمایا۔ دروازہ کھل گیا اور منیجر کی بوکھلائی ہوئی شکل دکھائی دی۔

"اوہو....!" وہ اندر گھستا ہوا بولا اور اس طرح درمیان ہی میں رک گیا جیسے پرانی کہانیوں والے کسی شہزادے کی طرح پتھر کا ہو گیا ہو۔

"منیجر....! پلیز یہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" حمید اُسے معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر بولا۔

"اوہ.... ہا.... ہاں...." منیجر دونوں ہاتھ پھیلا کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"کیا تم بہت مشغول ہو۔" لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں تو.... بالکل نہیں۔"

لڑکی حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اوہ کیا میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!" لڑکی مسکرائی۔ "آپ بیٹھئے.... میں تو یونہی .... بس چلی آئی وہاں ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔"

"اچھا.... اچھا.... میں بھی اسی اتفاق کا شکار ہوں۔" حمید نے منیجر کی طرف مڑ کر کہا۔ "بڑے کافی پاٹ کے لئے کہہ دو.... اور تین کپ۔"

منیجر کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے کی بجائے سرپٹ باہر نکل گیا۔

"کیا آپ میرے لئے تکلیف کر رہے ہیں۔" لڑکی نے حمید سے کہا۔

"کیسی تکلیف.... بھلا اس میں تکلیف کیسی۔ ایسی خطرناک سردی میں کسی کو کافی پیش کرنا تکلفات میں سے نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ شکریہ! سردی تو واقعی بہت زیادہ ہے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ویٹر نے اندر آ کر کہا۔ "آپ کو ایک صاحب یاد فرما رہے ہیں۔"

"مجھے....!"

"جی ہاں....!"

"میں ابھی حاضر ہوا۔" حمید لڑکی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ لیکن وہ ایک صاحب جنہوں نے اُسے یاد فرمایا تھا منیجر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

"اس حماقت کا مطلب....!" حمید بھنا کر بولا۔

"میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا جناب کپتان صاحب کہ آپ اُس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"کیا وہ تمہاری محبوبہ ہے پیارے منیجر۔"

"آپ کو اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے جناب۔"

"اگر وہ تمہاری محبوبہ ہے تو مجھے افسوس ہوا۔ تم اسکے قابل نہیں ہو۔ کیا عمر ہو گی تمہاری۔"

"آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ تم پینتالیس کے ضرور ہو گے۔"

"کپتان صاحب۔"

"اور وہ چوبیس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارا بھلا ہی چاہوں گا۔"

"آپ براہِ کرم.... میں یہاں ہال میں ایک میز کا انتظام کئے دیتا ہوں۔"

"کچھ بھی ہو۔ وہ کافی میرے ساتھ پئے گی۔ میں اُسے مدعو کر چکا ہوں۔ ارے جان کیوں نکل رہی ہے۔ کیا مجھے ڈاکو سمجھتے ہو۔"

"دیکھئے میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے تمہاری پسند کی پرواہ نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ انتخاب غلط ہے۔ تم چالیس سے اوپر ہو اس لئے کم سے کم تیس سال کی محبوبہ ہونی چاہئے۔ اچھا میری عمر کے متعلق تمہارا کیا اندازہ ہو گا۔"

"حمید صاحب....!" منیجر دانت پیس کر بولا۔ "اتنا یاد رکھئے کہ چیونٹی بھی دب کر کاٹ ہی

لیتی ہے۔"

"اس لئے میں نے آج تک کسی چیونٹی سے عشق نہیں کیا۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا.... ہم تینوں وہیں کافی پئیں گے ورنہ دوسری صورت میں کیا فائدہ کہ تمہاری محبوبہ تمہاری حالت پر قہقہے لگانے پر مجبور ہو جائے۔ ہاں شاباش....!"

حمید نے کہا اور اُس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چل دیا۔

آفس میں اینگلو انڈین لڑکی ایک آرام کرسی پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے آفس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ لڑکی بدستور آرام کرسی میں پڑی رہی۔

"معاف کیجئے گا۔" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اوہو! کوئی بات نہیں۔" حمید نے سنجیدگی اور بھولے پن کے ساتھ کہا۔ "منیجر بہت اچھا آدمی ہے۔ اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"جی ہاں....!" لڑکی مسکرائی۔ "ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"اوہ تب تو آپ مجھے بھی.... اپنا گہرا دوست سمجھئے۔ کیونکہ منیجر سے میرے تعلقات بہت پرانے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"مجھے حمید کہتے ہیں۔"

"میں ڈالی ہوں۔"

"ڈالی.... واہ کتنا حسین نام ہے۔" حمید نے کہا اور منیجر کی طرف دیکھنے لگا جو دروازے میں کھڑا احمقوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حمید اُسے آنکھ مار کر بولا۔

"یہ نام سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ مدھم سروں میں کسی نے ستار چھیڑ دیا ہو اور دور کسی ویرانے میں....!"

منیجر پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن لڑکی اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولی۔

"اوہ آپ تو شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"شاعر تو وہ ہیں۔" حمید نے منیجر کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... منیجر کی شاعری۔" لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ "یہ مجھے اردو میں شعر سنا کر انگریزی میں

اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ پتہ نہیں ٹھیک کرتے ہیں یا غلط میں تو غلط ہی سمجھتی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کوئی ترجمہ سنے بغیر خیال کس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔" لڑکی نے منیجر سے کہا۔

"کافی آ رہی ہے۔" منیجر مردہ سی آواز میں بولا۔ "اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔"

حمید کی صلاحیتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہیں اپنے کلب ہی میں اُس نے مختلف اوقات میں حمید کے ساتھ مختلف لڑکیاں دیکھی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حمید تھوڑی ہی دیر میں نہ صرف خود لڑکیوں سے بے تکلف ہو جاتا ہے بلکہ انہیں بھی بے تکلفی پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ بڑی بے دلی سے آگے بڑھا اور ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

اتنے میں کافی بھی آ گئی۔ حمید نے تین کپ تیار کئے۔

"اوہو....! واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔" لڑکی نے کافی کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کی دانست میں مجھے تکلیف ہوئی ہے۔" حمید نے منیجر سے پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا لیکن کافی کا کپ لے کر اس طرح ہونٹوں سے لگا لیا جیسے حمید کا خون پینے جا رہا ہو۔

"ہاں.... آپ کسی شعر کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا اور وہ منیجر کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی لیکن پھر جلد ہی سنجیدہ بھی ہو گئی وہ کس حد تک منیجر کے جذبات کا پاس کرتی تھی مگر اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ وہ سوچنے لگا کیا حقیقتاً لڑکی بھی اس کھوسٹ میں دلچسپی لے رہی ہے۔

لڑکی اچانک خاموش اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے منیجر کے سلسلے میں اپنے رویئے پر ندامت ہو۔ پھر کافی پینے کے دوران میں وہ ایک بار بھی نہیں بولی اور کافی ختم کر چکنے کے بعد اٹھ ہی گئی۔

"مجھے جلدی ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "امید ہے کہ پھر ملاقات ہو گی۔"

"ضرور.... ضرور....!" حمید نے جواب دیا لیکن اب اُس کے انداز میں کافی بے تکلفی پیدا

ہو گئی۔ لڑکی کے ساتھ ہی منیجر بھی باہر چلا گیا۔ حمید وہیں بیٹھا رہا۔ اچانک اُس کی نظر ایک ریشمی رومال پر پڑی جو اُسی آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ جس پر لڑکی تھی۔ حمید نے اُسے غیر ارادی طور پر اٹھالیا۔ ایک لطیف سی خوشبو اُس کے دماغ میں گونج کر رہ گئی۔

رومال کے نیچے ایک چھوٹی سی سنہری ٹکیہ پڑی بجلی کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ حمید نے اسے بھی اٹھالیا۔ اُس کا قطر قریب قریب چونی کے برابر ضرور ہوگا اور ٹکیہ سونے کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اُس سنہرے سکے پر ایک طرف "طاقت" تحریر تھا اور دوسری طرف ایک مہر تھی۔ بالکل اُسی قسم کی مہر جیسی سرکاری کرنسی میں ہوتی ہے۔ لیکن وہ سنہرا سکہ.... رائج الوقت سکوں میں سے نہیں تھا۔

غیر مہذب آدمی

یہ سکہ! اس سے قبل بھی کئی بار حمید کی نظر سے گذر چکا تھا۔ اُس نے اُسے فریدی کے پاس دیکھا تھا۔ وہ اکثر فرصت کے اوقات میں کافی غور وخوض کے ساتھ اس کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اُس کے متعلق استفسار پر حمید نے اسے بارہا بڑبڑاتے سنا تھا۔ "ہوسکتا ہے کہ سنہری ٹکیہ کسی بہت بڑے حادثہ کا پیش خیمہ ہو۔"

بس اتنا ہی۔ اُس کے بارے میں وہ یہی ایک جملہ کئی بار سن چکا تھا اور اس وقت اسی قسم کا ایک دوسرا سکہ دیکھ کر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگیا۔

باہر قدموں کی آہٹ ہوئی اور حمید نے سکہ اور رومال جیب میں ڈال لئے۔ آنے والا منیجر ہی تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"مائینڈ دیٹ مائی ڈیئر۔" حمید اُسے انگلی دکھاتا ہوا بولا۔ "میں لاحول سے بھاگنے والے شیطانوں میں سے نہیں ہوں۔"

"کپتان صاحب! میں آپ کو اپنا دوست سمجھتا تھا۔ آپ کے لئے خلوص رکھتا تھا۔ آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس لگائی ہے۔ بقول شاعر....!"

"یقیناً اس وقت کا شاعر کوئی مرثیہ گو ہوگا۔ اس لئے معاف رکھو۔"

دوران گفتگو میں حمید نے جیب سے وہی رومال نکال لیا جو اسے آرام کرسی پر ملا تھا۔ لیکن منیجر نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ حمید اُسے بار بار اپنے چہرے کے قریب نچانے لگتا۔

منیجر کہہ رہا تھا۔ "آپ اتنے دنوں کے تعلقات کا بھی پاس نہیں کرتے۔"

"کیا.... کیا ہے میں نے.... بتاؤ.... کیا کیا ہے میں نے۔" حمید بھی جھنجھلا گیا۔

"آپ نے؟ خیر میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" منیجر غمناک لہجے میں بولا۔

حمید نے جیب سے وہی سکہ نکالا اور اُسے چٹکی میں لے کر میز کے گوشے کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے لگا۔ منیجر نے اُسے دیکھا لیکن اس کے انداز میں کچھ اس قسم کی بے تعلقی تھی جسے بناوٹی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ حمید نے اُسے وہ سکہ اچھی طرح دکھادیا لیکن پھر بھی منیجر کے رویئے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

بہرحال حمید کو یقین ہوگیا کہ وہ سکہ اور رومال منیجر کے نہیں ہوسکتے۔ حمید نے اُسے احتیاط سے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور رومال کو منیجر کی نظر بچا کر اُسی آرام کرسی پر ڈال دیا جس پر سے اُسے اٹھایا گیا تھا۔

پھر اس کا ذہن اس طلائی سکے میں الجھ کر رہ گیا.... کیا وہ اسی لڑکی کا تھا؟ رومال تو یقیناً لڑکی ہی کا تھا کیونکہ وہ اسے اس کے ہاتھ میں بھی دیکھ چکا تھا مگر سکہ۔

"ڈالی کہاں رہتی ہے۔" وہ اچانک منیجر سے پوچھ بیٹھا۔

"میں نہیں جانتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

دفعتاً حمید سنجیدہ ہوگیا۔ اب وہ اس معاملے کو مذاق ہی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے اس سکے کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس سکے کی مہر اسے اس معاملے میں سنجیدہ ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ یہ مہر دراصل اسی کے ملک کا سرکاری نشان تھی اور ملکی کرنسی کے علاوہ سرکاری کاغذات میں بھی استعمال ہوتی تھی اور عام آدمیوں کے لئے اس کا استعمال قطعی غیر قانونی تھا۔ ورنہ حمید یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ٹکیہ سونے کی تجارت کرنے والی کسی فرم سے تعلق رکھتی ہوگی۔

بہرحال حمید قطعی سنجیدہ ہوگیا۔

"اگر میرے اس رویئے سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو مجھے افسوس ہے میں صرف مذاق کے موڈ

میں تھا۔ تم تو میری عادت سے واقف ہو۔ اب میں اس مسئلے پر تم سے کبھی کوئی گفتگو نہ کروں گا۔"

منیجر نے اُسے غور سے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں سچ کہتا ہوں یہ محض مذاق تھا۔" حمید نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا۔ "میں تو صرف تمہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ تمہاری چڑچڑاہٹ مجھے بہت پسند ہے۔"

حمید پھر ہنسنے لگا۔ اس بار منیجر بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا لیکن وہ ہنسی خوش دلی کی علامت نہیں تھی۔ وہ زبردستی ہنس رہا تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ پھر چند رسمی جملے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

اُسے دراصل اُس ویٹر کی تلاش تھی جو لڑکی کی موجودگی میں آفس میں آیا تھا۔ وہ اُسے ہال ہی میں ایک جگہ مل گیا۔ حمید اُسے اشارے سے بلا کر آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے بلیرڈ روم میں داخل ہوئے۔ حمید نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"فرمائیے۔" ویٹر نے نہایت ادب سے پوچھا۔

"یہ تمہارا انعام ہے۔"

ویٹر متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں صرف تھوڑی سی معلومات چاہتا ہوں۔" حمید بولا۔

"فرمائیے جناب۔"

"کیا وہ لڑکی کلب کی مستقل ممبر ہے جو ابھی منیجر کے آفس میں تھی۔"

"جی ہاں جناب! وہ مستقل ممبر ہیں۔"

"نام کیا ہے؟"

"مس ڈریلا مورگن....!"

"کہاں رہتی ہے؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں جناب۔ بھلا میں کسی کے گھر کا پتہ کیسے جان سکتا ہوں۔"

"تم کوشش کرو تو میرے لئے معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح جناب۔ میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔"

"اس وقت پونے بارہ بجے ہیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد منیجر سونے کے لئے اوپری منزل پر چلا جائے گا۔ وہ لڑکی منیجر کی خاص دوستوں میں سے ہے۔ سب جانتے ہیں۔"

"جی ہاں.... جناب۔"

"تم کلرک سے اُس کا پتہ معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کبھی نہ بتائے گا۔"

"اوہ سنو تو سہی۔ جب منیجر سونے کے لئے اوپر چلا جائے تو تم کلرک سے کہنا کہ منیجر نے کچھ چیزیں مس ڈریلا تک پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن جلدی میں نہ تو تم نے ہی اس کا پتہ پوچھا اور نہ منیجر نے بتایا۔ لہٰذا.... ہاں سمجھ گئے۔"

"جی ہاں....!" ویٹر نے کہا لیکن اس کے انداز میں اب بھی ہچکچاہٹ تھی۔

"ڈرو نہیں.... کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔"

"اچھی طرح واقف ہوں کپتان صاحب۔"

"تم یہ جانتے ہو کہ میں منیجر کو اکثر چھیڑتا رہتا ہوں۔"

"جانتا ہوں جناب۔" ویٹر مسکرایا۔

"تم یقین رکھو! کلرک کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوگا۔ اچھا میں تمہیں کمپاؤنڈ میں ملوں گا۔ میری گاڑی پہچانتے ہو نا۔"

"جی ہاں جناب۔" ویٹر نے دس کا نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

حمید وہاں سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آ گیا۔ سردی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہ کیڈی میں بیٹھ گیا۔

اور تقریباً آدھے گھنٹے تک اُسے اسی طرح بیٹھے رہنا پڑا۔ لیکن اسے اپنی اسکیم میں ناکامی نہیں ہوئی۔ ویٹر کیڈی کے پاس آکر آہستہ سے بولا۔ "تیرہ آلگن اسکوائر کوئینس اسٹریٹ۔"

"شاباش.... آئندہ بھی تمہیں موقع دیا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

❁

نصرت خان صوفے سے اٹھ کر وحشیانہ انداز میں چلتا ہوا ٹیلی فون تک گیا جس کی گھنٹی بڑی دیر سے بج رہی تھی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بہت زور سے دھاڑا۔

"کون ہے؟"

"چچ.... چچ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو! کہا کرتے ہیں دوست....!"

"نہیں کہا کرتے۔ کیا میں کسی کا غلام ہوں۔"

"طاقت....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.... تم ہو دوست....!" نصرت خان کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "اچھا ہیلو۔"

"بہت اچھے۔ ہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔"

"دیکھو دوست! مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں شہزادہ ہوں اور ایک شہزادے ہی کی طرح ہوں۔ لیکن تمہاری تہذیب میرے لئے تکلیف دہ ہے اور میں اتنا مہذب ہرگز نہیں بن سکتا تم مجھے بنانا چاہتے ہو۔"

"نہیں دوست! تم میرے لئے اتنی سی قربانی تو کرو۔ آخر تمہارا نقصان کیا ہے اس میں۔"

"نقصان تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن مجھے غصہ آجاتا ہے۔ ابھی وہ دونوں گدھے آتے ہوں گے۔"

"کون....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہی جو مجھے مصافحہ کرنے کی مشق کرا رہے ہیں۔"

"ہاں مجھے اطلاع ملی ہے۔" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ "کل تم ان میں سے ایک کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔"

"میں کیا کرتا.... بار بار.... ہاتھ ملاؤ.... یہ ٹھیک نہیں وہ ٹھیک نہیں آخر غصہ آ لیکن میں نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"خیر.... خیر.... گھبراؤ نہیں۔ تم بہت جلد کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"محض تمہاری خاطر دوست....!" نصرت خان نے کہا۔ "ورنہ.... اب تک.... میں چ بہت غصہ ور ہوں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں تھوڑی دیر بعد پھر تمہیں فون کروں گا اور تم جواب میں ہیلو کہو گے۔"

"اچھا بابا....!" نصرت نے طویل سانس لے کر کہا اور ریسیور رکھ کر ایک صوفے میں گر گیا۔

✿

کھانے کی میز پر چار آدمی تھے۔ ایک تو نصرت خان تھا۔ دوسری ایک عورت تیسرا

ادھیڑ عمر کا مرد تھا۔ چوتھا ایک خوشرو اور تندرست جوان۔

نصرت خان نے بڑی پلیٹ سے مرغ مسلم اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے اس کی ٹانگیں الگ کر لیں۔

"یوں نہیں۔" معمر نے اسے ٹوکا۔

"بکو مت....!" نصرت خان مرغ کی ٹانگیں دانتوں سے ادھیڑتا ہوا غرایا۔

معمر آدمی نے ایک طویل سانس لی اور خاموشی سے کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نصرت خان کی خونخوار آنکھوں کی طرف دیکھ سکتا۔ نصرت خان کے ہاتھ اور دانت برابر کام کرتے رہے۔ اس نے چھری اور کانٹے کو اٹھا کر کمرے کے دوسرے سرے پر پھینک دیا تھا۔

"یہ بُری بات ہے ضرغام۔" عورت بولی۔ "ہاتھ گندے ہو جاتے ہیں۔" اور پھر دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کا گندہ ہاتھ عورت کے گال پر پڑا۔ وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئی۔

"ابے تو کیا واقعی جانور ہے۔" نوجوان دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

نصرت خان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ خونخوار آنکھوں سے اس نوجوان کو گھور رہا تھا۔ معمر آدمی عورت کو اٹھانے لگا۔

اچانک نصرت خان نے کھانے کی میز الٹ دی۔ نوجوان اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بُری سرعت سے پیچھے ہٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان اس کے اوپر تھا۔ نوجوان نے بہت کوشش کی کہ اس کی گرفت سے نکل جائے لیکن ممکن نہ ہوا.... نصرت خان اسے اپنے بازوؤں میں جکڑے ہوئے بُری طرح بھینچ رہا تھا۔

"چھوڑ دیجئے.... خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔" معمر آدمی گلوگیر آواز میں چیخا۔

نوجوان کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔

"ضرغام صاحب۔ آپ کو خدا کا واسطہ چھوڑ دیجئے۔" عورت روتی ہوئی بولی۔

اچانک نصرت خان اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ اور وہ کسی مردہ چھپکلی کیطرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

✿

فون کی گھنٹی بجی اور نصرت خان چونک پڑا۔ وہ صوفے پر پڑا اونگھ رہا تھا۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

"طاقت....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.... دوست تم ہو۔"

"ہاں میں ہوں! اور بہت زیادہ مغموم....!"

"کیوں.... تم مغموم کیوں ہو۔"

"تمہاری وجہ سے .... تم مجھے بہت دکھ پہنچاتے ہو۔"

"نہیں دوست....!" نصرت خان ہنسنے لگا۔ "ہرگز نہیں جس دن میں نے یہ محسوس کیا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا رہا ہوں اسی دن نصرت خان خود اپنے ہی ہاتھوں کتے کی موت مر جائے گا۔ خان جلال والئی مقلاق کا بیٹا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔"

"پچھلی رات تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔"

"اوہ.... دیکھو دوست....!" نصرت خان نے کہا۔ "کھانے کے معاملے میں میرا مہذب ہونا ناممکن ہے جس دن میں نے مریضوں کی طرح ہاتھ روک روک کر کھانا کھایا اسی دن مجھے تپ دق ہو جائے گا اور میں کتے کی موت مر جاؤں گا۔ جانوروں کی طرح کھانا کھائے بغیر بدن میں جان نہیں آتی۔ میرے اپنے نظریئے کے مطابق کھانا اس طرح کھانا چاہئے جیسے ذرا بھی ہاتھ رکے تو کوئی دوسرا اسے جھپٹ لے جائے گا۔"

"تو تم بھی نظریات رکھتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں میرے دوست....!" نصرت خان نے انگریزی میں کہا۔

"ہائیں تم انگریزی بھی بول سکتے ہو۔"

"نہ صرف انگریزی بلکہ فرنچ اور جرمن بھی۔" نصرت خان بولا۔ "ان زبانوں میں لکھ پڑھ بھی سکتا ہوں۔"

"تب.... میرے دوست مجھے حیرت ہے کہ تم مہذب نہیں بن سکتے۔"

"ہاں.... دوست.... میری تربیت ہی کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ مجھ پر تعلیم کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ میں نے قلعہ مقلاق کی چہار دیواری ہی میں محدود رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ تین انگریز معلم مجھے پڑھاتے تھے لیکن ان کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اگر وہ مجھے مہذب بنانے کی کوشش کرتے تو خان بابا کا کوئی ادنیٰ سا پیادہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ خان بابا کا قول ہے کہ

موجودہ تہذیب نے صرف نامرد اور بزدل پیدا کئے ہیں۔"

"اوہ.... لیکن اب تو تم خان بابا کی قید سے آزاد ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"لیکن میں اُن کے نظریئے کا قائل ہوں۔" نصرت خان بولا۔ "ویسے میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے مجھے بہت کچھ مہذب بنا دیا ہے۔ لیکن دوست کھانے کے معاملے میں کبھی تم مجھے مہذب یا دوسرے الفاظ میں مریض نہ پاؤ گے۔"

"خیر.... خیر پرواہ نہ کرو۔ مجھے تم سے بڑی محبت ہے اور میں تمہاری زیادتیاں بھی برداشت کر سکتا ہوں لیکن دوست! اب کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا۔"

"دیکھا جائے گا۔" نصرت خان بولا۔

✿

اُسی شام کو اُس عمارت کے ایک کمرے میں نصرت خاں ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو! بہت خوبصورت۔" نصرت خان لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

"تب پھر تمہیں میرے کہنے پر چلنا ہوگا۔"

"میں ناچوں گا۔"

"میں تمہیں ناچنا سکھاؤں گی۔ یہ ہماری تہذیب کے لئے ضروری ہے۔"

نصرت نے سر کی جنبش سے رضامندی کا اظہار کیا۔ گراموفون پر پہلے ہی سے موسیقی کا ریکارڈ چڑھا ہوا تھا۔ لڑکی نے ٹرن ٹیبل کو متحرک کر کے ساؤنڈ بکس رکھ دیا۔ کمرہ موسیقی سے گونجنے لگا۔ وہ کافی دیر تک کوشش کرتی رہی لیکن نصرت خان کے پلے کچھ بھی نہ پڑا اور لڑکی بُری طرح تھک گئی کیونکہ نصرت خان بالکل کسی نیزے باز کی طرح پینترے بدلنے لگتا تھا۔ وہ بار بار اُسے ٹوکتی جا رہی تھی۔ نصرت خان جھلا گیا۔ کچھ اکتاہٹ بھی تھی۔ لیکن لڑکی تھی کہ کسی طرح پیچھا چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

آخر نصرت خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُس کا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرح کھڑی ہو جاؤ۔"

لڑکی دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

دفعتاً نصرت خان نے اُسکی ٹانگوں میں اپنا پیر پھنسا کر دھکا دیا اور وہ منہ کے بل فرش پر جا گری۔ اُسکی ناک سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ وہ اتنی سخت جان بھی نہیں تھی کہ بیہوش نہ ہو جاتی۔

بُرے پھنسے

سنہرا سکہ تقریباً ایک ماہ سے حمید کی جیب میں تھا.... لیکن ابھی تک اُسے اس کی غرض و غائت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ ڈریلا سے اس نے دوستی کی اور یہ دوستی بے تکلفی کی حد تک پہنچ گئی لیکن اُسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ سکہ اُسی کا تھا یا نہیں۔

حمید اپنی ہی دھن میں تھا۔ اُس نے فریدی سے اس سکے کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اُس نے فریدی سے اس سکے کے بارے میں ضرور پوچھا تھا جو خود فریدی کے پاس تھا لیکن فریدی نے اُسے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا لہٰذا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود ہی اس کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فریدی سے پہلے ہی کامیاب ہو جائے۔

بظاہر آج کل فریدی کے پاس کوئی کیس نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ بعض اوقات بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگتا تھا ایسے حالات میں کبھی کبھی وہ پُر اسرار سکہ بھی اس کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔

آخر ایک دن حمید اس قصے کو چھیڑ ہی بیٹھا۔

"فکر نہ کرو.... کھیلو.... کھاؤ.... تفریح کرو۔" فریدی کا جواب تھا۔ "اپنی کھوپڑی کا خون فضول جلاتے ہو۔"

"نہیں میں آج کل کام کرنے کے موڈ میں ہوں۔" حمید بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔" فریدی نے خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ ایک ماہ قبل درخت پر کیوں چڑھے تھے اور پھر دو دن تک کہاں رہے تھے۔"

"یہ بھی نہیں بتا سکتا۔ حماقت تھی اور کیا کہوں۔ یہی سمجھو۔" اُس نے کہا۔

"ویسے مجھے آج کل ایک آدمی کی تلاش ہے۔"

"کس کی....؟"

"والئی مقلاق کے بیٹے نصرت جلال کی۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"وہ مقلاق کے قلعے سے گذشتہ ماہ فرار ہو گیا ہے۔"

"ہو جانے دیجئے... آخر آپ کو اُس کی تلاش کیوں ہے۔ مقلاق آزاد علاقہ ہے۔ ہماری حکومت کو اُس کی فکر کیوں ہونے لگی۔"

"والئی مقلاق نے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اُس کے بیٹے کو تلاش کرنے میں مدد دیں اور اگر وہ درخواست نہ کرتا تب بھی حکومت کو اُس میں دلچسپی لینی ہی پڑتی۔"

"کیوں....!"

"تمہیں وہ کیس تو یاد ہی ہو گا۔ ایک بازاری دوا فروش کے سلسلہ میں جو جھگڑا ہوا تھا۔ کسی نے ایک کانسٹیبل کو اٹھا کر اس طرح پٹخا تھا کہ وہ ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا اور پھر وہ پانچ آدمیوں کو زخمی کر کے صاف نکل گیا تھا۔"

"ہاں وہ کیس مجھے یاد ہے اور پولیس حملہ آور کا پتہ لگانے میں ناکام رہی تھی۔"

"حملہ آور کا جو حُلیہ بیان کیا جاتا ہے وہ والئی مقلاق کے روانہ کئے ہوئے حلیئے کے مطابق ہے اور حادثے سے کچھ دیر پیشتر اُسی حلیئے کے ایک آدمی نے سلور مون ریستوران میں کھانا کھایا تھا۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... یہ ضروری نہیں ہے۔"

"جہنم میں جائے۔ آخر آپ کیوں دردِ سری مول لے رہے ہیں کیا اُس کے علاوہ اور کوئی خاص بات ہے۔"

"خاص ہی بات ہے۔ بہت زیادہ خاص۔ پرسوں میں نے ایک آدمی دیکھا ہے جو خان مقلاق کے لڑکے سے بہت مشابہ ہے مگر اُسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی غیر مہذب کوہستانی ہے وہ اپنا نام ضرغام بتاتا ہے نیشنل آئرن ورکس کا جنرل منیجر ہے۔"

حمید ہنس پڑا اور کافی دیر تک ہنستا رہا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ایک ماہ قبل وہ آیا اور ایک بہت بڑے کارخانے کا جنرل منیجر ہو گیا ایک کوہستانی سردار کا
آئرن فیکٹری کا جنرل منیجر۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی کوئی آئرن فیکٹری نہ دیکھی ہو گی۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اور میں.... آج کل ایک دوسرے ادھیڑ بن میں ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ "کیا کرنسی کی مہریں عوام بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"مثال کے طور پر....!" حمید اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ "یہ
سنہری ٹکیہ.... اس پر کرنسی کی مہر موجود ہے۔ لیکن سرکاری طور پر اسے سکہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم نے میری اجازت کے بغیر....!" فریدی اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا
بولا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ غالباً وہ اسے وہی سکہ سمجھا تھا جسے وہ بہت احتیاط سے ہر وقت اپنے
پاس ہی رکھا کرتا تھا۔ وہ اب بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔

"ہاں.... کہئے.... کہئے....!" حمید بولا۔ "کیا آپ مجھے چور سمجھتے ہیں۔"

"یہ تمہیں کہاں سے ملا....؟"

"اللہ مسبب الاسباب ہے جناب۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ضروری نہیں کہ جو
نعمت آپ کو عطا ہو اس سے میں محروم رہ جاؤں۔"

"بکواس مت کرو.... اِدھر لاؤ۔"

حمید نے سکہ اُسے دے دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک دونوں سکوں کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل
سانس لے کر بولا۔ "دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

"جی ہاں دونوں۔ مگر ہم دونوں میں فرق ہے۔ آپ کا سکہ کسی خبیث صورت مرد کی ذات
سے تعلق رکھتا ہو گا۔"

"تمہیں یہ کہاں سے ملا۔"

"لمبی داستان ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اس سکے کے مالک کے متعلق میں ابھی تک کوئی فیصلہ
نہیں کر سکا۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے سارا واقعہ دہرا دیا۔

"اور تم اب اس کا تذکرہ کر رہے ہو۔" فریدی ملامت آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر آپ مجھے پہلے ہی اس کی اہمیت سمجھا دیتے۔"

"اہمیت.... فی الحال اہمیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سرکاری مہر کا استعمال قطعی غیر قانونی
ہے.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور یہ طاقت.... یہ کیا بلا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی دواخانے کا اشتہار ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "طاقت کسی طلائی یا
نقرئی گولی کا نام ہو گا۔ کیا خیال ہے۔ پبلسٹی کا خیال اور انوکھا طریقہ۔"

"بکواس بند کرو۔ مجھے اُس لڑکی کا پتہ بتاؤ جس کے رومال کے نیچے تمہیں یہ سکہ ملا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اسکا تعلق کسی یونانی دواخانے سے نہیں ہو گا کیونکہ وہ خود اینگلو انڈین ہے۔"

"میں پتہ پوچھ رہا ہوں۔"

حمید نے پتا بتا دیا۔ فریدی اُسے اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے لگا۔

"جب کوئی کیس نہیں ہوتا تو آپ زبردستی کوئی نہ کوئی کام پیدا کرنے کی کوشش کرتے
ہیں۔ ارے جناب ضروری نہیں کہ یہ سنہری ٹکیاں آپ کے ذوق تجسس کے شایان شان ہی
ثابت ہوں۔ سونا فروخت کرنے والی بہترین فرمیں اپنے سونے کو کسی خاص شکل میں ڈھال کر
فروخت کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ "طاقت" کسی خاص فرم کا ٹریڈ مارک ہو۔"

"مگر یہ سرکاری کرنسی کی مہر۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس فرم نے اس کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی ہو۔"

"فرموں کے امکانات پر پہلے ہی میری نظر گئی تھی اور اس سلسلے میں میں نے اچھی طرح
اطمینان کر لیا ہے کہ یہ کسی تجارتی فرم کا سونا نہیں ہے۔"

"پھر یہ کیا بلا ہے۔ خدا کے لئے کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کیجئے گا۔ ڈریلا بہت زود رنج لڑکی
ہے اگر میں کبھی دیر سے پہنچتا ہوں تو بگڑ جاتی ہے اگر آپ نے اسے کسی نئے کام سے الجھا لیا تو
ہفتوں اس کی شکل دیکھنے کو ترسوں گا۔"

"وہی لڑکی جس کا پتہ تم نے بتایا ہے۔" فریدی نے پوچھا

"جناب.... لیکن آپ اُسے پریشان نہیں کریں گے.... سمجھے۔"

"نہیں میں اُس سے نہیں ملوں گا۔"

"شکریہ.... میری اولادیں آپ پر قربان....!"

فریدی خاموش رہا۔

✿

حمید نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اُسے خواب کی بات معلوم ہوئی۔

وہ شام ہی سے ڈریلا کا تعاقب کر رہا تھا اور اس وقت رات کے آٹھ بج گئے تھے۔ ڈریلا کا تعاقب اس کے لئے نئی بات نہیں تھی وہ اس سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتا تھا اور اکثر اُسے دھوکے میں ڈال کر اس کا تعاقب بھی کرتا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ ڈریلا اس کی دورخی سے واقف نہیں ہے.... اور اس دردسری کا باعث؟ اس انوکھے سکے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

حمید نے اُسے جیمس مارٹن میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ ایک مشہور تمباکو فروش کمپنی تھی.... وہ جانتا تھا کہ ڈریلا تمباکو سے رغبت نہیں رکھتی لیکن پھر بھی وہ اکثر وہاں جاتی رہتی تھی۔ حمید نے تہیہ کر لیا کہ وہ آج وہاں اُس کی آمد و رفت کا مقصد ضرور معلوم کرے گا۔

اُس نے اُسے اکثر کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے ایک بھدے سے آدمی سے گفتگو کرتے دیکھا تھا اس لئے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دونوں میں رومان چل رہا ہوگا۔

حمید برابر والی گلی میں گھس گیا۔ یہاں کئی کاریں کھڑی تھیں اور جیمس مارٹن کے کاؤنٹر کے پیچھے کی کھڑکی اُسی گلی میں کھلتی تھی۔ گلی میں اندھیرا تھا اور حمید کاروں کے درمیان میں گھس کر بہ آسانی کاؤنٹر دیکھ سکتا تھا کیونکہ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔

ڈریلا کاؤنٹر پر اپنا وینٹی بیگ رکھے اُس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کوئی چیز نکال کر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف بڑھائی۔ حمید بجلی کی روشنی میں اُس ننھی سی چیز کی چمک دیکھ کر کھڑکی سے جا لگا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر کی طرف اٹھایا۔ شائد وہ اُسے زیادہ روشنی میں دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ ایک چمکدار سنہری ٹکیہ تھی۔

پھر اُس آدمی نے بائیں طرف رکھی ہوئی تجوری کھولی اُس میں سے چند بڑے بڑے نوٹ نکالے اور انہیں گننے لگا۔

سو سو کے بیس نوٹ اُس نے ڈریلا کے سامنے رکھ دیئے۔ ڈریلا نے انہیں کاؤنٹر سے اٹھا کر اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لیا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

اب حمید اُس کے تعاقب کا خیال ترک کر چکا تھا۔ وہ گلی سے نکل آیا۔ ڈریلا جا چکی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس سنہری ٹکیہ کا حیرت انگیز مصرف اب اس کی سمجھ میں آ چکا تھا.... لیکن مقصد....؟ آخر وہ تھی کیا بلا۔

حمید کافی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا خیالات میں گم رہا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اُس سنہری ٹکیہ کو اُسی طرح استعمال کرے گا جس طرح ڈریلا نے کیا تھا۔

دوسرے لمحے میں وہ جیمسن اینڈ مارٹن کے کاؤنٹر پر تھا۔

اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سنہرا سکہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے سکے کو چٹکی میں پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھایا چند لمحے اس پر نظر جمائے رہا پھر نیچے جھک کر تجوری کھولی.... اور.... حمید کے سامنے کاؤنٹر پر سو سو کے بیس نوٹ پڑے ہوئے تھے۔

"دیکھئے! سردی کی لہر کب تک رہتی ہے۔" حمید نوٹوں کو سمیٹتا ہوا بڑبڑایا اور وہ آدمی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیا آپ مجھے پرنس ہنری کا تمباکو دے سکیں گے۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"پرنس ہنری....!" وہ آدمی مسکرایا۔ "جی ہاں! مگر آپ کو تھوڑی سی تکلیف کرنی پڑے گی۔ میرے پیروں میں شدید درد ہے۔ اُس کمرے کے کسی شلف پر آپ کو ڈبے مل جائیں گے۔ معاف کیجئے گا۔ تکلیف دے رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہ تمباکو زیادہ رائج نہیں ہے۔ خاص ہی خاص آدمی پیتے ہیں اس لئے یہاں رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ "کدھر بتایا تھا۔"

اُس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس پر پھولدار ریشمی پردہ لٹکا ہوا تھا اور پھر اُس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کا ایک سوئچ آن کر دیا۔ پردے کے پیچھے روشنی نظر آنے لگی۔

حمید نے پردہ ہٹایا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن یہاں ایک پلنگ اور بستر کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

دروازہ بھی عجیب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اوپر سے لکڑی کا کوئی تختہ پھسل کر نیچے آ گیا ہو۔ کمرے کے دوسرے سرے پر اسی قسم کا ایک دروازہ اور بھی تھا۔ حمید نے باری باری دونوں پر زور آزمائی کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

"بیکار ہے میرے دوست....!" اُس نے اچانک ایک آواز سنی اور چونک پڑا۔

دوسرے دروازے کے قریب وہی آدمی کھڑا تھا جس سے کچھ دیر قبل اُس نے کاؤنٹر پر ہزار روپے وصول کئے تھے۔

"یہ کمرہ مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "تم چیختے چیختے مر جاؤ تب بھی تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہ پہنچ سکے گی۔"

"نہ مجھے چیخنے کی ضرورت ہے اور نہ مرنے کی۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن دو ہزار روپے تمہارے باپ بھی مجھ سے وصول نہیں کر سکتے۔ خواہ تم میری بوٹیاں اڑا دو۔"

"تم کون ہو۔" اُس آدمی نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتا سکتا۔ ابھی نیا پھنسا ہوں۔ اس لئے اناڑی پن میں مارا گیا۔"

"کون ہو تم....!" اس بار سخت لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں.... رشید ہوں....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کون رشید....!"

"یار یہ سوال ٹیڑھا ہے۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"جہاں سے سب کو ملتا ہے۔"

"کہاں سے ملتا ہے؟"

"یہ تو میں اپنے باپ کو بھی نہیں بتا سکتا۔" حمید نے سنبھل کر کہا۔ "اور تم پوچھنے والے ہوتے ہی کون ہو۔ چپ چاپ دروازہ کھول دو۔ ورنہ میں.... بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" اُس نے سرد لہجے میں کہا اور اب وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ حمید کی

طرف ایک ریوالور کی نال اٹھی ہوئی تھی۔

"اسے تو جیب ہی میں رکھو۔ سنہرا سکہ رکھنے والے اتنے کمزور دل کے نہیں ہوتے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"جواب دو۔"

"میں تمہارا سوال ہی بھول گیا۔"

"سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"تم نے یہ سوال کبھی کسی اور سے بھی کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم اپنی بکواس جاری ہی رکھو گے۔" اس آدمی نے دانت پیس کر کہا۔

"ہاں اور تمہیں قطعی حق حاصل نہیں کہ تم مجھ سے اس قسم کا سوال کرو۔ سمجھے۔ مجھے بھی بتایا گیا ہے۔ کیوں خواہ مخواہ بات بڑھاتے ہو۔"

"کیا تمہیں یہاں کا پتہ بتایا گیا تھا۔"

"ظاہر ہے.... ورنہ میں کیوں آتا۔"

"لیکن تمہاری شناخت کا کارڈ میرے فائیل میں نہیں ہے۔"

"یہ میری نہیں بلکہ دوسروں کی غلطی ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ آدمی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سکہ تمہیں کس طرح ملا تھا؟"

"پھر وہی بکواس۔" حمید بگڑ گیا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ دوسروں کو سکہ کس طرح ملتا ہے۔"

"نہیں....!" اس نے بے ساختہ کہا لیکن پھر کچھ پشیمان سا نظر آنے لگا۔

"پھر تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا یہ خلاف قانون نہیں ہے۔"

"ہے تو....!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کیا تم نے ایک خلاف قاعدہ حرکت نہیں کی۔"

"کیا حرکت کی ہے میں نے۔"

"مجھ سے گفتگو کیوں کی تھی۔" اس نے کہا۔ "پرنس ہنری کا تمباکو تمہیں کسی دوسری دوکان سے بھی مل سکتا تھا۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن یہ بات قطعی بھول گیا تھا کہ مجھے روپے لے کر چپ چاپ یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا۔"

"مجھے اطمینان نہیں ہوا۔" اُس نے کہا۔

"خیر پرواہ نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "تم مجھے شوق سے بند کر رکھو۔ لیکن تم اس کے لئے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ آج رات مجھے ایک کام انجام دینا ہے۔"

"اچھا ٹھہرو.....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں اپنا اطمینان کئے لیتا ہوں۔"

وہ ریوالور کا رخ حمید ہی کی طرف کئے ہوئے پلنگ کے قریب آیا اور فرش تک لٹکتی ہو چادر میں ہاتھ ڈال کر ایک عجیب وضع کا صندوق سا کھینچ کر باہر نکال لیا لیکن صندوق کا ڈھکن اٹھ ہی حمید کی آنکھیں کھل گئیں۔ کیونکہ اس میں ٹرانسمیٹر قسم کی کوئی چیز تھی۔ بناوٹ کے اعتبار ٹرانسمیٹر سے کچھ مختلف ضرور تھی لیکن بالکل مختلف نہیں کہی جاسکتی تھی۔

اُس آدمی نے اس کا پلگ نکال کر دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر لگا دیا اور پھر اُس مشین سے ایک ہلکی سی آواز نکلنے لگی۔ زناٹے کی آواز دراصل یہ اسمیں لگی ہوئی ایک چرخی کی آواز تھی جو بڑ تیزی سے گردش کر رہی تھی اتنی تیزی سے کہ چرخی کی جگہ بے رنگ سی خلاء نظر آنے لگی تھی۔

پھر اُسی صندوق سے ٹیلی فون کے ریسیور سے ملتی جلتی ایک چیز نکالی اور اُسے ریسیور کی طرح استعمال کرنے لگا۔

"سکس تھری! اسپیکنگ سر۔" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور جیسے ہی اُس کے منہ سے آ نکلی مشین میں گردش ہوئی۔ چرخی روشن ہوگئی۔

وہ حمید کے وہاں آنے اور روپیہ وصول کرنے کی روداد بیان کرنے لگا۔

"جی ہاں وہ یہاں موجود ہے۔" اُس نے کہا۔ اس دوران میں اس کی نظر برابر حمید کی طر رہی تھی اور ریوالور..... اُس کا رخ تو حمید کی طرف ہونا ہی چاہئے تھا۔

حمید بھی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اب خاموش ہو کر دوسری طرف بولنے والے کی بات سن تھا۔ پھر اُس نے ریسیور فرش پر رکھ دیا اور مشین کے پاس سے ہٹکر حمید سے بولا۔ "چلو بات کرو۔"

حمید نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو.....!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیا بات ہے.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں نے سکہ دیا.....!"

"سکہ نہیں طاقت کہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم شائد نئے معلوم ہوتے ہو۔"

"جی ہاں.... یہی بات ہے۔ صرف ایک ہفتہ پرانا ہوں۔ اور پہلی بار طاقت.....!"

"فکر مت کرو..... اور سب ٹھیک ہے۔ بس اپنے کاموں میں مشغول رہو۔ اب ریسیور اُسے دے دو۔"

"بہت اچھا.....!" حمید نے کہا لیکن ریسیور اُس آدمی کو دینے کی بجائے تھوڑے توقف کے ساتھ آواز بدل کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "یس سر.....!"

"تم نے ریسیور ابھی نہیں دیا اُسے۔"

"میں ہی بول رہا ہوں جناب۔"

"ریسیور اُسے دے دو..... تم بہت چالاک معلوم ہوتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے آدمی بیوقوف نہیں ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے جناب کی۔" حمید نے مسکرا کر کہا اور ریسیور فرش پر ڈال کر مشین کے پاس سے ہٹ گیا۔

اُس آدمی نے پھر ریسیور اٹھا لیا لیکن اس بار وہ صرف سنتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریوالور کا رخ حمید کی طرف کئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "سامنے والے دروازے کے قریب جاؤ۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ خواہ مخواہ مجھے ایک کارتوس خراب کرنا پڑے گا۔"

طوعاً و کرہاً حمید نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس دوران میں اُس نے کئی بار ارادہ بھی کیا کہ اُسے غافل پا کر حملہ کر بیٹھے لیکن وہ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں پاسکا تھا۔

حمید دروازے کے قریب ایک منٹ تک اسی حالت میں کھڑا رہا تھا پھر بولا۔ "کیوں پریشان کر رہے ہو یار۔ کب تک اس طرح کھڑا رہنا پڑے گا۔"

کوئی جواب نہ ملنے پر وہ مڑا لیکن اب کمرے میں خود اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر مشین کی طرف جھپٹا جو ابھی تک حرکت میں تھی۔ لیکن تیزی سے گھومنے والی چرخی کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ اس میں روشنی اسی وقت تک رہتی تھی جب تک کوئی بولتا رہتا تھا۔

"ہیلو.....!" حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا اور تیزی سے گھومنے والی چرخی پھر روشن ہوگئی۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کون.... اوہ کیپٹن حمید.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آخر کچھ مہلت بھی دو گے یا نہیں۔ دیکھو اس چکر میں نہ پڑو۔ یہ فریدی کے بس کا بھی روگ نہیں۔ میں لیونارڈ.... مسٹر کیو.... اور جیرالڈ شاستری سے بہت مختلف ہوں۔ میرے معیار کے مطابق وہ معمولی چور اور اچکے تھے اور تم تو خیر کسی شمار میں نہیں ہو۔ میں فریدی کو بھی بچہ سمجھتا ہوں۔ اسی لئے میں تم دونوں کی جان بخشی کرتا ہوں تم جیمس مارٹن تمباکو فروش ہی کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکو گے۔ میں تو خیر بہت دور کی چیز ہوں۔ اچھا اب اس مشین سے کم از کم پانچ قدم کے فاصلے پر ضرور ہٹ جاؤ ورنہ اپنی موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میرا نام طاقت ہے۔ میرے ننھے بچے فریدی کو مطلع کر دینا۔"

حمید نے بوکھلا کر ریسیور فرش پر پھینک دیا اور دو ہی تین جستوں میں دیوار سے جا لگا۔ مشین سے اس کا فاصلہ تقریباً دس گز ضرور رہا ہو گا۔

بے بسی

حمید حیرت سے منہ کھولے مشین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کی چرخی کی گردش کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ اس میں سے نکلنے والی تیز قسم کی روشنی آنکھوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی پھر اچانک اُسی چرخی سے ایک شعلہ سا لپکا اور پوری مشین جلنے لگی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُسے پٹرول میں ڈبو کر آگ لگا دی ہو۔

پھر اس کا پلگ خود بخود سوئچ بورڈ سے نکل کر فرش پر آرہا۔

پندرہ بیس منٹ کے اندر ہی اندر مشین راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔

نہ جانے کیوں حمید اس وقت ذہنی طور پر مفلوج سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے راکھ کے ڈھیر کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس کی نظر اُس دروازے کی طرف اٹھ گئی جس سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے قدم غیر ارادی طور پر دروازے کی جانب اٹھنے لگے۔ دروازے میں اب صرف وہی

پردہ جھول رہا تھا جسے ہٹا کر حمید کمرے میں داخل ہوا تھا۔

وہ تمباکو کی دوکان میں پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے وہی آدمی موجود تھا جس نے کچھ دیر قبل ریوالور دکھا کر دھمکیاں دی تھیں۔

حمید کو دیکھ کر وہ نہایت ادب سے کھڑا ہو گیا اور اُس کی طرف پرنس ہنری کا ڈبہ بڑھاتا ہوا بولا۔ "جناب کا تمباکو۔"

حمید کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ڈبہ لیتے ہوئے داہنے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کیا کہ وہ پچھلی دیوار سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

"دوڑو بچاؤ۔" وہ فرش سے اٹھتا ہوا چیخا۔ "مار ڈالا.... مار ڈالا۔"

حمید کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری طرف کود چکا تھا۔ اس نے اپنے شکار کو فرش سے نہیں اٹھنے دیا اور اس کی چیخیں؟ وہ کسی طرح بھی نہ رک سکیں۔ راہگیروں اور پڑوسیوں کا ایک جم غفیر دوکان میں گھس آیا۔

"خبردار.....!" حمید گرجا۔ "اگر کوئی بھی قریب آیا تو اُسے بھی جیل کی شکل دیکھنی پڑے گی۔"

دو ایک پولیس کانسٹیبل بھی اندر گھس آئے تھے۔

"انہیں باہر نکال دو۔" حمید نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھ کر مجمع کی طرف اشارہ کیا۔

شہر کی فورس کا شائد ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو حمید کو نہ پہچانتا رہا ہو۔

"باہر جائیے.... باہر جائیے۔" کانسٹیبلوں نے مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اِدھر حمید اپنے شکار کو گریبان سے پکڑ کر دوبارہ اٹھا چکا تھا۔

"آپ.... آپ.... میرا.... جرم بھی تو.... بتائیے۔" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

حمید نے اُسے کرسی میں دھکا دے دیا۔

پھر اُس نے کانسٹیبل سے کہا۔ "تم میں سے ایک باہر ٹھہرے گا اور تم اندر دروازہ بند کر دو۔"

لوگوں کو باہر نکلوا دینے کے بعد حمید نے دروازہ اندر سے بند کرا دیا۔ ایک کانسٹیبل اندر ہی رہ گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" اُس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" حمید فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "ابھی دیکھوں گا کہ تم لوگ

کتنے چالاک ہو۔"

دوسرے لمحے میں وہ فریدی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا سب سے پہلے اس نے گھر ہی فو
مناسب سمجھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ پہلی ہی کوشش میں فریدی سے رابطہ قائم کر
کامیاب ہو جائے گا۔ ویسے اگر وہ گھر پر نہ ملتا تو کسی نہ کسی دوسرے ٹھکانے پر ضرور مل جاتا۔

لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ فریدی گھر ہی مل گیا۔ حمید نے اُسے یہاں بلانے کے لئے
سنہرے سکے کا حوالہ دینا کافی سمجھا۔

پھر وہ وہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حقیقت تو یہ تھی ک
بھی حمید کی کھوپڑی میں برف ہی جمی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی اس کمرے کی طرف د
نہیں دیا جس میں کچھ دیر قبل مقید رہ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے حمید سے پوری روداد سنی اور بُری
جھلا گیا۔ وہ اس وقت صحیح معنوں میں برافروختہ نظر آرہا تھا۔

"کیا اب تم نے مجھے یہاں جھک مارنے کے لئے بلایا ہے۔"

"کیوں! ارے جناب۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اس کمرے میں قید رہا ہوں۔" حم
کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

دوکاندار اب بھی کاؤنٹر کے پیچھے خاموش بیٹھا ان کی حرکتوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

حمید کبھی کبھی کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا اور دل ہی دل میں تاؤ کھا کر رہ جاتا۔ ڈ
رہا تھا کہ کہیں الٹی آنتیں گلے نہ پڑیں۔ اُس جیسا ایکٹر آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذ

فریدی نے پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں جھانکا۔ اتفاقاً حمید کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ
اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ نہ تو کمرے میں اب وہ پلنگ تھا اور نہ جل
مشین کی راکھ۔ ان کی بجائے اب وہاں لکڑی کے صندوقوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے بال
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کمرہ سال ہا سال سے بحیثیت گودام استعمال کیا جاتا رہا ہو۔

"کیا تم اسی کمرے کی بات کر رہے تھے۔" فریدی قہر آلود انداز میں حمید کی طرف پلٹا۔

"اب میں کیا بتاؤں۔ میں بالکل گدھا ہوں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "میں یہاں تھا اور
سب کچھ ہوتا رہا۔"

"مت بکو۔"

"ارے تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے دو ہزار کے نوٹ۔" حمید نے کہتے ہوئے
اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

اور وہ منظر بڑا دلچسپ تھا جب وہ بوکھلا بوکھلا کر یکے بعد دیگرے اپنی ساری جیبیں ٹٹول رہا تھا
اور اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں اسطرح بہہ رہی تھیں جیسے کہیں سے بارش میں بھیگ کر آیا ہے۔

اب وہ دو ہزار کے نوٹ بھی اس کے پاس نہیں تھے۔

حمید نے جھپٹ کر اُس آدمی کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

"خدا کی قسم یہ ظلم ہے۔ سراسر ظلم۔ جرم بھی نہیں بتاتے اور خواہ مخواہ مارے جاتے ہیں۔"

"حمید....!" فریدی نے ڈانٹا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ایسے مواقع پر ٹھنڈا پانی بھی کہیں آس پاس موجود نہیں
ہوا کرتا۔ ورنہ وہ خون کے گھونٹ پینے کے بجائے اسی سے شغل کرتا۔

فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر حمید کو الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔

"بات تو بگڑ ہی چکی ہے۔ اب کچھ کرنا چاہئے۔"

حمید کو اُس سے اتنی نرمی کے اظہار کی توقع نہیں تھی اس لئے وہ خلوص دل سے ہمہ تن
گوش نہیں بلکہ خرگوش ہو گیا۔

"اسے اسی وقت اور اسی حالت میں گرفتار کر لینا چاہئے۔ ورنہ حالات تمہارے سامنے ہی
ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے اس اقدام کا ہم دونوں ہی پر کوئی بُرا اثر پڑے۔ باہر بھیڑ بڑھتی ہی
جارہی ہے۔ میں یہاں سے مسٹر شرما مجسٹریٹ کو فون کرتا ہوں۔ تم باہر اُن کا انتظار کرو۔ جیسے ہی
وہ آئیں ان سے دس دس کے تین نوٹوں پر اُن کے دستخط لے لینا.... اور میں اپنی بلیک فورس
کے تین آدمیوں کو بھی رنگ کروں گا۔ وہ بھی جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن.... اسکیم کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسے غیر ملکی تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے الزام میں پکڑیں گے۔"

"آپ تلاشی کیوں نہیں لیتے.... وہ سکے....!"

"پھر وہی بکواس۔" فریدی بگڑ گیا۔ "اس قسم کا کوئی ثبوت تم فراہم نہ کر سکو گے۔ سمجھے!

قطعی.... ناممکن ہے.... وقت نہ برباد کرو۔"

حمید دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

✿

ڈریلا مورگن لمبے لمبے قدم رکھتی ہوئی گلی پار کر رہی تھی۔ گلی کے سرے پر پہنچ کر وہ چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ ان گلیوں سے گذر رہی تھی تو کوئی اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ دے کر ایک دوسری گلی میں غائب ہو گیا تھا۔ یہ اُس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس قسم کے پرزے اسی طرح اسے سینکڑوں بار مل چکے تھے اور وہ اس کے مقصد سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے ایک جگہ رک کر پرزے پر نظر ڈالی۔ اس پر صرف "کیفے نبراسکا" تحریر تھا۔

کیفے نبراسکا پہنچنے میں تین منٹ صرف ہوئے۔

وہ سیدھی منیجر کے کیبن میں چلی گئی۔

"طاقت....!" اُس نے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

منیجر اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

ڈریلا نے بیٹھتے وقت اپنا وینٹی بیگ منیجر کی میز پر رکھ دیا۔

"آئندہ سے تمہیں یہیں سے کیش ملے گا۔ تمہارے پاس کل کتنے سکے ہیں۔"

"صرف دو....!"

"گھر پر ہیں۔"

"نہیں میں انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتی ہوں۔"

"لاؤ! مجھے دے دو! اور فی الحال رقم اتنی ہی اپنے پاس رکھو جتنی ضروری ہو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"جہاں سے ابھی تم نے کیش لیا تھا۔ وہاں تمہاری ہی وجہ سے پولیس پہنچ گئی ہے۔"

"میری وجہ سے۔" ڈریلا بے ساختہ چونک پڑی۔

"ہاں.... آں.... کیپٹن حمید تمہارا تعاقب کر رہا تھا۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ سکہ اُس کے پاس کیسے پہنچا۔"

"کیا.... اُس کے پاس کوئی سکہ تھا۔" ڈریلا نے پوچھا۔

"ہاں! اُس نے اُسے جیمس مارٹن کے یہاں کیش کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"تب تو پھر وہ میرا ہی گمشدہ سکہ ہوگا۔ میرا ایک سکہ گم ہو گیا تھا اور میں نے اس کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر کو بھی دے دی تھی۔ کیپٹن حمید میرا دوست ہے لیکن یہ مجھے اسی وقت معلوم ہوا ہے کہ وہ میری نادانستگی میں بھی مجھ پر نظر رکھتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ سکے مجھے دے دو اور وہ رقم بھی جو تمہیں جیمس مارٹن سے ملی ہے۔"

ڈریلا نے مطلوبہ چیزیں اپنے وینٹی بیگ سے نکال کر میز پر ڈال دیں۔

"فی الحال اسے اپنے پاس رکھو۔" منیجر نے پانچ بڑے نوٹ میز ہی پر پڑے رہنے دیئے اور بقیہ نوٹ سکوں سمیت دراز میں ڈال دیئے۔

"اور تم....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیپٹن حمید سے برابر ملتی رہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تم سے کترانا شروع کر دے لیکن تم اس سے زبردستی ملو گی اس کی رہائش گاہ پر جاؤ گی۔ فریدی سے بھی تعلقات پیدا کرو۔ اس پر یہ بات ظاہر کرو کہ تم اپنے متعلق اس کے شبہے سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس سے ذرا برابر خائف نہیں ہو۔"

ڈریلا اُسے حیرت سے دیکھتی رہی۔ اُسے اسکی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔

✿

نصرت خان باہر سے آیا تھا۔ نوکر نے اُسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور پھر اوور کوٹ اور فلٹ ہیٹ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

نصرت خان نے ایک طویل انگڑائی لے کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔

وہ خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ یہاں شائد فون کی گھنٹی پہلے ہی سے بج رہی تھی۔ نصرت خان کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ اب صرف سونا چاہتا تھا۔

"ہیلو....!" وہ ریسیور اٹھا کر غرایا۔

"ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ.... تم ہو دوست....!" نصرت مسکرایا۔

"ہاں میں ہی ہوں۔ دیکھو! سکس تھری کو پولیس لے گئی ہے۔"

"کیوں.... کس طرح۔"

"تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کا الزام ہے۔"

"اوہ.... تب پھر فکر کی کیا بات ہے۔" نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

"الزام فرضی ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے۔"

"تو بتاؤنا.... دوست....!" نصرت جھنجھلا گیا۔

"فریدی کو کہیں سے طاقت کا سکہ مل گیا ہے اور وہ اس کے پیچھے ہے۔"

"سکس تھری...!" نصرت اپنی یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہ تو شائد ہمارا ایک بینک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کیپٹن حمید آج ایک ایسی لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا جسے سکہ کیش کرانا تھا۔"

"میں سمجھا۔ کیا تم اُس کے لئے پریشان ہو۔"

"نہیں! قطعی نہیں۔ ہمارے گرد فولاد کی دیواریں ہیں۔ تم طاقت کو کیا سمجھتے ہو۔ اس ملک اصلی حکمران وہی ہے۔"

"میں ابھی تمہیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔"

"مجھے سمجھنے کی کوشش کا دوسرا نام وقت کی بربادی ہے۔ سمجھے ضرغام۔"

"ہاں اتنا تو سمجھتا ہوں۔" نصرت نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "پہلے تم میرے دوست تھے۔ یہ اُ وقت کی بات ہے جب میں غیر مہذب تھا اس وقت تم مجھ پر حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے آہ آہستہ مجھے مہذب بنایا اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ تمہارا غلام بنا رہنا پڑے گا۔"

"غلام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم اب بھی میر دوست ہو۔ حکمران تو حکومت نہیں کرتا۔ درحقیقت عنانِ حکومت اس کے دوستوں ہی ہاتھ میں ہوتی ہے۔ نہیں دوست! تم میرے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتے۔"

"خیر چھوڑو.... کام کی بات کرو۔" نصرت بولا۔

"تمہیں فریدی سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اُسے خان جلال کے لڑکے کی تلاش ہے۔"

"فریدی کا تذکرہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ لیکن میں نے اُسے آج تک نہ دیکھا۔ بس ایک بار مجھے معلوم ہو جائے کہ فریدی کون ہے۔"

کیا تم نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔"

"حالانکہ وہ تم سے کئی بار مل چکا ہے۔ اُسے شبہ ہے کہ تم نصرت خان ہی ہو۔"

"مجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ میں فریدی سے مل چکا ہوں۔"

"کل تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کل نیاگرا ہوٹل میں وہ بھی ہوگا۔"

"مجھے کون بتائے گا۔ کیا تم بھی وہاں موجود ہو گے۔"

"نہیں.... میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"پھر مجھے کون بتائے گا....!"

"طاقت کا کوئی دوست....!"

"اچھا تو میں کل ہی اُسے بھی دیکھ لوں گا۔"

"نہیں ضرغام! کل تم وہی کرو گے جس کیلئے کہا گیا ہے۔ کل کے پروگرام میں فریدی کو نہ شامل کرو۔ فریدی کی نشاندہی تو اسلئے کی جائے گی کہ تم اس کی عقابی نظروں سے محفوظ رہ سکو۔"

"اوہ.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ میں یہاں کم از کم ایک آدمی سے ضرور خائف ہوں۔ نہیں دوست! میں یہ ذلت نہیں گوارا کر سکتا۔ پہلے فریدی اس کے بعد دوسرا کام۔"

"ضرغام.... تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے فریدی کا صرف نام سنا ہے۔ اسے دیکھا نہیں ہے۔ دیکھنے کے بعد بھی تم اس کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر پاؤ گے۔"

"دوست بس خاموش رہو۔" نصرت خان غرایا۔ "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسی وقت اُسے تلاش کر کے قتل کر دوں۔"

"اوہو! تم پھر غلط سمجھے۔" دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ "تمہاری غصیلی آواز مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ اس لئے چھیڑ چھیڑ کر غصہ دلاتا ہوں۔ فریدی تمہارا ایک گھونسہ بھی برداشت نہ کر سکے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی موت ہی تمہیں یہاں لائی ہے، لیکن دوست بہت زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔ سمجھے! اگر تم نے پہلے اسے قتل کر دیا تو پھر کام میں خاک لطف آئے گا۔ بات تو جب ہے کہ اُس کی موجودگی ہی میں وہ ہو جائے اور بیچارا بے بسوں کی طرح

اپنی ہی بوٹیاں نوچتا پھرے.... کیا سمجھے۔"

"ہوں.... میں سمجھ گیا۔"

"اچھا تو پھر یہی ہو گا نا....!"

"بالکل یہی ہو گا۔"

"وہاں تمہارے مددگار بھی ہوں گے۔"

"مجھے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ اچھا بس اب ختم کرو مجھے نیند آ رہی ہے۔" نصر
نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حملہ اور تدارک

فریدی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر نہ تو غور و فکر کے آثار تھے جھنجھلاہٹ ہی کے۔ قریب ہی حمید آرام کرسی میں پڑا ہوا پایپ پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلی فون کا کوئی نیا سسٹم ہو۔ ایسا جس کے ایکسچینج یا مرکزی اسٹ بولنے والوں کی تصویریں بھی دکھائی دیتی ہوں۔ یہی بات ہو سکتی ہے ورنہ وہ مشین جس متعلق تم بتاتے ہو کم از کم میری معلومات کے ذخیرے کے لئے تو ایک نئی ہی چیز ہے۔ اا بھی اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے نے نہ صرف تمہارا نام مخاطب کیا بلکہ میرا حوالہ بھی دیا تھا۔

"کچھ بھی ہو، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"پرواہ مت کرو۔" فریدی مسکرایا۔ "کبھی کبھی تمہاری غلطیاں بھی میرے لئے بہت ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اب تم اُس لڑکی ڈریلا سے ہوشیار رہنا۔"

"اگر وہ کبھی نظر آئی تب نا۔"

"ضرور نظر آئے گی۔ اس گروہ کا طریق کار نیا اور چونکا دینے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سربراہ حقیقتاً لومڑی ہو۔ ہو سکتا ہے شیر سے بھی زیادہ ثابت ہو۔ جیمس مارٹن والے آدمی بھی کہتا ہے کہ ڈریلا اپنی جگہ پر بدستور رہے گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو پھر آپ دیکھئے گا۔"

"جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ گروہ چاہتا کیا ہے۔"

"بہرحال یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔"

"ہاں.... آں....!"

کچھ دیر کے لئے پھر خاموشی ہو گئی۔

اب فریدی میز کے گوشے سے ٹک کر سگار سلگا رہا تھا۔

"لیکن آپ نے اُس آدمی کو پکڑنے کے لئے بلیک مارکیٹنگ کا کیس کیوں بنایا تھا۔" حمید نے پوچھا۔ "ویسے آپ اپنے مخصوص اجازت نامہ کو بھی کام میں لا سکتے تھے۔ اس کے تحت آپ کسی کو بھی گرفتاری کی وجہ بتائے بغیر حراست میں لے سکتے ہیں۔"

"میں فی الحال اس معاملے کو اتنا اہم نہیں سمجھتا کہ مخصوص اختیارات سے کام لوں۔"

"آچ.... چھا....!" حمید نے جلے ہوئے پایپ کی راکھ ایش ٹرے میں الٹ کر ایک طویل انگڑائی لی اور بولا۔ "اُس نامعلوم آدمی کا چیلنج....!"

"چھوڑو....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اُس نے شاید جاسوسی ناول بہت زیادہ پڑھے ہیں۔"

"خیر.... آپ اسے اس طرح ٹال رہے ہیں.... لیکن.... میں....!"

"تم بھی صبر کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"حمید نے کچھ کہنے کے لئے ٹھنڈی سانس بھری لیکن اس کا وار خالی گیا کیونکہ ٹھیک اسی وقت ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔"

"ہائیں....!" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں اور اُس نے وہ کارڈ فریدی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ڈریلا مورگن....!" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ نوکر جا چکا تھا۔ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "سچ مچ یہ لوگ کوئی جاسوسی ناول اسٹیج کر رہے ہیں۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ کم از کم پندرہ منٹ بعد تم ڈرائنگ روم میں آنا۔"

"ہائیں پندرہ منٹ بعد۔" حمید اپنی کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔ "پندرہ منٹ بعد وہاں باقی کیا بچے گا۔"

"شٹ اپ....!" فریدی اُسے کرسی میں دھکا دیتا ہوا بولا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈریلا ڈرائینگ روم میں حمید کی منتظر تھی۔ لیکن دروازے میں سے ایک ایسا آدمی نظر آیا جس سے آنکھیں ملانا کم از کم اُس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ اُس نے اس سے پہلے فریدی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"کیپٹن حمید ابھی آتے ہیں۔" فریدی ڈرائینگ روم میں داخل ہوتا ہوا آہستہ سے بولا اور ڈریلا بیساختہ کھڑی ہو گئی اُس کی یہ حرکت قطعی اضطراری تھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔

"میں فریدی ہوں۔ شائد آپ نے میرا نام سنا ہو۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں نے سنا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی کے ہاتھ میں ڈریلا کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے اُسے بڑی نرمی سے چھوڑ دیا۔

فریدی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"حمید بہت دلچسپ آدمی ہے۔ وہ اکثر مجھ سے آپ کا تذکرہ کرتا رہا ہے۔ تذکرہ نہیں بلکہ شاعری کہئے۔ لیکن وہ غلط نہیں کہتا تھا۔"

"ہاں وہ اکثر میرا مضحکہ بھی اڑاتا ہے۔" ڈریلا نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ کا مضحکہ....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"میں آج تک سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔"

"شادی کی درخواست تو نہیں کی اُس نے کبھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں.... وہ عجیب آدمی ہے۔" ڈریلا نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور اُس نے ایک بار بھی فریدی کے چہرے پر نظر ڈالنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"کیا آپ کو میرا یہاں بیٹھنا ناگوار ہے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... نہیں جناب۔"

"حمید میرا ایک محبوب ترین ساتھی ہے۔ اسی لئے مجھے اسکے دوستوں سے بھی محبت ہے۔"

ڈریلا نے اچٹتی نظر فریدی کے چہرے پر ڈالی اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ فریدی کہہ رہا

تھا۔ "لیکن آپ پہلی بار یہاں آئی ہیں۔ شاید آپ کی دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔"

"کیا حمید صاحب بہت مشغول ہیں۔" ڈریلا نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا جلدی میں ہوں۔"

"شاید دس منٹ اور بیٹھنا پڑے آپ کو۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... تب تو میں معافی چاہتی ہوں۔" ڈریلا اٹھتی ہوئی بولی۔ "آپ ان سے کہئے گا کہ آج شام چھ بجے میرے گھر ضرور آئیں۔"

"بہتر ہے۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "ویسے اگر آپ بیٹھتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔"

"پھر کبھی.... ضرور.... ملاقات ہوگی۔"

فریدی اُس کے ساتھ برآمدے تک آیا۔ پھر وہ پورچ میں اتر گئی۔ فریدی اسے جاتے دیکھتا رہا۔ حمید کہیں قریب ہی موجود تھا جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئی وہ فریدی کے قریب آگیا۔

"بہت خوبصورت....!" فریدی بڑبڑاتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔

"جی.... کیا آپ نے کچھ کہا ہے.... یا میرا واہمہ ہے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نہیں واقعی وہ بہت دلکش ہے۔"

"خدا میرے بال بچوں کی مغفرت کرے۔" حمید اپنا سر سہلانے لگا۔

"مگر وہ چلی گئی۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمید چند لمحے نیچے سے اوپر تک اسکا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں۔"

"خدا اب کے دن پھیرے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"خیر.... ہاں آج شام نیاگرا میں ڈنر ہے۔ مقامی تاجروں نے وزیر تجارت کو دعوت دی ہے۔ ہم دونوں بھی معززین شہر کی حیثیت سے مدعو کئے گئے ہیں۔"

"لیکن میں تو آج چھ بجے شام کو ڈریلا کے گھر جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"بکواس مت کرو یہ غیر ضروری کام کل بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہو! تو آپ بھی دعوتوں کو ضروری قرار دینے لگے ہیں۔ آج بڑی انہونی باتوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔"

"ہاں یہ دعوت کم از کم میرے لئے ضروری ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں وزیرِ تجارت
پبلک مقامات پر جانے ہی سے روک دیتا۔"

"کیا مصیبت ہے۔ بات ڈریلا سے وزیرِ تجارت پر پہنچ گئی۔"

"سنجیدگی سے.... ورنہ چانٹا ماردوں گا۔"

حمید خلاف توقع سنجیدہ نظر آنے لگا۔

اس وقت نئے وزیرِ تجارت کے خلاف بے تحاشہ سازشیں ہو رہی ہیں اور سابق و
تجارت کے مستعفی ہونے کے بعد جب سرکاری حلقوں نے موجودہ وزیرِ تجارت کی تقرری
امکانات پر روشنی ڈالی تھی تو اس کے ٹھیک دوسرے ہی دن ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا۔ تقر
کے بعد سیاسی جوڑ توڑ شروع ہو گئے۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وزیرِ تجارت پر دوبارہ حملہ ہو سکتا ہے۔"

"ہاں اس کے امکانات ہیں۔"

"میں آپ کے شبہے کی وجہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات تمہاری سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں
کے اقتصادی مسائل پر بحث کر سکوں۔ بس اتنا سمجھ لو.... مگر.... نہیں.... اسے بھی جانے
ایک موٹی سی بات! نئی تجارتی پالیسی کا ابھی سرکاری طور پر اعلان نہیں ہوا۔ لیکن کیا تم نئی تجا
پالیسی سے واقف نہیں ہو۔ آخر اعلان سے پہلے یہ بات پبلک میں کیسے آ گئی۔ اس کے قبل از و
انکشاف کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔ پالیسی بدلنے سے رہی۔
دنوں بعد اس پالیسی کا اعلان سرکاری طور پر بھی ہو جائے گا۔ اس پالیسی کی بناء پر کابینہ میں پھ
بھی پڑ گئی ہے لیکن وزیرِ تجارت کی پشت پناہی ایک بہت ہی مضبوط پارٹی کر رہی ہے اور یہ پالیسی
کے اشارے پر مرتب کی گئی ہے۔ پالیسی چونکہ متنازعہ ہے اس لئے اگر وزیرِ تجارت کا وجود در
سے ہٹ جائے تو وہ پالیسی سرکاری حیثیت کبھی نہ حاصل کر سکے گی۔ ملک کے چند بڑے سر
داروں کا خیال ہے کہ یہ پالیسی ان کا کفن ثابت ہو گی۔ ویسے وزیرِ تجارت نے اپنے ایک بیان م
تھا کہ وہ پالیسی ہر ایک کیلئے مفید ثابت ہو گی اور اس سے ملک کا اقتصادی نظام سدھر جائے گا۔"

"کیا حقیقتاً اس پالیسی سے سرمایہ داروں کو نقصان پہنچے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے اس سے سروکار نہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "کیا وزیرِ تجارت اس خطرے سے آگاہ نہ ہوں گے۔"

"مجھے اس سے بھی بحث نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں
س لئے میں دیکھوں گا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیا محکمے کی طرف سے بھی آپ کو اس کے لئے کوئی ہدایت ملی ہے۔"

"نہیں.... نیاگرا ہوٹل میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں گا۔ ویسے میں نے اس بات کا انتظام کیا ہے
ہ میری کرسی ٹھیک وزیرِ تجارت کے سامنے رہے۔ اُسی میز پر۔"

"معاف کیجئے گا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "آخر آپ خدائی فوجدار کیوں بنتے جا رہے ہیں۔
ضرورت ہو یا نہ ہو.... اپنی ٹانگ ضرور اڑائیں گے۔"

"برخوردار.... آخر اس مخصوص اجازت نامے کا مقصد کیا ہے۔ کیا وہ مجھے اس لئے ملا ہے
ہ اسے فریم کرا کر ڈرائینگ روم کی کسی دیوار کی زینت بڑھاؤں۔"

"آپ نے اپنی زندگی خود ہی تلخ کر لی ہے۔"

"اپنی زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا لیکن فریدی کا پروگرام
ل تھا۔ حمید نیاگرا ہوٹل کی بجائے ڈریلا کے گھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مضمحل انداز میں قدم
ٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

✿

نیاگرا ہوٹل کی رونق آج پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

ڈنر کے بعد وزیرِ خزانہ سے ایک مختصر سی تقریر کی استدعا کی گئی۔ اگر استدعا نہ کی جاتی تب
بھی وہ تقریر ضرور کرتے کیونکہ تقریر تو ایک ہفتہ قبل ہی تیار کر لی گئی تھی۔ شعراء اور رہنمایان
قوم کی دعوتیں خالی از علت نہیں ہوتیں چونکہ دونوں ہی کی نظریں دور رس ہوتی ہیں لہٰذا دعوت
کا مقصد اُن سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

شاعر ایسے مواقع پر ہمیشہ مساوات کے گیت گاتا ہے اور رہنمائے قوم پر مساوات کا دورہ پڑتا
ہے۔ وہ عام آدمیوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

نیاگرا ہوٹل میں بھی دعوت کے بعد مراتب و درجات کی تمیز اڑ گئی۔ "عوامی" بننے کی کوشش میں وزیر تجارت "گھریلو" بن گئے۔ کسی نے انہیں ایک بڑی میز پر چڑھا دیا اور حاضر کرسیاں چھوڑ کر اُس میز کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

وزیرِ تجارت تقریر کرتے رہے۔ نیاگرا کا ڈائیننگ ہال شور تحسین سے گونجتا رہا۔

پھر اچانک ایک عجیب بات ہوئی۔ کسی نے وزیرِ تجارت کو میز سے دھکیل دیا۔

وہ نیچے فرش پر گرے اور ساتھ ہی دو چیخیں ہال میں گونج کر رہ گئیں۔ ان میں سے ایک بڑی کربناک تھی۔

"زینے.....!" کسی نے چیخ کر کہا "اوپری گیلریوں کے زینے۔ حمید..... رمیش..... ساجد

وزیرِ تجارت کو کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا لیکن اُس کی کسی نے خبر نہ لی جو قریب ہی فرش پڑا تڑپ رہا تھا۔ ایک آدمی جس کی گردن میں بڑا سا خنجر پیوست تھا۔ وہ تو اُس کی دوسری آخری چیخ تھی جس نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

وزیرِ تجارت بخیریت تھے۔

❋

حمید نے بھی فضا میں تیرتے ہوئے خنجر کی چمک دیکھی تھی پھر اس نے چیخوں کے ساتھ ہی فریدی کی آواز بھی سنی اور بے تحاشا زینوں کی طرف لپکا۔ یہ اوپر گیلری کے زینے تھے۔

وہ تیزی سے اوپر چڑھتا چلا گیا اور اوپر پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ گیلری کی روشنی ابھی کسی نے بجھائی ہے۔

وہ بہت احتیاط سے پھر زینوں کی طرف ہٹنے لگا۔ آگے بڑھنے میں دھوکا کھانے کا بھی خدشہ تھا کیونکہ پوری گیلری تاریک پڑی تھی۔

نیچے سے ابھرنے والا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس نے زینوں پر بہت سے قدموں کی آواز سنیں۔ غالباً لوگ اوپر آ رہے تھے۔ اچانک کوئی حمید سے ٹکرایا۔ ساتھ ہی اُسے ایسا محسوس ہوا اس کی داہنی کنپٹی پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ سر اس چکرایا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔

پھر اُسے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

اُس کی نیند آنکھوں میں کسی قسم کی تکلیف کی وجہ سے اچٹ گئی۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اور سورج آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

یادداشت واپس آنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔

سب سے پہلے اس کی نظر نیاگرا کے منیجر پر پڑی۔ جو قریب ہی ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا۔

حمید کو اٹھتے دیکھ کر وہ اخبار پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"کپتان صاحب! آپ آرام کیجئے۔ ڈاکٹر کا یہی مشورہ ہے۔" اُس نے کہا۔

"تو کیا میں ابھی نیاگرا ہی میں ہوں۔"

"جی ہاں! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے حادثے کے متعلق بتائیے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"حادثہ..... میرے خدا..... اب تک میرا ریشہ ریشہ کانپ رہا ہے۔ آپ اوپری گیلری میں بیہوش پائے گئے تھے۔ کرنل صاحب نہ ہوتے تو وہ خنجر آنریبل منسٹر ہی کے سینے میں پیوست ہوتا۔ پھر بھی..... آپ خود سوچئے کہ اس سے ہوٹل کا ریپوٹیشن کتنا خراب ہوا۔"

"وزیرِ تجارت بچ گئے نا۔"

"مگر محکمہ صنعت و تجارت کے ڈپٹی سیکریٹری..... وہ خنجر اُن کی گردن میں لگا اور وہ بیچارے اسی وقت ختم ہو گئے۔ خنجر غالباً زہریلا تھا۔ فریدی صاحب اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ پھر بھی اُن کی پھرتی کی داد دینی ہی پڑے گی۔ آنریبل منسٹر کے سر میں کافی چوٹ آئی ہے لیکن پھر بھی وہ کرنل کے بہت زیادہ شکر گذار ہیں۔ ظاہر ہے زندگی کے مقابلے میں سر کی چوٹ کیا اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ.....!"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور منیجر یہ کہتا ہوا میز کی طرف لپکا۔ "غالباً کرنل ہی ہوں گے۔ ہر دس منٹ پر آپ کے لئے فون کر رہے ہیں۔"

وہ ریسیور اٹھا کر "ہاں..... ہاں" کرتا رہا پھر مڑ کر حمید سے بولا۔ "کرنل صاحب۔"

حمید نے اٹھ کر ریسیور اُس سے لے لیا۔

"ہیلو.....!"

"حمید.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم بالکل ٹھیک ہو نا۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اچھا تو فوراً آجاؤ.... اپنے متعلق کسی سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیڈی وہیں ہوٹل کے گیراج میں ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو پہنچ جاؤ۔"

"میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔" منیجر بولا۔ "آپ بیہوش تھے۔ یہ معمہ سمجھ میں نہ آیا۔"

"میں کہاں بیہوش تھا۔"

"اوپر.... گیلری میں.... اسی حصے میں جہاں سے خنجر پھینکا گیا تھا۔"

"آج.... چھا.... خیر یہ واقعہ بھی کل کے اخبار میں آجائے گا۔ اچھا.... شکریہ۔ گیراج سے گاڑی نکلوا دیجئے۔"

نیا سیکریٹری

فریدی گھر ہی پر موجود تھا اور اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پچھلی رات پل بھر کے لئے بھی نہیں سویا۔

قبل اس کے کہ وہ حمید سے کچھ پوچھتا حمید ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

"تو وہ اُس وقت بھی گیلری ہی میں موجود تھا۔" فریدی نے ختم ہوتے ہوئے سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "دراصل غلطی مجھ ہی سے ہوئی تھی۔ میں بھیڑ کو کنٹرول نہ کر سکا۔ لوگ بے تحاشا گیلری میں پہنچ گئے اور مجرم کو اس بھیڑ میں گم ہو جانے کا موقع مل گیا۔"

"کیا آپ نے اسے خنجر پھینکتے دیکھ لیا تھا۔"

"ظاہر ہے.... ورنہ ڈپٹی سیکریٹری کی بجائے وزیر تجارت ہی رخصت ہو گئے ہوتے۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "آپ سراغ رساں نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے بزرگ معلوم ہوتے ہیں یا پھر اَب ہم لوگ کسی جاسوسی ناول ہی کے کردار ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ارے جناب آپ کو پہلے ہی سے الہام ہو گیا تھا کہ وزیرِ تجارت پر حملہ ضرور ہو گا اور آپ کچھ اس طرح سے انتظام میں منہمک تھے جیسے اگر حملہ ہوا بھی تو آپ اسے ناکام بنا دیں گے اور وہی ہوا بھی۔"

"ہاں معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اگر واقعات کا تجزیہ نہ کیا جائے تو دنیا کا ہر واقعہ معجزہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ حملے کے امکانات پر پہلے ہی روشنی ڈال چکا ہوں۔ اسباب بھی بتائے تھے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ حملہ ہو ہی جائے گا اور پھر مجھے خنجر کی توقع تو تھی ہی نہیں.... ایسے مواقع پر عموماً زہر ہی استعمال کیا جاتا ہے اس کیلئے میں نے یقیناً کافی انتظامات کئے تھے اور کوئی بھی چیز طبی معائنے کے بغیر وزیرِ تجارت کے سامنے نہیں گئی۔ دوسرا امکان ریوالور کا ہو سکتا تھا۔ اس کیلئے بھی میں سب کچھ کر گذرا تلاشی لئے بغیر کسی کو بھی اندر نہیں جانے دیا تھا۔ بہتیرے تو اس پر بگڑ کر واپس ہی چلے گئے تھے۔ حمید صاحب اگر واقعی حملہ نہ ہوا ہوتا تو آج صبح کے اخبارات محکمہ سراغرسانی پر اس بُری طرح برستے کہ مزا ہی آجاتا۔ کل میں نے بڑے بڑے آدمیوں کی جیبیں ٹٹولی ہیں لیکن پھر بھی خنجر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ ہی گیا۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی سے کہیں چھپا دیا گیا ہو۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" حمید بولا۔ "مگر سوال تو یہ ہے کہ ہر طرح مطمئن ہو جانیکے بعد بھی آپ نے کسطرح حملہ آور کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ مطمئن ہو جانے کے بعد نفسیاتی نکتہ نظر سے....!"

"میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نفسیاتی ہی نکتہ نظر سے ایسے مواقع پر مطمئن ہو جانے کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ پھینکے ہوئے خنجر کی زد سے انہیں کیسے بچا لیا گیا۔"

"جی ہاں.... میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک معمولی سی مضحکہ خیز بات ہے۔ آنریبل منسٹر شروع میں بہت زیادہ سنجیدہ رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اُن کا رویہ کچھ عوامی سا ہوتا گیا اور پھر ان کی سپورٹسمین اسپرٹ بالکل ہی بیدار ہو گئی اور وہ تقریر کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ میز پر چڑھنے کی ترغیب دینے والی ایک عورت تھی میں نے شروع ہی سے اسے منسٹر صاحب کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ مضطرب سی ہے کسی سے گفتگو کرتے وقت بھی اس کے چہرے سے ذہنی پراگندگی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ آنکھوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ مخاطب کی طرف متوجہ ہونے کے

باوجود بھی کوئی غیر متعلق بات سوچ رہی ہے جیسے ہی وزیر موصوف نے تقریر کرنے پر آمادگی ظاہر کی وہ پہلے سے زیادہ بے چین نظر آنے لگی لیکن پھر بھی وہ کافی گھل مل کر آنریبل منسٹر سے گفتگو کر رہی تھی.... اور پھر اس نے انہیں میز پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے کا مشورہ دیا۔ وزیر موصوف کے عوامی جذبات اچھی طرح بیدار ہو گئے تھے اور غالباً وہ سچ مچ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ وہ اپنے خاندان کے افراد کے درمیان موجود ہیں اس لئے بے تکلفانہ ماحول پیدا کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ عورت ان کے قریب ہی قریب رہی۔ حالانکہ وہ میز کے نیچے تھی لیکن میز ہی پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی اور اس کی نظریں بار بار اوپری گیلری کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کسی بات کا انتظار ہے۔ کبھی کبھی وہ کنکھیوں سے وزیر موصوف کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ وہ تقریر کر رہے تھے لیکن اس عورت کی بے چین آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سن رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ میری دلچسپی کافی بڑھ گئی ہو گی۔ پھر نہ صرف وہ عورت بلکہ اوپری گیلری بھی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے دبیز پردے کے پیچھے کسی چیز کی چمک دیکھی پردے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا.... اور میں نے آنریبل منسٹر کو میز سے دھکیل دیا۔"

"وہ عورت کون تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"زوبی....!"

"زوبی....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "سر جمشید کی بہن.... وہ تو ایک بہت مشہور سیاسی لیڈر بھی ہے۔"

"وہی.... اور ایک بڑے پاگل کی بیوی بھی۔"

"پاگل کی بیوی.... کیا مطلب....!"

"مطلب بہت جلد واضح ہو جائے گا۔ تمہیں زوبی سے بہت قریب رہنا ہے۔"

"ہے تو اچھی خاصی! مگر نہیں! سیاست سے دلچسپی لینے والی عورتیں عموماً بور ہی ثابت ہوتی ہیں۔"

"اور تم بعض اوقات ان پر بھی سبقت لے جاتے ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کچھ دیر خاموش رہی پھر فریدی بولا۔ "جہاں تم بیہوش پائے گئے تھے وہاں ایک جوڑا سفید دستانے بھی ملے ہیں اور سب سے زیادہ دلچسپ چیز ایک پرس جس میں سو سو کے تین نوٹوں کے

علاوہ پانچ سنہرے سکے بھی موجود ہیں۔"

"سنہرے سکے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں دہرایا۔

"سنہرے سکے۔ غالباً حملہ آور بہت ہی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے فرار ہوا ہے اور یہ سنہرے سکے.... یہ کسی انتہائی خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"اور جس کا سربراہ آپ کو کھلے ہوئے الفاظ میں چیلنج کر چکا ہے۔" حمید بولا۔

"میری حقیقت ہی کیا ہے۔ پچھلی رات کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا چیلنج حکومت کیلئے ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ وہ کوئی ایسا مجرم ہے جو اپنی حرکات میں ڈرامائی انداز پیدا کر کے پولیس کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے مگر اب.... مجھے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔"

"خنجر کے دستے پر نشانات بھی نہیں ملے۔"

"قطعی احمقانہ سوال ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس قسم کے مجمعے میں کسی پر حملہ کرنے والے اناڑی نہیں ہوا کرتے اور تمہاری معلومات میں اضافہ کے لئے یہ بھی کہتا چلوں کہ خنجر دستے سے پکڑ کر نہیں پھینکے جاتے۔"

"خیر.... لیکن اب آپ کیا کریں گے۔"

"فی الحال تمہارے دماغ کا علاج کرنا ہے میں نے پچھلی رات محض زینوں کی نگرانی کے لئے کہا تھا۔ تم آخر اوپر کیوں دوڑے گئے تھے۔"

"صرف اس لئے کہ صبح تک بیہوش رہنا چاہتا تھا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ورنہ آپ رات بھر مجھے بور کرتے رہتے۔"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "تم.... تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو جاؤ اور میں آج ہی تمہیں یہ سزا دینے والا ہوں۔ تم کچھ دنوں تک سر فیروز کے پرائیویٹ سیکریٹری کے فرائض انجام دو گے۔"

"کیا مطلب! کون سر فیروز.... وہی زوبی کا شوہر نا۔"

"ہاں وہی....!"

"لیکن آپ نے ابھی اُسے ایک پاگل کی بیوی کہا تھا۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ ایسا پاگل نہیں ہے کہ تمہارا منہ نوچنے کی کوشش کرے۔"

"اور پرائیویٹ سیکریٹری.... میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"تقریباً ایک ہفتے سے اس کی طرف سے اخبارات میں پرائیویٹ سیکریٹری کے لئے اشتہار شائع ہو رہا ہے۔"

"ابھی تک اسے کوئی آدمی نہیں ملا۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً یہ تمہارے لئے حیرت کی بات ہوگی۔ لیکن اُس کے پاس کوئی بھی تین دن سے زیادہ نہیں ٹکتا۔"

"کیوں....؟" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"وہ خبطی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے لوگ اس طرح نہیں رہتے اور بس اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں۔ اس کے پاس ابھی تک ڈاکٹر زیتو[1] جیسی شخصیت کا کوئی آدمی نہیں پہنچا۔ مجھے توقع ہے کہ وہ تمہارے لئے بہترین قسم کی تفریح مہیا کرے گا۔"

"ایسی بات.... آچھا.... زوبی بھی ہے۔ خیر میں تیار ہوں۔"

"مگر ایک بات سوچ لو۔ میں یہ نہ سنوں کہ اس نے تمہیں تین دن ہی بعد نکال دیا۔ تمہیں ہر حال میں وہاں اس وقت تک ٹھہرنا پڑے گا جب تک میں چاہوں۔ مقصد زوبی کی نگرانی اور اس کے ملنے والوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانا ہے۔"

"مگر اتنا تو آپ مجھے بتا ہی دیں گے کہ لوگ کس بناء پر وہاں نہیں ٹھہرتے۔"

"سرفیروز کا خبط۔ تم نے محض اس کا نام ہی سنا ہے یا کبھی دیکھا بھی ہے۔"

"نہیں دیکھا تو نہیں ہے۔"

"نہ دیکھا ہوگا۔ بہر حال میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ نیم دیوانہ ہے۔ لیکن بے ضرر صرف دماغ چاٹتا ہے۔"

"فکر نہیں! میں تیار ہوں۔"

"مگر اصل مقصد سے لاپرواہ نہیں ہوگے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

"اچھا.... اشتہار میں ملنے کا وقت تین سے چھ بجے تک دیا گیا ہے۔ تم آج ہی جاؤ گے۔ ا

[1] ڈاکٹر زیتو کی دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "چیختے دریچے" جلد نمبر 11 ملاحظہ کیجئے۔

میں کوتاہی نہ ہو اور وہاں.... میک اپ ضروری ہے حالانکہ میں خود بھی اس عطائی پن کو بیسویں صدی کے شایانِ شان نہیں سمجھتا مگر کیا کیا جائے۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اسکے بغیر کام نہیں چلے گا۔ ہم لوگ اب یہاں والوں کیلئے اجنبی نہیں رہے۔ مجھے سرکاری تقریبات نے برباد کیا اور تمہیں عورتوں نے.... ورنہ ہمارے پیشے کے لئے گمنام ہی قسم کی زندگی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔"

"میک اپ کی فکر نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہی پلاسٹک میک اپ ہونا چاہئے تاکہ مجھے روز روز محنت نہ کرنی پڑے اور ہاں... ایک استدعا اور ہے میک اپ میں کشش ضرور ہونا چاہئے۔"

"کیوں.... نہیں یہ ضروری نہیں۔"

"ضروری ہے جناب۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اُس ساعت پر جب کوئی لڑکی مجھے ایک بار دیکھ کر دوسری بار نہ دیکھے۔ خدارا مجھ سے میری یہ مسرت نہ چھینئے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم ایک گھنٹے بعد تجربہ گاہ میں آجانا۔" فریدی نے کہتے ہوئے اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

❀

سرفیروز کی عالی شان کوٹھی کے ایک کمرے میں تین نوجوان لڑکیاں مغموم بیٹھی تھیں۔

"میں تو اب خودکشی کرلوں گی۔" اُن میں سے ایک نے یک بیک کہا۔

"پھر ہم دو ہی رہ جائیں گی۔" دوسری ٹھنڈی سانس لے کر بولی اور تیسری بیساختہ ہنس پڑی۔ پھر وہ بھی سنجیدہ ہو کر دعا مانگنے کے سے انداز میں بولی۔ "اے پروردگار بھیج کسی کو۔ ایسے کو بھیج جو کم از کم ایک ہفتہ تو چل سکے۔"

"آمین....!" بقیہ دو لڑکیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ورنہ....!" تیسری بڑبڑائی۔ "ٹھیک تین بجے سے چھ بجے تک میرے خدا میں بور ہو کر مر جاؤں گی۔ ارے خدا کے لئے تم دونوں میں سے کوئی آج میرے بدلے چلی جائے میں آج یونہی بور ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ متواتر دو دن تک اس کے عوض جاتی رہوں گی۔"

"نہیں.... یہ ناممکن ہے۔" دونوں نے کہا۔

"اچھا....!" تیسری نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

اتنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک آیا ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ شائد وہ دوڑ کر یہاں تک آیا تھا۔

"کون....!" ایک نے پوچھا۔

"سیکریٹری....!"

"ویری گڈ....!" تیسری اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"لاؤ.... اُسے یہیں لاؤ۔" ایک بولی۔ "سب کچھ سمجھا دیں۔ کاش یہ تین ہی دن رک جائے!"

نوکر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نوجوان کے ساتھ پھر واپس آیا۔ لڑکیوں نے اجنبی تنقیدی نظریں ڈالیں۔ یہ پچیس سال سے زیادہ نہ ہوگا۔ چہرہ دلکش لیکن آنکھیں کچھ کھوئی کھوئی تھیں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ آنکھوں پر موٹے فریم اور دبیز شیشوں عینک تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس نے عینک اتار کر شیشے صاف کئے پھر ا دوبارہ ناک پر جما کر لڑکیوں کو باری باری سے گھورنے لگا۔

"آپ حضرات میں سے سرفیروز کون صاحب ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"سرفیروز....!" ایک لڑکی مسکرائی۔ "ہم میں سے.... کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ لڑکیاں ہیں۔"

"میں لڑکیوں کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا پسند نہیں کروں گا۔ سمجھے۔" وہ نوکر کو گھونسہ دکھا کر بولا

"چلے گا....!" ایک لڑکی گہری سانس لے کر آہستہ سے بولی۔

"تشریف رکھئے۔ سرفیروز سے پندرہ منٹ بعد ملاقات ہو سکے گی۔"

"تشریف....!" اجنبی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔"

"مگر اشتہار میں تشریف کے متعلق کچھ نہیں تھا اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تشریف کہتے ہیں۔"

"مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جائیے۔ کیا آپ کو اردو نہیں آتی۔"

"کیا میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہا ہوں۔" اجنبی جھلا گیا۔

"چلے گا۔ سو فیصدی چلے گا۔" ایک نے جھک کر دوسری کے کان میں کہا۔ "خدا کی قسم آجائے گا۔ اس گھر میں ہر وقت قہقہے گونجیں گے۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اجنبی نے تیسری لڑکی کو للکارا۔

"تشریف رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جائیے۔" اُس نے جواب دیا۔

"ایسی بات کس کام کی جس کا مطلب سمجھانا پڑے۔ لاحول ولا قوۃ.... تشریف رکھئے۔ گویا آدمی نہ ہوا.... آٹے کا بورا ہوا۔"

"سبھی بولتے ہیں۔"

"کتے بھی تو بھونکتے ہیں۔ آپ بھی بھونکئے۔" اجنبی جھنجھلا گیا۔ "کیا سرفیروز بھی اسی قسم کی بے تکی گفتگو کے عادی ہیں۔"

"نہیں وہ آپ سے زیادہ فلسفی ہیں۔" ایک لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے انٹرویو کے دوران ہی میں واک آؤٹ کر جانا پڑتا۔"

"ارے تم کیا دیکھتے ہو۔" ایک لڑکی نے نوکر سے کہا۔ "چائے لاؤ۔"

"نہیں شکریہ۔" اجنبی بولا۔ "میں ابھی پرسوں ہی چائے پی چکا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" لڑکی اپنی ساتھیوں کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی۔

"مجھ سے پوچھئے۔" اجنبی گرج کر بولا۔ "کیا آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔"

"نہیں جناب قطعی نہیں۔ ہم لوگ بھی ہفتے میں صرف ایک بار چائے پیتے ہیں۔ ویسے ہم نے سمجھا شاید آپ روزانہ پیتے ہوں۔"

"جب مجھے غصہ آتا ہے تو دن میں کئی بار چائے پیتا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" اُس لڑکی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"بات یہ ہوئی کہ جب مجھے غصہ آئے گا تو وہ باورچی ہی پر اترے گا۔ سمجھیں آپ۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس طرح باورچی کو سزا دیتا ہوں۔"

"شادی ہو گئی ہے آپ کی۔" ایک نے پوچھا۔

"میں کیوں بتاؤں کہ نہیں ہوئی۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ آپ کو ذاتیات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"واہ وا.... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ آ گیا مجھے غصہ۔" اجنبی نوکر کی طرف جھلا کر پلٹا۔

"ابے کیا دیکھتا ہے چائے لا۔"

نوکر بھی ہنس پڑا۔

"چائے....!" اجنبی پھر دہاڑا۔ نوکر بدستور ہنستا رہا.... اور اجنبی نے "چائے لا، چائے لا" کی گردان کرتے ہوئے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

خبطی بوڑھا

لڑکیوں کے قہقہے، اجنبی کی چیخم دہاڑ۔ خدا کی پناہ۔ ذرا سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہاں چوپایوں کے ریوڑ گھس آئے ہوں۔

"سر فیروز.... سر فیروز....!" اجنبی حلق پھاڑ کر چیخا اور لڑکیاں یک بیک خاموش ہو گئیں اور نوکر تو کھسک ہی گیا۔

"کہاں ہیں سر فیروز.... میں اُن سے تم لوگوں کی شکایت کروں گا۔" اجنبی نے گرج کر کہا۔

"میں یہاں ہوں۔" کسی نے پشت سے کہا اور اجنبی یکلخت آواز کی طرف مڑا۔

دروازے میں ایک پستہ قد اور گٹھیلے جسم والا بوڑھا کھڑا تھا اور وہ اس طرح اپنی پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کافی دیر تک اندھیرے میں رہنے کے بعد یک بیک روشنی میں آ گیا ہو۔

اس کی پیشانی کافی کشادہ تھی اور مونچھوں کے سفید بال کمانوں کی طرح نچلے ہونٹ پر جھکے ہوئے تھے۔

"آپ سر فیروز ہیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"ہاں.... ہاں.... میں سر فیروز ہوں۔ اگر سر فیروز نہ ہوتا تو اس عمارت میں کیسے ہوتا۔ یہ سر فیروز کی کوٹھی ہے۔"

"آچ.... چھا! تو گویا یہاں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ سر فیروز ہیں۔ یہاں جو بھی پایا جائے وہ سر فیروز ہی ہوگا۔ یہ لڑکیاں سر فیروز ہیں۔ میں سر فیروز ہوں، آپ سر فیروز ہیں اور .... وہ کہاں گیا.... نوکر.... وہ بھی.... یعنی کہ....!"

"آپ کون ہیں۔" سر فیروز نے پوچھا۔

"آپ کے بیان کے مطابق میں سر فیروز ہوں۔ ورنہ یہاں کیوں پایا جاتا۔" اجنبی نے ائی سے کہا۔

"آپ کی تعریف....!" سر فیروز نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اوہ.... چچا جان۔" ایک لڑکی بولی۔ "یہ سیکریٹری ہیں۔ نئے سیکریٹری ہم نے انہیں منتخب ا ہے۔"

"سیکریٹری۔" سر فیروز مسرت آمیز لہجے میں چیخا اور اجنبی کی طرف اس طرح جھپٹا جیسے دنوں بعد کوئی بچھڑا ہوا دوست ملا ہو۔ وہ اجنبی سے بغل گیر ہو گیا، اور پھر اچانک کمرے میں عجیب قسم کی آواز گونجی۔ اجنبی سر فیروز کے شانے پر سر رکھے بلک بلک کر رو رہا تھا۔

"ہائیں.... ارے.... ارے.... بھئی۔ سر فیروز بوکھلا کر اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔ لڑکیاں ہکا دنوں کو گھور رہی تھیں۔

"بس کرو.... بھائی.... بس میاں! ارے.... ارے.... تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

"حلق میں کل سے تکلیف ہے.... ہینہ.... ہینہ....!" اجنبی ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ "کوئی دوا م نہیں کرتی۔"

"ہائیں.... یہ بات ہے۔" سر فیروز زور سے بولا۔ "زوبی.... زوبی.... تم کہاں ہو۔"

"چچی موجود نہیں ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"ارے تم تو موجود ہو۔ فون کرو نا ڈاکٹر کو۔ سیکریٹری کے حلق میں درد ہے۔ فوراً آئیے۔"

لڑکیاں حیرت سے ایک دوسری کو گھورتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز اجنبی کو چمکارتا ہوا ایک صوفے کی طرف لے گیا اور پھر ے بٹھا کر خود صوفے کے ہتھے پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے حلق کے درد کا مریض نقاہت کا بھی ار ہو اور اُسے کسی کے بازوؤں کے سہارے کی ضرورت ہو۔"

سر فیروز اُسے داہنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے بائیں ہاتھ سے اس کا سر سہلا رہا تھا۔

لڑکیاں پھر واپس آ گئیں۔

"کر دیا فون....!" سر فیروز نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" جواب ملا۔

اجنبی نے رونا بند کر دیا تھا۔ مگر اُسکی ناک سے اب بھی عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں
"دیکھو....!" سرفیروز صوفے کے ہتھے سے اٹھتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر کے آنے تک سیکریٹری
خیال رکھنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"ضرور.... ضرور.... ہم خیال رکھیں گے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

سرفیروز کمرے سے چلا گیا۔

لڑکیاں چند لمحے آپس میں اشارے کرتی رہیں پھر ایک سیکریٹری کی طرف بڑھی۔

"سیکریٹری صاحب! آپ کی تعلیم کہاں تک ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"یہاں سے ہمالیہ پہاڑ تک۔"

"یعنی....!"

"کیا آپ مجھے جاہل سمجھتی ہیں۔ میں آئس کریم کا اسپیشلسٹ ہوں۔ سمجھیں محترمہ۔"

"سمجھ گئی۔" لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں.... اوہ ٹھیک! سمجھ
سردیوں میں آئس کریم نہیں چلتی۔"

"کن لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔" سیکریٹری اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "بھلا آئس کر
کیسے چلے گی کیا وہ کوئی جاندار چیز ہے۔"

"آپ رونے کیوں لگے تھے۔" دوسری لڑکی نے پوچھا۔

"کون میں۔" سیکریٹری بگڑ کر بولا۔ "کہیں آپ گھاس تو نہیں کھا گئی ہیں۔"

"سیکریٹری! تم بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" تیسری کو غصہ آ گیا۔

"میں سرفیروز کا سیکریٹری ہوں تمہارا نہیں۔"

"اگر میں چاہوں تو تم یہاں سیکریٹری نہیں ہو سکتے۔"

"ضرور چاہو۔ ہمیشہ چاہتی رہو۔ مجھے پرواہ نہیں۔"

اتنے میں نوکر نے ڈاکٹر کی آمد کی اطلاع دی۔

ڈاکٹر اور سرفیروز کمرے میں داخل ہوئے۔

سرفیروز ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں.... آں.... بلایا تو تھا مگر یاد نہیں آ رہا ہے کہ کس
لئے بلایا تھا۔"

"حلق میں درد....!" وہ لڑکی سیکریٹری کی طرف دیکھ کر بولی جس سے کچھ دیر قبل اس کی
جھڑپ ہو چکی تھی۔

"جی ہاں۔ ان کے حلق میں درد ہے۔" سیکریٹری نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... ہاں.... ڈاکٹر۔" سرفیروز سر ہلا کر بولا۔ "اف فوہ.... بیٹی۔ مجھے افسوس ہے کہ
ڈاکٹر کے آنے میں دیر ہوئی۔ ڈاکٹر ذرا اسے دیکھو تو.... پچھلی رات یہ روتی اور چیختی رہی تھی۔"

"ہاں.... اچھا....!" ڈاکٹر نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر لڑکی سے بولا۔

"کیا صرف تھوک نگلنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے یا ویسے بھی درد معلوم ہوتا ہے۔"

"ویسے بھی معلوم ہوتا ہے۔" سیکریٹری نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر لڑکی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سرفیروز بولا۔

"ارے ان کے حلق میں درد ہے۔" لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"شرارت نہیں لڑکی۔" سرفیروز آنکھیں نکال کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"میں اچھی بھلی ہوں چچا جان۔"

"پھر وہی بکواس۔ بیٹھ جاؤ۔" سرفیروز نے جھنجھلا کر کہا۔

"بیٹھ جایئے نا۔" سیکریٹری نے ٹکڑا لگایا۔ "بزرگوں کی بات ٹالنا بدنصیبی کی علامت ہے۔"

لڑکی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بیٹھ گئی۔ دوسری لڑکیاں منہ دبائے ہنس رہی تھیں۔

"منہ کھولئے۔" ڈاکٹر نے لڑکی کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔ "اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹی
سی ٹارچ تھی جسے وہ اُس کے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔"

"چلو منہ کھولو جلدی....!" سرفیروز گرجا۔

لڑکی نے منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ٹارچ روشن کر کے کچھ دیکھتا رہا۔ پھر تشویش آمیز انداز میں سر
ہلا کر الگ ہو گیا۔

"کیا رات بھر روتی چیختی رہی ہیں۔" اُس نے سرفیروز سے پوچھا۔

"ہاں.... ڈاکٹر....!"

"تب تو میرا خیال ہے کہ حلق میں پھوڑا بن رہا ہے۔"

"میں کہتی ہوں.... کیا بے تکی....!"

"تم چپ رہو۔" سرفیروز گرجا۔ "یقیناً پھوڑا بن رہا ہے۔ انتہائی خطرناک ڈاکٹر فوراً کوئی تدبیر ہونی چاہئے۔"

"فی الحال تھروٹ پینٹ لگا کر دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر اپنے بیگ سے کسی دھات کی سلائی نکال کر اس کے سر پر روئی لپیٹتا ہوا بولا۔

"میں کہتی ہوں۔"

"پھر وہی بکواس.... خاموش رہو۔" سرفیروز نے پھر اُسے ڈانٹ دیا۔

ڈاکٹر روئی کی پھریری تھروٹ پینٹ میں ڈبو کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"منہ کھولئے۔"

لڑکی نے منہ کھول دیا اور تھروٹ پینٹ کی پھریری اُس کے حلق میں اترتی چلی گئی۔ اُسے اوبکائی آگئی اور ڈاکٹر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی اسے دھکا دیتی ہوئی اٹھ کر بھاگی۔

"میں عاجز آگیا ہوں ان لڑکیوں سے۔" سرفیروز نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ دونوں بھی کچھ بیمار سی نظر آ رہی ہیں۔" سیکریٹری نے لقمہ دیا۔

"جہنم میں جائیں۔" سرفیروز بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لیکن تم کون ہو۔"

"اوہو.... میں تو آپ کا سیکریٹری ہوں۔"

"تو یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔ میرے ساتھ آؤ.... اور ڈاکٹر اس کے لئے تم مناسب سمجھو کرو۔ یہ لڑکیاں میرے بس سے باہر ہوگئی ہیں۔"

وہ سیکریٹری کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی وضع بھی انوکھی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کسی کمہار کی دوکان ہو۔ ہر طرف مٹی کے کھلونوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میز پر کھلونے۔ صوفوں پر کھلونے۔ فرش پر کھلونے۔ الماریوں میں کھلونے اور یہ سب مٹی کے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" سرفیروز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری نے مٹی کے کھلونے ایک طرف کھسکا دیئے اور بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج مو[سم]

خوشگوار ہے۔"

"ڈکٹیشن....!" سرفیروز نے میز پر رکھے ہوئے کاغذ قلم اور دوات کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری کاغذ اور پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

"لکھو.... گنگاوتی کو بعد سلام شوق معلوم ہو کہ میں کھلونوں کی دیکھ بھال اچھی طرح کر رہا ہوں۔ کیا لکھا.... ہاں ٹھیک ہے.... آگے لکھو.... میں اب اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ آؤ اپنی دوکان سنبھالو.... کیا لکھا.... ہاں.... ٹھیک ہے.... بس کرو.... اتنا کافی ہے۔"

سرفیروز خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر بڑبڑانے لگا۔ "دو دو آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے.... چار چر آنے.... دو دو آنے چار چر آنے۔"

سیکریٹری کافی دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سرفیروز کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اس کے سامنے میز پر مٹی کے کھلونوں کی قطار تھی اور وہ "دو دو آنے چار چار" کی ہانک لگا رہا تھا۔

تھپڑ اور مینڈھے

رات کہر آلود تھی۔ سردی سے در و دیوار تک ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا لیکن پھر بھی شہر کی رونق پر اضمحلال اور پژمردگی کا حملہ ہو چکا تھا۔ شاہراہوں پر کہر میں لپٹی ہوئی روشنی اونگھتی سی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن شراب خانے، ہوٹل اور نائٹ کلب اَب بھی آباد تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہراہوں کی روح کھینچ کر ان عمارتوں میں اُتر آئی ہو۔

فٹ پاتھ قریب قریب ویران ہو چکے تھے۔ فرینکلن بار کے سامنے والے فٹ پاتھ پر ایک دراز قد آدمی دیر سے کھڑا شائد کسی کا منتظر تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا لمبا کوٹ تھا اور سر پر طالوی وضع کا گہرا نیلا فلٹ ہیٹ۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر اسی کے قریب رک گئی۔

"بہت انتظار کرایا لیڈی زوبی۔" وہ آدمی کار کی اگلی نشست کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

"ہاں مجھے پندرہ منٹ تک ایک ضروری کام میں الجھا رہنا پڑا۔" کار کے اندر سے ایک مترنم سی آواز آئی۔

وہ آدمی زوبی کے برابر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ زوبی ہی کار ڈرائیو کر رہی تھی اس کی
پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصی پُرکشش عورت تھی تھوڑے سے بال ہمیشہ اس کی
پیشانی پر بکھرے رہتے تھے۔ رہن سہن کے طریقے سے خود کو انٹلکچوال ظاہر کرنے کی عادی تھی
ہمیشہ اعلیٰ قسم کا لباس بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتی تھی۔ زیورات کی بھی شائق تھی۔ لیکن
پیروں میں عموماً گھٹیا قسم کے سستے چپل ہوا کرتے تھے۔

"آج کہاں چلنا ہوگا۔" مرد نے پوچھا۔

"ابھی مجھے نہیں معلوم۔" زوبی نے جواب دیا۔

"میں اکثر سوچتا ہوں لیڈی زوبی....!"

"کیا سوچتے ہیں۔"

"طاقت کے متعلق....!"

"فضول ہے۔ طاقت ایک تنظیم کا نام ہے۔" زوبی نے کہا۔ "جو لوگ اسے کسی ایک فرد
منسوب کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔"

"لیڈی زوبی! احکامات تو کسی فرد واحد ہی سے ملتے ہیں۔"

"ہر تنظیم کا ایک سربراہ ہوا کرتا ہے۔"

"وہ کون ہے۔"

"ہوگا کوئی۔ اس سے غرض ہی کیا ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ہم گیارہ آدمیوں میں سے ایک یقیناً سربراہ ہے۔" مرد نے کہا۔

"مجھے یقین ہے.... کہ آپ غلطی پر ہیں۔"

"کیوں.... میں غلطی پر کیوں ہوں۔"

"ہم گیارہ کی موجودگی میں بھی اُس کی آواز ٹرانسمیٹر میں سنائی دیتی ہے۔" زوبی نے کہا۔

مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔ "لیڈی زوبی یہ
تو ہو سکتا ہے کہ ہم اُس کے پیغامات کے ریکارڈ ٹرانسمیٹروں پر سنتے ہیں۔"

"ہوگا.... ہمیں اس سے بحث ہی کیوں ہو۔" زوبی نے لاپروائی سے کہا۔

"لیڈی زوبی۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر وہ ہمیں پھنسا کر خود کبھی الگ ہو گیا تو۔"

"آپ کے خیالات.... مجھے افسوس ہے۔ افسوس کی بات ہے اگر گیارہ بڑوں میں سے کوئی
ں قسم کے خیالات کا اظہار کرے۔"

"ہاں واقعی افسوس کی بات ہے۔" مرد نے کہا۔ "لیکن.... کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے گیارہ
وں کی فہرست سے نکال دیا جائے۔"

"یہ آپکی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر کہئے تو آج ہی کی میٹنگ میں اس معاملے کو پیش کروں۔"

"مگر اس کا ردعمل کیا ہوگا۔"

"آپ کی علیحدگی۔"

"مجھے اس میں شبہ ہے۔" مرد بولا۔

"کیوں؟ کیسا شبہ۔"

"ممکن ہے آپ لوگوں کو خیال ہو کہ میں علیحدگی اختیار کرنیکے بعد طاقت کا راز فاش کردوں۔"

زوبی ہنسنے لگی۔

"یہ تنظیم اتنی کچی نہیں ہے۔ آپ ثبوت کہاں سے فراہم کریں گے۔ کیا لیڈی زوبی کے
دار پر کوئی شبہ کر سکے گا۔ کیا نو بڑے آدمیوں کے متعلق کوئی ایسا سوچ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر
پ نے ہمارے متعلق کچھ کہنا بھی چاہا تو لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے۔"

مرد بھی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اچھا
ی زوبی میں شکر گذار ہوں گا اگر آپ گیارہ بڑوں کی فہرست سے میرا نام خارج کرا سکیں۔"

"ہو جائے گا۔ مطمئن رہئے۔ لیکن میں تنظیم سے اس بیزاری کی وجہ ضرور پوچھوں گی۔"

"بیزاری نہیں ہے۔ اگر مجھے سربراہ کی شخصیت کا علم ہو جائے تو میں تنظیم کے لئے جان
ے سکتا ہوں۔"

"سربراہ کی شخصیت تنظیم کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم سربراہ کے نہیں تنظیم کے
دار ہیں۔ سربراہ کوئی بھی ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے.... آخر وہ کھل کر سامنے کیوں نہیں آتا۔"

"یہ بھی تنظیم ہی کا ایک جزو ہے۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ سربراہ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے۔" مرد بولا۔

"آپ واقعی اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کا شمار تنظیم کے بڑوں میں کیا جائے۔"

"کیوں....؟" مرد کے لہجے میں تحیر تھا۔

"آپ تنظیم کے بنیادی فلسفے ہی سے واقف نہیں ہیں۔"

"کیا تنظیم کا کوئی فلسفہ بھی ہے۔" مرد کے لہجے میں طنز تھا۔

"قطعی ہے اور اس کا تعلق براہِ راست تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے ہے۔"

"میں ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"تنظیم کے سربراہ کی شخصیت ہمیشہ پردہ راز میں رہے گی وہ کبھی عام آدمیوں کے نہیں آئے گا کیونکہ عمومیت آدمی کو بے وقعت کر دیتی ہے۔ لوگوں پر نہ انسانیت حکو ہے نہ شرافت بلکہ خوف حکومت کرتا ہے۔ ان دیکھی شخصیتوں کا خوف ہی لوگوں کو جھکائے رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے اس لئے ہماری تنظیم کا سربراہ کھل کر کبھی سامنے نہ آئے

"تو وہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔" مرد نے پوچھا۔

"کر رہا ہے۔ ملک پر اس کے علاوہ اور کس کی حکومت ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا چاہے گا وہی ہوگا۔ مثال کے طور پر نئی تجارتی پالیسی ہی کو لے لیجئے۔ میرا دعویٰ ہے ک اعلان کبھی نہ ہو سکے گا۔"

"مگر.... وزیرِ تجارت تو بہرحال بچ گیا۔"

"پرواہ نہیں.... کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ نئی تجارتی پالیسی فائیلوں ہی رہ جائے گی۔"

مرد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ہنسنے لگا۔

"لیڈی زوبی۔ میں ابھی تک مذاق کر رہا تھا۔ تنظیم سے علیحدگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ہے کہ ابھی تک میں تنظیم کے بنیادی سے ناواقف تھا۔"

"خیر.... کوئی بات نہیں۔ بہتیرے ناواقف ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا دستور نہیں۔ بہرحال اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو کبھی اطمینان سے ملئے تب میں آپ گی کہ یہ تنظیم کتنی ہمہ گیر اور ٹھوس ہے۔"

"میں ضرور ملوں گا لیڈی زوبی۔"

"اوہ.... ہم غالباً دوسری منزل پر پہنچ گئے۔" زوبی نے کہا۔ کار ایک گلی میں داخل ہو رہی تھی۔ تھوڑی دور چل کر زوبی نے کار روک دی پھر اُس نے سامنے والے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس دروازے پر تین بار دستک دیجئے۔ یہیں سے ہمیں میٹنگ کے مقام کا پتہ معلوم ہوگا۔ ذرا جلدی کیجئے۔"

مرد کار سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا۔ زوبی اپنے وینٹی بیگ سے ریوالور نکال چکی تھی۔ ابھی وہ دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ پے در پے دو فائر ہوئے۔ ایک چیخ بلند ہوئی اور زوبی کی کار فراٹے بھرتی ہوئی گلی پار کر گئی۔

"تمہارا نام گیارہ بڑوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔" زوبی نے پرسکون لہجے میں بڑبڑائی اور اس کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رکی جس کے پھاٹک پر "ضرغام" کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

وہ کار سے اتر کر برآمدے میں آئی۔ یہاں ایک ملازم نے اسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور دوسرا نوکر اُسے اس کمرے میں لے گیا جہاں پہلے ہی سے نو آدمی موجود تھے۔ نصرت خان میز کے آخری سرے پر تھا یعنی وہی اس میٹنگ کی صدارت کر رہا تھا۔ زوبی کو دیکھ کر نصرت خان کے علاوہ اور سب کھڑے ہوگئے۔ زوبی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ اب کارروائی شروع کر دی جائے۔" ایک آدمی بولا۔ "وقت ہو گیا ہے اب گیارہویں کا انتظار کب تک کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نصرت خان بولا۔ وہ زوبی کی طرف دیکھ کر عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔

"میٹنگ کا مقصد....!" نصرت خان نے آہستہ سے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ نئی تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھایا جائے۔"

"سب سے پہلے ہم پچھلی رات والے حملے کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنا چاہیں گے۔" ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر بیٹھ گیا۔

"اس واقعے کو نہ چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔" نصرت خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں بتاتی ہوں۔" زوبی نے کہا۔ "یہ سب کچھ ایک نامعقول آدمی کی دخل اندازی کی بناء پر ہوا تھا۔ ورنہ حملے کی کامیابی میں شبہ بھی نہ کیا جا سکتا۔"

"وہ آدمی تو آئندہ بھی روڑے اٹکاتا رہے گا۔" سوال کرنے والے نے کہا۔

"اُس کے لئے بھی کچھ سوچا جائے گا۔" زوبی نے جواب دیا۔

"مگر....!" ایک دوسرے آدمی نے کہا۔ "کیا وہ سازش سے پہلے ہی باخبر ہو گیا تھا۔"

"یہ ناممکن ہے۔" نصرت خان غرایا۔

"پھر کیا وہ.... کسی غیر انسانی قوت کا مالک ہے۔ یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خنجر پھینکے جانے کا منتظر ہی رہا ہو۔"

"محض اتفاق!" زوبی نے کہا۔

نصرت خان غصے میں بھن رہا تھا لیکن زوبی بار بار اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی تھی۔ وہ اپنی ناکامی کا تذکرہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ زوبی چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔

"دراصل ہم سے شروع ہی میں غلطی ہوئی۔ تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کا طریقہ ناقص تھا۔ ہمیں اس طرح کام کرنا چاہئے کہ ملک میں ہراس نہ پھیلے اس طرح ہم فریدی جیسے آدمیوں کی بھی نظر سے بچے رہیں گے۔"

اس جملے پر نصرت خان نے جھلا کر کچھ کہنا چاہا لیکن زوبی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب میرے ذہن میں ایک دوسری اسکیم ہے۔" زوبی پھر بولی۔ "میرا دعویٰ ہے کہ اگر کامیاب ہو جائے تو نئی تجارتی پالیسی کا مسودہ کسی ردی فروش کی دوکان ہی پر بک سکے گا اور ہم۔ کسی کو منظر عام پر بھی آنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔"

"پہلے ہی وہی اسکیم بنائی ہوتی۔" کسی نے زوبی سے کہا۔

"غلطیاں آدمی ہی کرتے ہیں۔" زوبی خشک لہجے میں بولی۔ لیکن اس کا موڈ جلد ہی ٹھیک ہو گیا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "اگر ہماری حکومت کے تعلقات ایک ملک سے خراب ہو جائیں تو نئی تجارتی پالیسی کو بے بسی کی موت مرنا پڑے گا۔"

ان میں سے ایک آدمی ہنسنے لگا۔

"میں آپ کی ہنسی کا مطلب نہیں سمجھی۔" زوبی نے کہا۔

"کچھ نہیں.... آپ بیان جاری رکھئے۔" اُس نے جواب دیا۔

زوبی نے اپنے شانوں کو لاپروائی کے اظہار میں جنبش دی اور بولی۔ "سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعلقات کیسے خراب کرائے جائیں۔ طریقہ نہایت آسان ہے لیکن طریقہ صرف ان حضرات کو بتایا جا سکے گا جو اس کے لئے کچھ کام کر سکیں۔"

"طریقہ معلوم کئے بغیر ہم کام کرنے کا اندازہ کیسے کر سکتے ہیں۔" ایک آدمی بولا۔

"یہ میں جانتی ہوں کہ آپ میں سے کون اس کے لئے مناسب ہے۔ بہرحال جو لوگ مناسب ہیں انہیں کے سامنے اسکیم رکھی جا سکتی ہے۔"

"پھر ہم سب کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔" ایک نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"طاقت کا حکم۔" زوبی آہستہ سے بولی۔

پھر اس پر کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

زوبی نے کہنا شروع کیا۔ "سر جگدیش، پرنس جسپال سنگھ، سیٹھ گنگولی.... آپ تینوں حضرات اس کام کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ کل ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے رات کو آپ برکلے ہاؤز میں تشریف لائیں گے اور بقیہ حضرات اگر اسے بے اعتمادی تصور کریں تو یہ ان کی زیادتی ہو گی اگر یہ بے اعتمادی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارا سربراہ ہم میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتا کیونکہ وہ آج تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔"

"نہیں.... یہ بات نہیں.... ہم مطمئن ہیں۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مجلس برخاست ہو گئی۔ زوبی کے علاوہ سب چلے گئے۔"

ضرغام خاموش بیٹھا زوبی کو گھور رہا تھا۔

"تمہاری تیز مزاجی سے میں تنگ آ گئی ہوں۔" زوبی اٹھلائی۔

"چپ رہو۔ پتہ نہیں کیوں میں تمہارا اتنا خیال کرتا ہوں۔" نصرت غرایا۔

"نہیں ضرغام ڈیئر! غصہ اچھی چیز نہیں۔"

"پرنس شمشاد کیوں نہیں آیا۔" ضرغام نے پوچھا۔

"میں نے اس کا نام فہرست سے خارج کر دیا ہے۔" زوبی ہنس پڑی۔ "احتیاطاً ایک فائر اور

کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ صبح اس کی اکڑی ہوئی لاش ملے گی۔"

"اسی لئے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہو۔" نصرت خان نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"نہیں ڈیئر! مجھے طاقت سے جو حکم ملا تھا اُس کے مطابق....!"

"طاقت...!" ضرغام تمسخر آمیز انداز میں ہنسا۔ "میرے سامنے یہ مضحکہ خیز نام نہ دہرایا کرو"

"ضرغام میں تمہیں بہت چاہتی ہوں۔ لیکن طاقت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی۔"

"تم کیا کرو گی میرا....!" ضرغام غرایا۔

"میں تم سے درخواست کروں گی کہ طاقت کا احترام کرنا سیکھو۔"

"اب میں کتے کے پلّے کا بھی احترام کرونگا کیونکہ اب میں خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو گیا ہوں"

"کیوں....؟"

"میرا نشانہ خطا کرنے لگا ہے۔"

"فضول بک رہے ہو۔ اگر فریدی اسے دھکیل نہ دیتا تو تمہارا خنجر ٹھیک سینے ہی پر اترتا۔"

"فریدی....!" نصرت خان دانت پیس کر رہ گیا۔

"پرنس جسپال کا کہنا کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ شائد فریدی ہماری راہ پر ہے۔ اُ
کسی طرح ہماری اسکیم کا علم ہو گیا تھا۔"

"اب میری راہ....! تم لوگوں سے الگ ہو گئی ہے۔" نصرت خان بولا۔ "تم تجارتی پا
کے چکر میں ہو.... اور میرا شکار.... میں اُسے ہر حال میں مار ڈالوں گا۔"

"کسے.... فریدی کو۔"

"ہاں.... میں اسے....!"

"ٹھہرو! ضرغام میری بات سنو۔ اگر اس سے بھڑے بغیر ہی ہمارا کام چل جائے تو ہمیں
سے بھڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارے کام میں رکاوٹ پڑے۔
فریدی کے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں لیکن آج تک اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ جو اُ
سے بھڑا خود فنا ہو گیا۔ شہر کے بُرے آدمی اُسے "ہزار آنکھوں" والے کے نام سے یاد کرتے
ہیں۔ تم اس سلسلے میں طاقت سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا۔"

"میں تمہارے طاقت کی طرح چوہا نہیں ہوں۔"

"ضرغام.... اپنی زبان بند کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری محبت....!"

"خاموش رہو۔ کیا تم مجھے بھی پرنس شمشاد سمجھتی ہو۔"

"میں طاقت کے لئے توہین آمیز الفاظ نہیں سن سکتی۔"

دوسرے لمحے میں زوبی کے داہنے گال پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور وہ کرسی سے لڑھک گئی۔

نصرت خان اسے بالوں سے پکڑ کر دوبارہ اٹھاتا ہوا بولا۔ "میں بدتمیز محبوباؤں سے اسی طرح پیش آتا ہوں۔"

"ہاں.... ہاں.... مارو....!" زوبی ہانپتی ہوئی بولی۔ "رک کیوں گئے۔ اُس وقت تک مارتے رہو جب تک میں مر نہ جاؤں لیکن طاقت....!"

"طاقت....!" اس کے گال پر دوسرا تھپڑ پڑا۔

❁

گیارہ بجے زوبی اپنی کوٹھی میں واپس آئی۔ اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب تھا۔ اُسے اپنے گالوں پر اتنا پوڈر اور روژ تھوپنا پڑا تھا کہ اپنی شکل سے خود ہی گھن آنے لگی۔ لیکن یہ نہ کرتی تو نصرت خان کی انگلیوں کے نشانات کس طرح چھپتے۔

جیسے ہی اُس نے راہداری میں قدم رکھا اُسے عجیب قسم کا شور سنائی دیا۔ یہ اس کے لئے ایک نئی بات تھی۔ اُس کے قدم آواز کی طرف اٹھنے لگے۔

اور پھر ہال میں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وسط میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو ٹکر مار رہے تھے۔ ایک سرے پر سر فیروز کھڑا تھا اور دوسرے سرے پر ایک نوجوان جسے زوبی نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سر فیروز کی تینوں بھتیجیاں، عالیہ، شہرزاد اور نوشابہ بھی وہاں موجود تھیں۔

"پکڑیئے۔" دفعتاً نوجوان نے للکار کر کہا۔ "پکڑیئے... جناب آپکا مینڈھا فاؤل کر رہا ہے۔"

"ارے جاؤ جاؤ۔" سر فیروز ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تمہارا خود فاؤل کرتا ہوگا۔"

لڑکیاں زوبی کے نزدیک آ گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"مینڈھے لڑ رہے ہیں۔" نوشابہ بولی۔

"یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ مگر یہ بالکل نئی حرکت ہے۔ یہ آدمی کون ہے۔"

"چچا کا نیا سیکریٹری....!" شہزاد نے کہا۔ "پہلے سیکریٹری بھاگتے تھے مگر اب شاید ا
سیکریٹری کی وجہ سے ہم سب کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔"

"دیکھئے آپ کا مینڈھا زیادتی کر رہا ہے۔" سیکریٹری جھلا کر بولا۔

"کون سا....؟" سر فیروز نے پوچھا۔

"وہ.... چتکبرا....!" سیکریٹری نے جواب دیا۔

"ارے.... بکو نہیں.... وہ تمہارا ہے۔"

"ہرگز نہیں آپ کا ہے۔"

"پھر وہی بکواس۔ میں کہتا ہوں وہ تمہارا ہے۔"

"اچھا ثابت کیجئے کہ وہ میرا ہے۔"

"ثابت ہو گیا.... چلو ٹھیک ہے۔"

"آپ ٹھیک سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہی ہو گا۔" سیکریٹری نے بے بسی سے کہا۔

اس دوران میں شہزاد زوبی کو عالیہ کے حلق میں تھروٹ پینٹ لگنے کا لطیفہ سناتی رہی۔ ا
نے یہ بھی بتایا کہ نئے سیکریٹری نے سر فیروز کو مشورہ دیا ہے کہ کوٹھی کا کوئی گوشہ مٹی ک
کھلونوں سے خالی نہ رہے۔ چنانچہ کل سے اس پر عملدر آمد شروع ہو جائے گا۔

"یہ آخر ہے کون.... کہاں سے آیا ہے؟" زوبی بڑبڑائی۔

"مجھے تو کوئی کالج اسٹوڈنٹ معلوم ہوتا ہے، جو تفریح اور وقت گذاری کے لئے یہاں آ
ہے۔" عالیہ نے کہا۔

زوبی تشویش آمیز نظروں سے سیکریٹری کو دیکھتی رہی۔

"زوبی....!" دفعتاً سر فیروز نے اُسے آواز دی۔

"فرمائیے۔" زوبی کا لہجہ تنفر آمیز تھا۔

"میں نے تمہارے لئے بھی ایک مینڈھا منگوایا ہے۔"

زوبی کچھ کہے بغیر ہال سے چلی گئی۔ وہ سیکریٹری کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ سو
رہی تھی کہ نچلے طبقے کے لوگ بڑے آدمیوں کے کتوں سے بھی بے تکلف ہونے کی ہمت ن
رکھتے۔ آخر یہ ہے کون۔ ویسے سر فیروز کی طرح وہ بھی اسے دیوانہ ہی معلوم ہوا تھا مگر اس

آنکھوں میں کوئی ایسی بات نہیں دکھائی دی تھی جو اُس کے دماغی خلل کی طرف اشارہ کرتی۔ وہ
سوچنے لگی۔ ممکن ہے عالیہ ہی کا خیال درست ہو۔

وہ بڑی دیر تک اپنی خواب گاہ میں ٹہلتی رہی۔ کوٹھی پر سکوت مسلط ہو چکا تھا۔ مینڈھوں کی
لڑائی شاید ختم ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ زبردستی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی
تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

پھر ٹھیک ڈیڑھ بجے اٹھ کر ایک بڑا سا صندوق کھولا۔ اس میں سے ایک عجیب وضع کی مشین
نکالی اور اس کا پلگ سوئچ بورڈ پر نصب کر دیا۔ مشین سے ایک ریسیور بھی منسلک تھا۔ پلگ لگاتے
ہی مشین چل پڑی تھی۔

"ہیلو....!" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا اور مشین میں تیزی سے گردش کرنے والی ایک
چرخی روشن ہو گئی۔

"زوبی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا خبر ہے۔"

"سب ٹھیک ہے جناب۔ کل میں نے اُن تین آدمیوں کو برکلے ہاؤز میں طلب کیا ہے جن
کے متعلق آپ نے ہدایت دی تھی۔"

"ٹھیک ہے.... اور کوئی خاص بات۔"

"گیارہ بڑوں میں سے ایک کم ہو گیا ہے۔ وہ آپ کے متعلق شبہات میں مبتلا تھا اس لئے
میں نے اُسے ختم کر دیا۔"

"غالباً تم پرنس شمشاد کی بات کر رہی ہو۔"

"جی ہاں.... وہی تھا۔"

"لیکن وہ زندہ ہے۔ بہت چالاک آدمی ہے۔ خیر میں اسے دیکھوں گا۔ تمہاری ایک بھی گولی
اس کے نہیں لگی۔ تم پرواہ مت کرو۔ اس کا خیال ہی ترک کر دو۔ وہ تنظیم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔
ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ بچ گیا۔ میں فی الحال کشت خون نہیں چاہتا۔
تجارتی پالیسی سے نپٹنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن ضرغام پر کڑی نظر رکھنا.... سمجھیں.... اچھا
بس.... شب بخیر....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سکہ ساز

کرنل فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ دیئے اور پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے فون کا بزر بول اٹھا۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ آئی جی کے آفس سے طلبی ہوئی تھی۔ فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے جماہی لی اور سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

آئی جی کے اردلی نے اس کے لئے دروازے کی چق اٹھائی اور وہ اندر چلا گیا۔

آئی جی تنہا تھا اور اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔

فریدی اس کا اشارہ پاکر بیٹھ گیا۔

"کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں سازش کا علم کیونکر ہوا تھا۔" آئی جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ یقین کیجئے کہ مجھے صرف شبہ تھا۔"

"شبہے کی بھی آخر کوئی وجہ ہوتی ہے۔"

فریدی نے شبہے کی وجہ دہرا دی جس کا تذکرہ وہ حمید سے بھی کر چکا تھا۔

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اگر شبہے کی وجہ صرف اتنی سی ہے مجھے کہنے دو کہ کوئی غیبی قوت تمہاری مدد کرتی ہے۔"

"غیبی قوت تو سب کی مدد کرتی ہے لیکن.... کیا شبہے کی وجہ جاندار نہیں ہے۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ نہیں۔ بھلا وزیر تجارت کی موت سے تجارتی پالیسی پر کیا اثر پڑ ہے۔ اس کا اعلان تو بہر حال ہو جائے گا۔"

"اس کا اعلان غیر سرکاری طور پر تو ہو ہی چکا ہے۔ آخر سرکاری اعلان سے پہلے وہ منظر عام پر کیوں اور کس طرح آگئی۔"

"ہاں یہ تو ہوا ہے اور اس کے سلسلے میں تحقیقات بھی ہو رہی ہیں۔"

"لیکن کیوں ہوا.... کس طرح ہوا۔"

"آپس کے اختلافات....!"

"تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وزیر تجارت کی مخالفت کرنے والے مضبوط نہیں ہیں ورنہ وہ تجارتی پالیسی مرتب ہی نہ ہو پاتی۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"اب یہ بات ماننی پڑے گی کہ کچھ لوگ اس پالیسی کے حق میں نہیں ہیں ورنہ قبل از وقت وہ منظر عام پر کیوں آجاتی۔"

"یہ بھی مانتا ہوں لیکن وزیر تجارت کی موت کی بناء پر تجارتی پالیسی کا اعلان کیسے رک جاتا اس پر روشنی ڈالو۔"

"آپ انسان کے ذاتی اثر کے تو قائل ہوں گے ہی۔"

"قطعی ہوں۔"

"وزیر تجارت کی پارٹی بہت مضبوط ہے اور اس استحکام کی وجہ خود وزیر تجارت کا ذاتی اثر ہے۔ اگر وہ ختم ہو جائیں تو پارٹی میں پھوٹ پڑ جائے گی اور پھوٹ پڑ جانے کے بعد تجارتی پالیسی کا جو حشر ہوگا.... ظاہر ہے۔"

"بات اب سمجھ میں آگئی۔ اصلیت یہ ہے کہ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسی لئے میں ان معاملات پر غور بھی نہیں کرتا۔" ڈی آئی جی نے کہا.... پھر ہنس کر بولا۔ "جہاں تم جیسا کام کرنے والا موجود ہو وہاں لامحالہ بقیہ لوگ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔"

"قطعی نہیں جناب! ماتحتوں کو آفیسروں ہی سے روشنی ملتی ہے۔"

کچھ دیر تک فریدی خاموش رہا.... پھر بولا۔ "اور یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ ایک خفیہ تنظیم کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔"

"خفیہ تنظیم....!" آئی جی نے حیرت سے دہرایا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جی ہاں....! کچھ دنوں قبل میں نے ایک سگریٹ فروش کو تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے سلسلے میں گرفتار کیا تھا۔"

"ہاں میں نے سنا تھا اور مجھے اس پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ تم....!"

"وہ کیس بالکل فرضی تھا۔"

"کیا مطلب....!" آئی جی اُسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"جی ہاں! ضرورتاً ایسا کیا گیا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر اسے پوری روئیداد دہرانی پڑی۔ اس نے ان طلائی سکوں کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ نیاگرا ہوٹل کی بالائی گیلری میں بھی ایک پرس ملا تھا اور اُس سے ویسے ہی طلائی سکے برآمد ہوئے تھے۔

"کیا سکے تمہارے پاس ہیں۔" آئی جی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا اور تین چار سکے جیب سے نکال کر آئی جی کے سامنے ڈال دیئے۔

وہ کافی دیر تک ان کا جائزہ لیتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "عجیب بات ہے اور ایک سکے کے عوض دو ہزار روپے۔"

"جی ہاں! اب تک کا مشاہدہ تو یہی ہے۔ اُس لڑکی کو بھی دو ہزار ملے تھے اور حمید نے بھی دو ہی ہزار پائے۔"

"جلدی کر گیا۔" آئی جی نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"اس وقت میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ حمید نے جلدی میں کام بگاڑ دیا مگر اب سوچتا ہوں کہ اگر حمید سے یہ حرکت سرزد نہ ہوتی تب بھی ہم تنظیم کے نچلے طبقے کے لوگوں کے ذریعہ سرغنہ تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ارے تو تم نے اس تنظیم میں طبقات کا بھی تعین کر لیا ہے۔"

"ہاں جناب انداز تو کچھ ایسے ہی ہیں۔"

آئی جی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم عنقریب کسی بڑی الجھن میں مبتلا ہونے والے ہیں۔"

"حالات ایسے ہی ہیں.... اور.... میں اَب ایک دوسرے خطرے کے امکانات پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"کیسا خطرہ۔"

"مجھے یقین ہے کہ وزیر تجارت پر کسی ذاتی مناقشے کی بناء پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ اگر ہم فسادی

جو تجارتی پالیسی کو تسلیم کر لیں تو کسی نئے خطرے کا امکان بدستور قائم رہتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد یہ چاہتے ہیں کہ پالیسی کا اعلان نہ ہو سکے اب اس کیلئے وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔"

"میں اُسی دوسرے طریقے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔"

"لیکن طریقے کے متعلق غور کرنے سے تو کام نہیں چلے گا۔ یہ بات بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وزیر تجارت پر حملے کی وجہ سے ملک میں ہراس پھیل گیا ہے۔ اخبارات حملہ آور کی تلاش کے لئے چیخ رہے ہیں۔ فی الحال مقدم چیز ہے بھی یہی.... سب سے پہلے تمہیں حملہ آوروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

"کوشش آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن اس مقصد کو سامنے رکھ کر کوشش کرنا پانی سے مکھن نکالنے کے مترادف ہو گا۔"

"کیوں....؟"

"حملہ آور کو پکڑ بھی لیا تب بھی سازشی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس سے ملک کو جو نقصان پہنچے گا اس کی تلافی ناممکن ہو گی۔"

"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"تجارتی پالیسی کے خلاف سازش کو ناکام بنانا۔ ہو سکتا ہے اس کوشش میں مجرم بھی ہاتھ آجائیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔ "یوں تو.... سارا محکمہ ہی اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ لیکن مجھے تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہیں۔"

"یہ آپ کی عنایت ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگے گی۔"

"مجھے براہِ راست حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔"

"ایسا ہی ہو گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس میں اس کی تمام تر ذمہ داری خود پر نہیں لے سکتا۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی کہ میں ہر معاملے میں آپ کے مشورے کا پابند رہوں گا۔"

"ٹھیک.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

فریدی وہاں سے پھر اپنے آفس میں واپس آگیا۔ چند لمحے سگار سے شغل کرتا رہا پھر فو
سے ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"ہیلو.... اوہ.... میں کرائم رپورٹر انور سے ملنا چاہتا ہوں۔ شکریہ.... ہیلو.... انور میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیا تم نے حالات پر اچھی طرح غور کرلیا.... ہوں.... ہوں.... اچھا... آج سات بجے ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملو.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے۔"

ریسیور رکھ کر اس نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور سرجنٹ رمیش کی طرف دیکھنے لگا جو اپنی ڈیسک پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن اُس نے اُ
مخاطب نہیں کیا۔

کلاک نے چار بجائے اور فریدی نے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کو سمیٹ کر دراز میں رکھ دیا۔

"کیا تم ابھی بیٹھو گے رمیش....!" اُس نے رمیش سے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے کچھ کاغذات مکمل کرنے ہیں۔"

"اچھا.... اگر اس دوران میں میرا کوئی فون آئے تو پیغام نوٹ کرلینا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کیڈیلاک میں بیٹھا ہوا بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں
شمار الجھاوے تھے جن کی جھلک اُس کے چہرے پر بھی نظر آ رہی تھی۔ لیکن بندرگاہ کے علا
میں داخل ہوتے ہی اسکا چہرہ اس طرح پُرسکون نظر آنے لگا جیسے یک بیک پانی سے بھرے ہو
بادلوں کے پھٹ جانے کے بعد آسمان پہلے سے بھی زیادہ نکھرا، ستھرا اور نیلا نظر آنے لگتا ہے۔

اس نے ایک ایسی سڑک پر کیڈی روک دی جہاں کئی چھوٹے چھوٹے شراب خانے ا
ہوٹل تھے۔ کار جس شراب خانے کے سامنے رکی تھی اس پر "ایور گرین بار" کا بورڈ لگا ہوا تھا
فریدی کیڈی سے اتر کر سیدھا بار میں گھستا چلا گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک مریل سا اینگلو انڈ
بار ٹنڈر موجود تھا۔

"میں ہارڈی سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں۔"

"جہنم سے۔" فریدی غرایا۔ "تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"وہ آج کل کسی سے نہیں ملتا۔"

"تم بتاتے ہو یا میں تمہاری گردن مروڑ دوں۔"

"دیکھئے جناب! شاید آپ اس علاقے سے واقف نہیں ہیں۔" بار ٹنڈر اپنے سرخ سرخ نتھنے پھلا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ علاقہ لفنگوں اور بدمعاشوں سے بھرا پڑا ہے لو یہ رہا میرا کارڈ.... اب بتاؤ۔" فریدی نے اپنا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بار ٹنڈر نے کارڈ پر نظر ڈالی اور اس کے نتھنے پھولنے اور پچکنے لگے۔

"کرنل صاحب.... بات دراصل یہ ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "ہارڈی.... اگر میں آپ کو اس کا پتہ بتادوں تو وہ مجھے مارتے مارتے ادھ مرا کردے گا۔ آج کل اس کا ہاتھ بہت کھلا ہوا ہے۔ جب ادھار لیتا تھا تب تو کچھ مروت بھی کر جاتا تھا۔"

"اچھا.... تو کیا آج کل وہ ادھار نہیں لیتا۔"

"نہیں جناب.... آج کل تو وہ بات بات پر بڑے بڑے نوٹ نکالتا ہے۔"

"خیر.... ہو گا.... ہاں تو وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"دیکھئے کرنل صاحب.... حضور والا.... میرا نام نہ بتایئے گا۔"

"تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

بوڑھا کھانس کر کراہا اور پھر اپنے نتھنے مسل کر کہنے لگا۔ "وہ کئی جگہ مل سکتا ہے۔ جناب.... کارمن کے قمار خانے میں.... سنگ سنگ بار میں.... کیفے مارکونی میں۔"

"میں اُس کے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہوں.... ڈفر....!"

"گھر.... آہ....!" وہ پھر کراہا اور اس طرح کمر ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ کسی نے اُس پر گھونسوں کی بارش کردی ہو۔

"کیا تم نہیں بتاؤ گے۔" فریدی نے اس کا گریبان پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "بتاتا ہوں.... وہ سنگ سنگ بار کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا ہے۔"

فریدی بار سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ سنگ سنگ بار وہاں سے غالباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر رہا ہوگا جس عمارت میں بار تھا وہ تین منزلہ تھی۔ پہلی منزل پر بار تھا اور اوپر کی دونوں منزلوں پر رہائشی فلیٹ تھے اور ٹھیک بار کے اوپر والے فلیٹ میں ہاوڈی رہتا تھا۔

فریدی زینے طے کر کے ہارڈی کے فلیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا لیکن اندر سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

فریدی نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھول دیا اور اس طرح اچانک کمرے میں داخل ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کمرے میں چار آدمی تھے میز پر وہسکی کی دو بوتلیں اور چار گلاس موجود تھے۔ سوڈے کی نصف درجن بوتلیں فرش پر ان کے پیروں کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چاروں آدمیوں کے منہ حیرت سے کھلے اور پھر بند ہوگئے۔

"تم میں سے کوئی.... اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔" فریدی غرایا۔ "اپنے ہاتھ میز پر رکھ لو۔"

انہوں نے مشینوں کی طرح اپنے ہاتھ میز پر رکھ دیئے۔

فریدی کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا کرنل صاحب۔" ہارڈی نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ یہ ایک خاصے تن و توش کا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور سر کا درمیانی حصہ انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ جسم پر سیاہ پتلون اور براؤن چمڑے کی جیکٹ تھی۔

"میں تم سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ہارڈی نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریدی بولا۔ "نہیں تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"اور اگر میں انکار کردوں تو....!"

دفعتاً فریدی کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اس بات پر افسوس ہوگا ہارڈی۔" اُس کے موڈ کی تبدیلی پر ہارڈی کے چہرے سے الجھن کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

"ہم قطعی دوستانہ فضا میں گفتگو کریں گے۔"

"یہاں بھی آپ کو کافی دوستانہ ماحول ملے گا۔" ہارڈی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں.... میرے کہنے پر عمل کرو۔"

"میں کسی کا پابند نہیں ہوں اور پھر آپ مجھ پر کون سا الزام رکھ کر دھونس جما رہے ہیں۔"

"تم نہیں سنو گے۔" فریدی کا موڈ پھر خراب ہوگیا۔

"دیکھئے....! اس علاقے میں....!"

قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس کی کرسی میں ٹھوکر ماردی۔ وہ غالباً اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بے خیالی میں توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ ادھر وہ کرسی سمیت فرش پر گرا اور اُدھر اس کے بقیہ ساتھی اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ ہارڈی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ فریدی کا مکا اُس کے ایک ساتھی کے جبڑے پر پڑا اور جھونک میں اپنے ساتھ دوسرے کو بھی رگیدتا چلا گیا۔ تیسرے کی پنڈلی پر ٹھوکر پڑی اور وہ چیخ کر بیٹھ گیا۔ دوسری ٹھوکر ہارڈی کے پیٹ پر پڑی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی نے بڑی میز الٹ دی۔

"چلو.... تم تینوں کمرے میں جاؤ۔" فریدی نے ریوالور کی نال سے دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"جاؤ....!" وہ پھر غرایا اور وہ چپ چاپ کمرے میں چلے گئے۔ فریدی نے جھپٹ کر اس کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور پھر وہ اگر برق کی سی سرعت سے ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو سوڈے کی ایک بوتل اس کے سر پر پھٹی ہوتی دوسری بوتل بھی اس نے خالی دی۔ تیسری کے لئے ہارڈی جھکا ہی تھا کہ فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ دس ہی منٹ میں اس نے ہارڈی کو ادھ مرا کر کے رکھ دیا اور اس میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے اُسے ایک کرسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ کہ میں اس علاقے میں کیا نہیں کر سکتا۔"

ہارڈی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں سے خون کی بوندیں ٹپک ٹپک کر چمڑے کی جیکٹ پر پھیل رہی تھیں۔

"گیارہ نومبر کی رات کو تم گٹاری کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔" فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"گٹاری....!" ہارڈی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور پھر خاموش ہوگیا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"میں وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا۔"

"اور پھر وہاں سے یک بیک غائب کیسے ہو گئے تھے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میری آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔"

"ہوں! لے کون گیا تھا۔"

"دیکھئے! میں بتاتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں منہ دھو سکوں۔"

"اجازت ہے اور اپنے آدمیوں سے کہو کہ شور نہ مچائیں ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا"

"ہارڈی نے اٹھ کر اپنے آدمیوں کو شور مچانے سے منع کیا اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ فریدی اس کے ساتھ تھا۔ منہ صاف کرنے کے بعد وہ ہونٹ بھینچ بھینچ کر تھوکتا ہوا پھر کمرے میں واپس آ گیا۔

"میں آپ کی یہ زبردستی یاد رکھوں گا۔ ہارڈی الماری کھول کر شراب کی بوتل نکالتا ہوا بولا اس نے ایک گلاس میں تین انگل خالص وہسکی لی اور ایک ہی گھونٹ میں چڑھا گیا۔ ہونٹوں کے زخموں میں سوزش ہونے لگی اور وہ منہ بنا کر بولا۔

"آپ بعض اوقات اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو میری بھی حالت ہوتی جو تمہاری ہے یا شاید تم لوگ مجھے ختم ہی کر دیتے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ وہ گنتاری کا جنگل ہے کیونکہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ البتہ تاریخ ضرور یاد ہے۔ وہی تاریخ جس کا آپ نے ابھی حوالہ دیا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"میں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو بتائیے۔" یک بیک ہارڈی جوش میں آ گیا

"میں ابھی تھکا نہیں ہوں سمجھے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اگر میں نے وہاں کوئی غیر قانونی کام کیا تھا تو میرے ہتھکڑیاں لگا دیجئے۔"

"تم وہاں جعلی سکے بنا رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے۔"

"میں کہہ تو رہا ہوں کہ میرے خلاف قانونی کاروائی کیجئے۔"

"قانونی کاروائی تو میں اس وقت کرتا ہوں جب میرے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔"

"اچھا تو ماریئے مجھے۔ اُس وقت تک مارتے رہئے جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔"

"تمہیں وہاں لے جانے والے کون تھے۔"

"میں نہیں جانتا.... اگر جانتا بھی ہوتا تو کبھی نہ بتاتا۔"

"آج صبح تم کیفے نبراسکا میں کیوں گئے تھے۔" اچانک فریدی نے پوچھا اور ہارڈی کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔

"بولو.... تم وہاں کیوں گئے تھے۔"

"کیا آپ یہی سوال ہر اس آدمی سے کریں گے جو آج کیفے نبراسکا گیا ہو۔"

"نہیں یہ سوال صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔ ہر آدمی نے آدھے تولہ سونے کے دو ہزار نہ وصول کئے ہوں گے۔"

ہارڈی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تھا کہ طاقت کے سکے ڈھالنے میں تمہارے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ تم ایک ماہر سکہ ساز ہو اور سکہ سازی کے جرم میں چھ بار کے سزا یافتہ.... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں.... اور ہاں یہ بھی بتا دوں کہ تم ناجائز سکوں سے بھی غلط فائدہ اٹھا رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں ان سکوں کا مصرف نہ بتایا گیا ہوگا۔ یہ تمہاری اپنی دریافت ہے.... بولو.... جواب دو۔"

"اب میں کیا بولوں....!" ہارڈی نے بے بسی سے کہا۔

"اور اگر ان لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ تم ان سکوں کے مصرف سے واقف ہو گئے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہیں ان لوگوں کے نام بتانے ہی پڑیں گے۔"

ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کرنل صاحب یقین کیجئے میں ان میں سے ایک کی بھی شکل نہیں دیکھ سکا تھا وہ مجھے ایک ہفتے تک روزانہ وہاں لے جاتے رہے ہیں۔"

"جب پٹی کھلتی تھی تو میں خود کو ایک تہہ خانے میں پاتا۔ طاقت کے سکے میں نے بلاشبہ ڈھالے ہیں۔"

"اور پھر ایک دن تم اتفاقاً ان سکوں کے استعمال سے واقف ہو گئے اور تم نے ویسے ہی سکے اپنے لئے بھی ڈھال لئے جب ضرورت ہوتی ہے ایک سکے کے عوض دو ہزار وصول کر لیتے ہو۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"کم از کم اُس آدمی کے متعلق تو بتا ہی سکو گے جس نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا ہوگا۔"

"اوہو! وہ بھی تو کبھی کھل کر سامنے نہیں آیا۔ مجھے ایک خط لکھ کر ایک جگہ بلایا گیا۔ پھر وہاں ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے تھا پہلے دن مجھے یہ کہہ کر لے جایا گیا کہ مجھے جعلی سکوں کو پرکھنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک پرانا مشاق ہوں۔ میں نے سوچا ممکن ہے کہ وہ لوگ اپنے بنائے ہوئے سکوں کے نقائص معلوم کرنا چاہتے ہوں بہرحال صرف اتنے سے کام کے لئے انہوں نے مجھے دو ہزار کا آفر دیا۔ رقم معقول سے بھی کچھ زیادہ تھی لہٰذا میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ جب انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھنے کی تجویز پیش کی مجھے حالات کی سنگینی پر یقین آ گیا۔ پھر تہہ خانے میں پہنچ کر انہوں نے اپنی صحیح اسکیم پیش کی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور سونے کو اس مخصوص شکل میں لا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے ہیں۔ مجھے یقین کر لینا پڑا۔ کیونکہ بہتیری تجارتی فرمیں اپنا سونا کسی مخصوص شکل میں فروخت کرتی ہیں اور چونکہ ان لوگوں نے خود کو اسمگلر ظاہر کیا تھا اس لئے مجھے اپنے اس طرح لائے جانے پر بھی تعجب نہ ہوا۔ بہرحال میں ان کے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھالتا رہا اور وہ مجھے اس کی معقول اجرت دیتے رہے یعنی ایک رات کے دو ہزار روپے۔"

ہارڈی خاموش ہو گیا۔ فریدی کی نظر اُس کے چہرے پر تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ "آدمی کون تھا جس کے ذریعے تم اس سکے کے مصرف سے واقف ہوئے۔"

"آپ نے خواہ مخواہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر پہلے ہی پوچھتے تو میں سب کچھ بتا دیتا۔"

"خیر پرواہ نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "اب بھی اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ تمہارے خلاف باقاعدہ طور پر کوئی کاروائی نہ کروں۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم اب تک ایک خطرناک گروہ کے لئے کام کرتے رہے ہو اور اگر تم اپنی پہلی فرصت میں اس شہر سے کھسک ہی نہ گئے تو مرنے کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب..... میں سمجھا دوں گا۔ پہلے تم مطلب کی بات کرو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں چند نقاب پوشوں کی نگرانی میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے ان کی شکلیں تو نہیں دیکھیں لیکن ان میں سے کسی کی آواز جہاں بھی سنوں گا پہچان لوں گا چنانچہ غالباً پندرہ دن قبل کی بات ہے کہ ان میں سے ایک آواز میرے کانوں میں پڑی اور میں متحیر رہ گیا کیونکہ وہ ایک بہت بڑا آدمی تھا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ یہ کیفے نبراسکا کی بات ہے۔ میں نشے میں تھا اور چونکہ مجھے اپنے ایک دشمن کی نظر سے بچنا بھی تھا جو اُس وقت کیفے نبراسکا ہی میں تھا اس لئے میں نے اپنے اوورکوٹ کے کالر اوپر اٹھا رکھے تھے میں دراصل اپنے اس دشمن کے پیچھے تھا لیکن دوسرے آدمی کی آواز سن کر مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ میں پہلے ہی سے اُن پراسرار آدمیوں کی طرف سے مشکوک تھا جنہوں نے مجھ سے سونا ڈھلوایا تھا۔ اس لئے مجھے اس آدمی کی آواز سن کر کھوج پڑ گئی اور پھر آدمی بھی کون.....!"

"وہ کون تھا.....!"

"پولو کا مشہور کھلاڑی پرنس جسپال.....!"

"آہا.....!" فریدی کے چہرے پر تحیر کے آثار ابھرے اور پھر فوراً ہی غائب ہو گئے۔

"مجھے اُن لوگوں کی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور اپنے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھال کر اسمگل آؤٹ کرتے ہیں۔"

"کیوں! تمہیں یقین کیوں نہیں آیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے..... میں پہلے ہی.....!"

"نہیں.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پہلے تم ہرگز نہ بتاتے۔ اسی لئے میں نے تمہیں الگ لے جانا چاہا تھا، جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اب میرا وقت برباد نہ کرو۔"

ہارڈی نے پھر گلاس میں تین چار انگل خالص وہسکی لی اور چڑھا گیا۔

"آپ نے کیا پوچھا تھا۔ ذرا ایک سگار مجھے بھی دیجئے۔"

فریدی سے سگار لے کر اُس نے سلگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں آپ نے شبہے کی وجہ دریافت کی تھی۔ لیکن خود فرمائیے۔ اگر آپ نے اُن سکوں کو دیکھا ہے تو آپ خود ہی شبہے کی وجہ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"پھر بھی....!"

"ان سکوں پر سرکاری کرنسی کی مہر ہے۔ آپ خود سوچئے۔ اسمگلنگ ویسے ہی ایک غیر قانونی حرکت ہے۔ اگر اتفاق سے وہ سکہ آپکے ہاتھ لگ جائے تو کیا اس کی مہر آپ کو اپنی طرف متوجہ نہ کرلے گی۔ ضرور کرلے گی۔ پھر بھلا چوروں میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ کوئی ایسی چیز استعمال کرسکیں جن سے ان کی چوری کا سراغ ملنے میں آسانی ہو۔ میں اسمگلروں کو چور ہی سمجھتا ہوں۔"

"ختم کرو.... تم نے سکے کا مصرف کیسے معلوم کیا۔"

"پرنس جسپال نے تین سکے کیفے نبراسکا میں کیش کرائے تھے۔"

"براہِ راست منیجر سے یا وہ اور کوئی تھا۔"

"جی نہیں! منیجر سے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ منیجر سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ نے ایک سکہ دیا اور دو ہزار کے نوٹ ملے۔ چپ چاپ لئے واپس آگئے۔ میں اب تک صرف دس ہزار بنا سکا ہوں۔"

"میرا مشورہ ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم کردو اور کچھ دنوں کے لئے یہاں سے تمہارا چلا جانا بہتر ہے۔"

"آخر اب آپ اتنی ہمدردی سے کیوں پیش آرہے ہیں۔" ہارڈی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور دوبارہ گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

"ہاں! ہمدردی کی وجہ بھی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بعض اوقات زبان کھلوانے کے لئے مجھے اپنے ہاتھ بھی استعمال کرنے پڑتے ہیں اور اکثر مجھے اس پر افسوس بھی ہوتا ہے۔"

فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور فریدی کا ذہن اس سڑک سے بھی زیادہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ پرنس جسپال ایک بڑا آدمی تھا پولو میں بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا اور ملک کی سربرآوردہ ہستیوں میں شمار کیا جاتا تھا اس سازش کی ابتداء اور انتہا کم از کم اس کے فہم و ادراک سے تو بالاتر تھی ہی۔ فی الحال اپنا پروگرام تبدیل کردینے کے باوجود بھی ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں اُسے کرائم رپورٹر انور سے ملنا تھا۔

جلاوطن شہزادہ

سرفیروز کی کوٹھی میں بھونچال سا آگیا تھا۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک نئے سیکریٹری کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ لیکن نیا سیکریٹری سرفیروز کی آنکھوں کا تارا تھا۔

پہلے سرفیروز کے مٹی کے کھلونے صرف انکے اپنے کمرے ہی تک محدود تھے لیکن سیکریٹری نے انہیں پوری کوٹھی میں پھیلانے کی اسکیم بناڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر مزید کھلونوں کی خرید پر لگادیئے اور سرفیروز کی بھتیجیوں کو نہ صرف ناشتہ بلکہ دوپہر کا کھانا بھی تیار کرنا پڑتا۔

کھلونے جمع کرنا سرفیروز کی ہوبی نہیں تھی۔ اسے خبط بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پس منظر میں ایک بہت ہی کلاسیکل قسم کے عشق کی داستان تھی حقیقت خدا جانے لیکن کہا یہی جاتا تھا کہ سرفیروز کو جوانی میں ایک کمہار کی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے مٹی کے کھلونے بیچا کرتی تھی۔

کلاسیکل قسم کے عشق کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کا اختتام شادی جیسی غیر رومانی حرکت پر نہ ہو۔ لڑکی کا سراغ یہیں تک مل سکا تھا کہ وہ شہر کے کسی فٹ پاتھ پر کھلونوں کی دوکان لگایا کرتی تھی۔ البتہ سرفیروز کی شروع سے اب تک کی ہسٹری لوگوں کو ازبر تھی۔ وہ پہلے عشق کی ناکامی کے بعد شادیوں پر شادیاں کرتے رہے اور بیویوں پر بیویاں مرتی رہیں۔ آخر بڑھاپے میں زوبی آٹکرائی لیکن اس نے کم از کم سرفیروز کی زندگی میں مرنے سے صاف انکار کردیا تھا اور تقریباً آٹھ سال سے اپنے انکار پر قائم تھی۔

بہر حال جب سرفیروز نے یہ دیکھا کہ وہ مرنے کا نام ہی نہیں لیتی تو اس کا لاشعور شعور پر حاوی ہو گیا اور کمہاری کی لڑکی والا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ یہ عام آدمیوں کی نہیں بلکہ ماہرین نفسیات کی رائے تھی ورنہ شعور ولاشعور کی بات عام آدمی کیا جانیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ کمہار کی لڑکی کا قصہ بھی اُسی وقت ظاہر ہوا تھا جب سرفیروز نے کھلونوں میں دلچسپی لینی شروع کی تھی۔ حقیقت کیا تھی.... خدا جانے۔

اس کا دماغ ہی قریب قریب الٹ گیا تھا لیکن ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق پاگل پن خطرناک قسم کا نہیں تھا۔ بعض اوقات تو وہ پاگل بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ البتہ پاگل پن کا دورہ

شروع ہونے سے اب تک اس کا کوئی پرائیویٹ سیکریٹری ایک ہفتے سے زیادہ اُس کی ملازمت پر نہیں رہ سکا تھا۔ ان کے بھاگ نکلنے کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سرفیروز کو کھلونے بیچنے کا دورہ پڑتا تو نہ صرف وہ خود "دو دو آنے.... چار چار آنے" کی ہانک لگاتا بلکہ سیکریٹریوں کو بھی اس پر مجبور کرتا۔ انہیں بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ "دو دو آنے.... چار چار آنے" کی گردان کرنی پڑتی تھی۔ سنجیدہ لوگ تو اسے برداشت کرنے سے رہے۔ نتیجے کے طور پر انہیں بھاگنا ہی پڑتا تھا.... مگر یہ نیا سیکریٹری جب سے آیا تھا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اُس نے سرفیروز کو پٹی پڑھائی کہ اسکی تینوں بھتیجیوں کو بھی کھلونے فروخت کرنے میں اسکی مدد کرنی چاہئے۔

لڑکیوں نے سنا تو انہیں بہت تاؤ آیا مگر کر ہی کیا سکتی تھیں۔ ویسے انہوں نے اس کے خلاف ہاتھ پاؤں تو بہت مارے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پچھلی رات انہیں بھی کافی دیر تک سرفیروز اور اُس کے سیکریٹری کے ساتھ چیخنا پڑا تھا۔

آج صبح ہی سے سرفیروز اور اس کا سیکریٹری بہت زیادہ مشغول تھے۔ دو نوکر مٹی کے کھلونوں سے بھرے ہوئے ٹوکرے اٹھائے ان کے ساتھ تھے اور وہ کوٹھی کی خالی جگہوں کو کھلونوں سے پُر کرتے پھر رہے تھے۔ لڑکیوں میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتیں البتہ انہیں یقین تھا کہ جب یہ طوفان بدتمیزی زوبی کی خواب گاہ کی طرف جائے گا تو دلچسپی کا خاصا سامان مہیا ہو جائے گا۔

زوبی شائد ابھی سو ہی رہی تھی۔ خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر زوبی کی خواب گاہ کے علاوہ کوٹھی کے ہر حصے میں مٹی کے کھلونے نظر آنے لگے۔

"اب صرف لیڈی صاحبہ کی خواب گاہ رہ گئی ہے۔" سیکریٹری بڑبڑایا۔

"وہاں بھی رکھیں گے۔" سرفیروز سر ہلا کر بولا اور دونوں نوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

بہر حال یہ قافلہ لیڈی زوبی کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سرفیروز نے آگے بڑھ کر دستک دی لیکن جواب نہیں ملا۔

سرفیروز پر آہستہ آہستہ جھلاہٹ کا دورہ پڑتا گیا اور اب وہ پوری قوت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"کون ہے.... کیا ہے۔" دفعتاً زوبی کی چیخ سنائی دی۔

"دروازہ کھولو....!" سرفیروز نے بھی اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر شائد پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا زوبی نارنجی رنگ کے لبادے میں ملبوس دروازے میں کھڑی انہیں گھور رہی تھی۔ آنکھیں خمار آلود تھیں اور چہرے پر بڑی دلآویز قسم کی سرخی تھی، بکھرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

سیکریٹری اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

"کیا ہے....؟" زوبی نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم ہٹو تو....!" سرفیروز اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا بولا اور کمرے میں چلا گیا۔ زوبی ایک طرف ہٹ کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کے انداز سے ایسا مترشح ہو رہا تھا جیسے سرفیروز سے کوئی انہونی حرکت سرزد ہوئی ہو۔

"لاؤ....!" سرفیروز نے ہاتھ ہلا کر نوکروں سے کہا۔

"کیا....؟" زوبی جھلا کر نوکروں کی طرف مڑی۔ "خبردار.... اگر اس کمرے میں کوئی داخل ہوا تو کھال گرادوں گی۔"

"ارے واہ....!" سرفیروز ہاتھ نچا کر بولا۔ "بڑی آئیں کھال گرانے والی۔ سیکریٹری ان گدھوں کی گردن پکڑ کر اندر لاؤ۔"

سیکریٹری آگے بڑھا ہی تھا کہ زوبی نوکروں پر ٹوٹ پڑی۔ کھلونوں کے ٹوکرے فرش پر گرے اور نوکر اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

"زوبی" سرفیروز چیخا۔ "کیا کر رہی ہو۔"

زوبی پھر کمرے میں گھسی اور چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اٹھا کر شائیں شائیں دو تین ہاتھ نوکروں پر جھاڑ دیئے۔ پھر نوکر کہاں ٹھہرنے والے تھے۔ وہ تو بھاگ ہی نکلے لیکن سیکریٹری وہیں کھڑا رہا۔

"مجبوری ہے.... سیکریٹری....!" سرفیروز نے جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"ہمت نہ ہارنی چاہئے جناب۔" سیکریٹری نے کہا اور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اس کے اگلے جملے پر زوبی کا ہاتھ اس کی طرف گھوم گیا تھا۔

سیکریٹری نے وار خالی دیا لیکن وہاں سے بھاگا نہیں۔

زوبی نے پھر اس پر حملہ کیا لیکن اس بار پھر اُسے مایوسی ہوئی کیونکہ سیکریٹری بندر
طرح پھرتیلا تھا۔

پھر زوبی پر جیسے دورہ سا پڑ گیا۔ وہ بے تحاشا چابک گھمانے لگی۔ لیکن ایک بار بھی
سیکریٹری کے جسم پر نہیں پڑا۔ سرفیروز پہلے تو چپ چاپ پلکیں جھپکاتا رہا پھر وہاں سے کھسک
ادھر زوبی نے جھلا کر چابک پھینک مارا لیکن سیکریٹری.... وہ اس سے بھی بچ گیا لیکن
سے ہٹا نہیں۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... نکلو....!" زوبی ہانپتی ہوئی چیخی۔

"میرا قصور.... لیڈی صاحبہ۔" سیکریٹری نے انتہائی مسکین چہرہ بنا کر کہا۔

"کیا بیہودگی پھیلائی ہے تم نے۔"

"پرائیویٹ سیکریٹری کا اور کیا مصرف ہو سکتا ہے لیڈی صاحبہ۔"

"لیکن تم لوگ کوٹھی کو کباڑ خانہ نہیں بنا سکتے۔"

"میں نے کیا کیا۔ میں تو صرف ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔ تجویز صاحب ہی کی تھی۔ میں
اُس کی تائید کر دی تھی۔"

"اور پچھلی رات مینڈھے.... اس سے پہلے تو کبھی شاید انہوں نے مینڈھوں کی شکل
دیکھی ہو۔"

"مجھے تسلیم ہے! لیکن قصور اس میں بھی میرا نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کس طرح
مینڈھا نکلا تھا کہ سر ہو گئے۔ کہنے لگے۔ مینڈھا کیا ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تو مصرف پوچھا۔ میں
کہا لڑائے جاتے ہیں۔ بولے ہم بھی لڑائیں گے بس اتنی بات تھی۔"

"تم کون ہو؟"

"تفضل حسین....!" سیکریٹری کا جواب تھا۔

"اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔"

"فخر کیا کرتا تھا کہ میں نبراسکا یونیورسٹی کا ڈاکٹر ہوں۔"

"تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ تم لیڈی زوبی سے گفتگو کر رہے ہو۔"

"لوگ مجھے عموماً معاف کر دیتے ہیں کیونکہ میں کریک ہوں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کریک ہو۔"

"نہیں لوگ کہتے ہیں اور میں انہیں گدھا سمجھتا ہوں۔ میں بالکل کریک نہیں ہوں۔ ہاں
ایک مرض مجھ پر ضرور ہے وہ یہ کہ میں بعض اوقات سب کچھ بھول جاتا ہوں۔"

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا تھا۔"

"کسی غیبی قوت نے! میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ ویسے میں نے اشتہار ضرور پڑھا تھا۔"

"اچھا میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

سیکریٹری نے سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا اور وہاں سے چل پڑا۔ راہداری کے موڑ ہی پر
سرفیروز سے ملاقات ہو گئی۔ وہ شائد بہت دیر سے وہیں کھڑا ان کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں۔" اس نے پلکیں جھپکائے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"کہتیں کیا.... میں کوئی ڈرپوک ہوں۔ آخر آپ اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔"

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" سرفیروز اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ سیکریٹری بھی اُسی کے
ساتھ چلنے لگا۔ "جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے دیکھا وہ کتنی بد مزاج ہے۔"

"جی ہاں.... مجھ سے کہنے لگیں کہ تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"ہرگز نہیں.... میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ تم نہیں جا سکتے۔ اگر تم چلے گئے تو
میں مر جاؤں گا۔"

"بھلا میرے رہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے۔"

"نہیں لڑکے.... میں استدعا کرتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ.... میں پاگل نہیں ہوں۔"

سیکریٹری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کنکھیوں سے سرفیروز کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سر
فیروز نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر سیکریٹری کے بھی اندر پہنچ جانے کے بعد دروازہ مقفل کر دیا۔

اچانک سیکریٹری چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی تھی۔" اس نے سرفیروز کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسی آواز....!"

سیکریٹری نے ایک بار پھر ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ سنی۔

"یہ.... سنا آپ نے....!"

"اماں چھوڑو.... چوہے ہوں گے۔" سر فیروز نے سر ہلا کر کہا۔

لیکن سیکریٹری بدستور اس ریک کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر مٹی کے کھلونے کے ڈھیر کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ آواز ان ڈھیروں ہی سے آئی تھی اور وہ آواز قطعی ایسی نہیں تھی جسے چوہوں کی نقل و حرکت کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا۔

"ہوگا کچھ.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت پھرتیلے معلوم ہوتے ہو۔ اس کا ایک چابک بھی تم پر نہیں پڑا۔ کیا تمہیں زوبی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

"مجھے اپنے علاوہ اور کسی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔" سیکریٹری بدستور کھلونوں کے ڈھیر کی طرف متوجہ رہا۔

سر فیروز کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک خطرناک.... آہم.... دودو آنے.... چار چر آنے.... دو دو آنے.... چار چار آنے.... سیکریٹری شروع ہو جاؤ۔"

قبل اس کے کہ سیکریٹری شروعات کرتا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے....!" سر فیروز دہاڑا۔

"دروازہ کھولو....!" آواز زوبی کی تھی۔

سر فیروز کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ سیکریٹری بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سر فیروز اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے زبردستی دروازے کی جانب دھکیلے لئے جا رہا ہو۔

دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے بڑی بے بسی سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور پھر جیب سے کنجی نکال کر دروازہ کھول دیا۔

زوبی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور سیدھی سیکریٹری کے سر پر پہنچ کر رکی۔

"تم ابھی اور اسی وقت کوٹھی سے چلے جاؤ گے۔" اُس نے کہا۔

"کسی نے بے پر کی اڑائی ہے۔" سیکریٹری لاپروائی سے بولا۔

"گٹ آؤٹ....!" زوبی حلق پھاڑ کر چیخی۔

"پھر کسی وقت غور کروں گا۔"

"سن رہے ہیں آپ۔" وہ سر فیروز پر چڑھ دوڑی۔ "یہ میری توہین کر رہا ہے۔"

"کیوں؟ تم توہین کررہے ہو۔" سر فیروز نے احمقانہ انداز میں سیکریٹری سے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!" سیکریٹری یک بیک چونک کر بولا۔ پھر اپنی آنکھیں مل کر چاروں طرف حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میں کہاں ہوں۔" اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

سچ مچ ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ ابھی سوتے سوتے جاگا ہو۔

زوبی نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔ اُسکے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" سیکریٹری آہستہ آہستہ بڑبڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "میں ابھی آر لکچو میں تھا۔ شیلا کہاں گئی.... شیلا....!"

اس نے کسی شیلا کو آواز دی۔

"نہ جانے کہاں گئی۔ آپ لوگ کون ہیں۔" وہ یکے بعد دیگرے زوبی اور سر فیروز کو گھورنے لگا۔

"اب بیوقوف بناؤ گے۔" زوبی مسکرا پڑی۔

"میں نہیں سمجھا۔" سیکریٹری نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "شیلا آپ کی کون ہے۔ وہ مجھے یہاں کیوں لائی ہے۔ ابھی ہم آر لکچو میں ناشتہ کررہے تھے۔"

اس نے پھر شیلا کو آواز دی۔

"تم میرے سیکریٹری ہو.... کیا نام.... تفضل حسین....!"

"کیا بکواس ہے! میں داراب ہوں۔ شہزادہ داراب.... اوہ یہ تو کھلونوں کی دوکان معلوم ہوتی ہے۔"

"تم کہاں کے شہزادے ہو۔"

"بخارا کا جلاوطن شہزادہ.... داراب....!"

"کیا اب تم ہمیں اُلو بناؤ گے۔" زوبی تحقیر آمیز انداز میں مسکرائی۔

"زوبی.... جاؤ.... یہاں سے.... خدا کے لئے جاؤ۔" سر فیروز نے کہا۔ وہ کچھ خوفزدہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"خاموش رہو۔" زوبی نے اُسے ڈانٹ دیا۔ "یہ کوئی بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔ اسے پولیس کے حوالے کروں گی۔"

"کیا کہا تم نے۔" سیکریٹری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں او
وہ زوبی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زوبی ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"تم لوگ مجھ سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔" سیکریٹری کی چیختی ہوئی سی آواز کمر
کے سناٹے میں گونجی۔ "اسی لئے تم مجھے یہاں لائے ہو۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ایک آدمی نے
مجھے شراب پلا کر مجھ سے دس ہزار کے چیک پر دستخط لئے تھے۔ لیکن اس وقت میری چیک بک
میری جیب میں نہیں ہے۔"

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"زوبی جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ۔" سر فیروز زوبی کو شانوں سے پکڑ کر دروازے کی طرف
دھکیلنے لگا۔ وہ اب خاموش ہوگئی تھی اس کے ہونٹوں سے احتجاجاً کچھ جملے نکلے لیکن کسی کی سمجھ
میں نہیں آسکا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

سیکریٹری اب بھی پتھر کے بت کی طرح وہیں کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے! تم کون ہو۔"

"شہزادہ داراب....!"

"مذاق چھوڑو۔ تم بڑے عمدہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم نے اسے سچ مچ ڈرا دیا۔ ورنہ
شیطان سے بھی نہیں ڈرتی۔"

"وہ کون ہے، جو مجھ سے اتنی بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔ میں ایک جلاوطن شہزادہ ضرو
ہوں، لیکن میرے پاس اتنی دولت ضرور ہے کہ میں آدھا شہر خرید سکتا ہوں۔"

"وہ.... مم.... میری.... بیوی ہے.... تم میرے سیکریٹری ہو۔ ہاں شروع ہو جاؤ دو
آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے چار چار آنے۔" لیکن سیکریٹری بدستور خاموش کھڑا رہا
سر فیروز جھنجھلا گیا۔ "ختم کرو یار.... اب وہ نہیں آئے گی۔"

"تم بھی بدتمیزی سے پیش آرہے ہو۔" سیکریٹری نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں اسے نہ
برداشت کرسکتا۔ دروازہ کھولو۔ میں باہر جاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔"

سیکریٹری آگے بڑھا۔ لیکن دفعتاً اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس طرح لڑکھڑائے کہ ا
رکنا پڑا۔ اس کا جسم بڑی شدت سے کانپنے لگا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر رعشہ طا

نہ ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھڑام سے فرش پر گرا اور بیہوش ہوگیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد بیہوش سیکریٹری کے گرد خاصی بھیڑ اکٹھا ہوگئی۔ زوبی.... سر فیروز کی
بھتیجیاں! کوٹھی کے سارے ملازمین۔

"کیا خیال ہے؟" زوبی سر فیروز کے چہرے کے قریب ہاتھ نچا کر بولی... "سب مکاری ہے۔"

"خدا سے ڈرو....!" سر فیروز نے کہا۔

"فضول باتیں نہ کیجئے۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔ قبر تک جو پیچھا نہ چھوڑوں۔"

"کیا کرو گی تم....!" سر فیروز غصے میں کانپنے لگا۔

"میں اسے اسی حال میں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔"

بیچارے سیکریٹری کی روح فنا ہوگئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اب پول کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

"کسی ماہر کے پاس لے جاؤں گی۔" زوبی پھر بولی۔ "ڈاکٹر شوکت سے بہتر کون ہوگا۔ وہ میرا
ملاقاتی بھی ہے۔"

ڈاکٹر شوکت کا نام سن کر سیکریٹری کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سوچ چکا تھا کہ اب اُسے
یہ ڈھونگ ختم کردینا چاہئے۔ ڈاکٹر شوکت کے نام پر وہ مطمئن ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر شوکت
اپنے مریضوں کا معائنہ تنہائی میں کرتا ہے اور اس وقت کوئی نرس بھی مخل نہیں ہوسکتی۔

"تم خواہ مخواہ....!" سر فیروز بڑبڑا کر رہ گیا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔" زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر نوکروں کی طرف دیکھ کر
بولی۔ "ایک اسٹریچر لاؤ۔"

دو نوکر کمرے سے چلے گئے۔ زوبی بڑبڑاتی رہی۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ سب مکاری ہے۔ اگر
ڈاکٹر شوکت نے بھی یہی رائے ظاہر کی تو میں اسے پولیس کے حوالے کرکے ہی واپس آؤں گی۔"

سر فیروز کے احتجاج کے باوجود بھی وہ اسے اسٹریچر پر لدوا کر لے گئی۔ اسٹریچر ایک بڑی سی
ویگن میں رکھ دیا گیا۔ دو نوکر اسٹریچر کے قریب بیٹھ گئے اور زوبی خود ہی وین کو ڈرائیو کرتی ہوئی
ڈاکٹر شوکت کے ہسپتال تک لے گئی۔

یہ ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹر شوکت کا ذاتی ہسپتال تھا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کے حالات سنے اور ایک نرس کے ساتھ اُسے اسٹریچر سمیت

آپریشن تھیٹر میں بھجوادیا۔

"ڈاکٹر....!" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بیہوش نہیں ہے۔"

"پھر....!"

"بنا ہوا ہے۔"

"خیر میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔ پندرہ منٹ بعد آپ کو اسکے متعلق بہت کچھ بتا سکوں گا۔"

ڈاکٹر شوکت اسے انتظار کرنے والوں کے کمرے میں چھوڑ کر آپریشن تھیٹر کی طرف چلا گیا۔ مریض میز پر چت پڑا تھا اور نرس اُسے گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر کے آتے ہی وہ باہر چلی گئی دروازہ جو اسپرنگ پر تھا خود بخود بند ہو گیا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کی نبض پر انگلیاں رکھی ہی تھیں کہ اس نے آنکھیں کھول دیں ساتھ ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ڈاکٹر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں حمید ہوں.... کیپٹن حمید۔" مریض نے آہستہ سے کہا۔

"ارے.... حمید.... کیوں....؟" ڈاکٹر شوکت متحیرانہ انداز میں بولا۔

"یہ سب کچھ ایک کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں ہے۔ تم فریدی صاحب کو فون کر کے اطمینان کر سکتے ہو۔ لیڈی زوبی کو یقین دلا دو کہ میں واقعی بیہوش ہوں۔"

"مگر میں اسے مرض کیا بتاؤں گا۔"

"ڈوال پرسنالٹی.... دوہری شخصیت.... اس میں آسانی یہ ہوگی کہ میں خود بخود ہی ہوش میں آؤں گا۔"

"اوہو! تم اس مرض کے متعلق جانتے ہو۔" ڈاکٹر شوکت مسکرایا۔

"ہاں.... آں.... ہم لوگوں کو سب کچھ جاننا پڑتا ہے.... اچھا.... تو ٹھیک ہے نا۔"

"اگر تم سچ بول رہے ہو اور لیڈی زوبی پر اس طرح ڈورے ڈالنے کا ارادہ نہیں ہے تو...."

"یقین کرو دوست.... اگر فریدی صاحب اس سے انکار کر دیں تو تم بعد میں بھی اُسے کر سکتے ہو۔ ویسے بھی شادی شدہ عورتوں سے عشق کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔"

"اچھا...." ڈاکٹر شوکت اسے دوبارہ لٹاتا ہوا بولا۔

پندرہ منٹ بعد اس نے زوبی کو مطلع کیا کہ مریض سچ مچ بیہوش ہے۔

"مرض کی نوعیت کیا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"دوہری شخصیت۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"ایک ذہنی مرض! آدمی سوتے سوتے بیدار ہو کر اپنی پچھلی شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور وہ اُس وقت ایک بالکل ہی الگ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اکثر یہ کیفیت کئی کئی گھنٹوں تک قائم رہتی ہے اور پھر دوسری بار کی نیند اسے پھر اسکی پرانی ذہنی حالت میں واپس لے آتی ہے اور وہ اس نیند سے بیدار ہونے پر اپنی دوسری شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔"

"مگر اُس نے تو جاگتے ہی جاگتے خود کو شہزادہ کہنا شروع کر دیا تھا۔"

"ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی قسم کے ذہنی انتشار کے عالم میں بھی اس قسم کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اگر جاگتے ہی میں دورہ پڑا تھا تو یہ کیس میرے لئے بہت زیادہ دلچسپ ثابت ہوگا۔ آپ انہیں ہوش کی حالت میں بھی کسی دن میرے یہاں ضرور لائیے گا.... اور ہاں دیکھئے۔ یہ بیہوشی بالکل نیند ہی کی طرح ختم ہوگی۔ طبی تدابیر سے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ مریض کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

روشن دان

ہائی سرکل نائٹ کلب میں کرائم رپورٹر انور کرنل فریدی کا منتظر تھا۔ انور ایک جوان سال اور ذہین آدمی تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے متعلق یہ کہنا دشوار ہوتا ہے کہ کب کیا کر گزریں گے۔ بظاہر وہ ایک مقامی اخبار کا کرائم رپورٹر تھا لیکن روزی کا انحصار محض اسی پیشے پر نہیں تھا۔ ورنہ رئیسانہ ٹھاٹھ سے زندگی کیسے بسر کر سکتا۔ دراصل اس کی آمدن کا ذریعہ راشی قسم کے پولیس آفیسرز تھے۔ انور ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کا بھی "حصہ" نکالنے پر مجبور تھے۔ ویسے وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی طرح انور سے بدلہ لیں۔ لیکن ابھی تک انہیں موقع نہیں مل سکا تھا۔ دشواری تو یہ تھی کہ وہ اسے کسی کیس میں پھانس کر عدالت میں

بھی نہیں پیش کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے پر الٹا وہ خود ہی نقصان اٹھا جائیں گے۔ انور ان کے خلاف ایسے ایسے رازوں کا انکشاف کرتا کہ انہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

صرف فریدی ہی ایسا تھا جس کے آگے وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا اور صحیح معنوں میں اس کی عزت کرتا تھا۔ لیکن اس لئے کہ فریدی ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔ بلکہ یہاں بھی اس کی خود سری ڑے آتی تھی اور وہ اس طرح اپنے دل کو سمجھا دیا کرتا تھا کہ فریدی ایک ذہین ترین آدمی اور پختہ ردار کا مالک ہے اسی لئے وہ اس کی عزت کرتا ہے۔

فریدی انور کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اور وہ ایک نہیں درجنوں بار اس سے بہت اہم قسم کے کام لے چکا تھا۔ بعض حالات میں اپنے ماتحتوں سے زیادہ انور پر اعتماد کرتا تھا۔

فریدی نے اُسے موجودہ کیس کی تفاصیل سے آگاہ رکھا تھا اور وہ اس میں بھی انور سے کام لینا چاہتا تھا۔ فریدی دیئے ہوئے وقت سے پندرہ منٹ بعد نائٹ کلب پہنچا۔

"تمہیں انتظار کرنا پڑا۔"

"کوئی بات نہیں۔" انور مسکرایا۔

"حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگ اس تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ کنور جسپال سے تو تم واقف ہی ہو گے۔"

"جی ہاں! اچھی طرح۔"

"وہ بھی ہے۔"

"تب تو....!"

"ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ابھی تک صرف دو کا سراغ مل سکا ہے۔ لیڈی زوبی اور کنور جسپال....!"

"زوبی....!" انور بڑبڑایا۔ "ہاں.... ہو سکتا ہے.... حمید تو شائد وہیں ہے۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے گا۔ آج سہ پہر کو ڈاکٹر شوکت کا فون آیا تھا.... زوبی حمید کو بیہوشی کی حالت میں ہسپتال لے گئی تھی۔"

"بیہوشی کی حالت میں۔"

"ہاں.... غالباً کوئی پلاٹ....!" فریدی مسکرایا۔ "دوہری شخصیت والا ڈرامہ۔ اس نے

ڈاکٹر شوکت کو تنہائی میں بتایا کہ وہ دوہری شخصیت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔"

"اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔"

"پتہ نہیں! حمید احمق نہیں ہے لیکن بے صبرا ضرور ہے۔ جلد بازی میں اکثر بنے بنائے کام بگاڑ دیتا ہے۔"

"میری رائے ہے کہ اسے وہاں سے ہٹا دیجئے۔"

"کیوں....!"

"اب یہ بھی بتاؤں۔" انور مسکرایا۔ "لیڈی زوبی عورت ہے۔ کم عمر ہے اور حسین بھی۔"

"چھوڑو....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تم حمید کو غلط سمجھے ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو خواہ مخواہ اپنی بے راہ روی کا پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کی آدھی بھی نہیں ہوتی۔ خیر اس کی بحث چھوڑ دو۔ میں کنور جسپال کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ وہ اس وقت کہاں ملے گا۔"

"اس حد تک اس سے واقفیت نہیں رکھتا۔" انور بولا۔

"اچھا تو آؤ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا موٹر سائیکل پر آئے ہو۔"

"جی ہاں....!"

"اسے یہیں چھوڑ دو.... واپسی پر لے لینا۔"

وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر کلب کی کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فریدی نے کیڈی ایک پبلک فون بوتھ کے قریب روک دی۔

دونوں اتر کر بوتھ میں داخل ہوئے۔ فریدی نے مشین میں سکہ ڈال کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کیا کنور صاحب موجود ہیں.... اوہ.... کیا اس وقت ملنا پسند کریں گے.... اوہ.... اچھا.... کل کسی وقت.... خیر.... کیا وقت دیں گے.... گیارہ بجے.... اوہ.... اچھا.... دیکھئے سیکریٹری صاحب میرا نام نوٹ کر لیجئے.... کیپٹن اجیت کمار.... نہیں کنور صاحب.... مجھ سے واقف نہیں ہیں.... میں خود ان سے ملنا چاہتا ہوں.... اچھا شکریہ۔"

فریدی نے ریسیور ہک میں لگا دیا۔ وہ باہر آ گئے۔

"صرف پندرہ منٹ....!" فریدی کیڈی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "وہ پندرہ منٹ بعد کہیں

جائے گا.... آؤ....!"

کیڈی پھر چل پڑی۔ اب اس کا رخ کنور جسپال کی اقامت گاہ سمر گھاٹ پیلس کی طرف تھا۔ کنور جسپال ریاست سمر گھاٹ کا حکمران تھا لیکن آئینی تبدیلی کے بعد ریاست تو کسی ضلعے میں ضم ہو گئی تھی اور وہ خود زیادہ تر شہر ہی میں رہنے لگا تھا لیکن اس کی سوشل پوزیشن میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دولت اتنی تھی کہ پشت ہا پشت اطمینان کی زندگی بسر ہو سکتی تھی۔

فریدی نے اپنی کار سمر گھاٹ پیلس سے ایک فرلانگ ادھر ہی روک دی۔ کیڈی سڑک پر تھی اور سمر گھاٹ پیلس کا صرف پھاٹک نظر آرہا تھا۔ کیونکہ پھاٹک پر ایک کافی قوت والا بلب روشن تھا۔

انہیں وہاں پہنچے مشکل سے آدھا منٹ گذرا ہو گا کہ پھاٹک سے ایک کار نکل کر داہنی جانب والی سڑک پر مڑ گئی۔

کیڈی بھی آگے بڑھی۔ سنسان سڑک پر دو کاریں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ اس کار میں جسپال ہی ہو۔" انور بڑبڑایا۔

"اگر اس کے معمولات میں فرق نہیں آیا تو وہ جسپال ہی ہو سکتا ہے گاڑی رولس رائیس ہے اور اس گاڑی کو ہمیشہ وہ خود ہی ڈرائیو کرتا ہے۔"

انور پھر کچھ نہیں بولا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اگلی کار ایک جگہ رک گئی۔ کیڈی بھی رکی اور اب دونوں کاروں میں اتنا ہی فاصلہ تھا جتنا کہ تعاقب کے دوران میں رہا تھا۔

"ارے.... برکلے ہاؤز....!" دفعتاً فریدی بڑبڑایا۔ "وہ برکلے ہاؤز میں گیا ہے مگر کل تک یہ عمارت خالی تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مگر شائد یہ عمارت سر فیروز ہی کی ہے جسے وہ کرائے پر دیتا رہتا ہے۔"

"آپ کو کیسے علم ہے کہ یہ عمارت کل تک خالی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"کیا تم ڈاکٹر ہڈسن والا[1] کیس بھول گئے۔ وہ اسی عمارت میں مقیم تھا اور پھر اُس کی گرفتاری کے بعد سے مقدمے کے اختتام تک یہ عمارت سرکاری تحویل میں رہی ہے اور میرا خیال ہے

[1] اس کیس کے لئے "لاشوں کا سوداگر" جلد نمبر 15 ملاحظہ کیجئے۔

پرسوں تک اس پر سرکاری قبضہ رہا ہے۔"

"پھر....!"

"پھر کیا.... بعض اوقات تم بھی حمید ہی کی طرح گدھے ہو جاتے ہو۔ یہ عمارت سر فیروز کی ہے اور زوبی اس کی بیوی ہے۔ زوبی پہلے ہی سے مشتبہ ہے اور اب جسپال روشنی میں آیا ہے۔ چلو اور ہمیں کسی نہ کسی طرح عمارت میں داخل ہی ہونا پڑے گا۔ وہاں کمپاؤنڈ میں روشنی بھی نظر آرہی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جسپال وہاں چوری چھپے نہیں داخل ہوا۔"

وہ دونوں کیڈی سے اتر کر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک پتلی سی سڑک پر مڑ گیا۔

لیکن وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک تیسرا آدمی بھی ان کے پیچھے چل رہا ہے۔ یہ پتلی سی سڑک دو عمارتوں کے درمیان زیادہ روشن نہیں تھی اور چلنے والا بھی اسی ڈھنگ سے چل رہا تھا کہ تعاقب کا گمان تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

فریدی اور انور برکلے ہاؤز کی پشت پر پہنچ گئے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں اوپر جاؤں گا۔"

عمارت کی پشت کی دیوار پر گرمیوں میں پھیلنے والی جنگلی بیلوں کی خشک اور موٹی جٹائیں جھول رہی تھیں۔ فریدی نے ان میں سے ایک پر زور لگا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر بے تکان اسی کے سہارے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ انور کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ وہ ایک پل کیلئے اوپر تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں دکھائی دیا اور پھر غائب ہو گیا۔

انور کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی اور وہ سیدھا کھڑا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ بہت دور کہیں کہیں روشنی کے دھبے سے نظر آرہے تھے اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں کان پھاڑ رہی تھی۔

وہ آدمی جو فریدی اور انور کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر زمین پر سینے کے بل رینگ رہا تھا۔

❁

برکلے ہاؤز کے ایک کمرے میں پرنس جسپال، سیٹھ گنگولی اور سر جگدیش بیٹھے ہوئے تھے اور

زوبی جو پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر آرہی تھی میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے آگے کی طرف جھکی ہو
اُن کے چہروں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس اسکیم میں کوئی خامی ہے۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں خامی تو نہیں ہے..... مگر.....!" سیٹھ گنگولی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"نہیں اگر آپ کو اس سے اختلاف ہے تو بے دھڑک اظہار خیال کیجئے۔" زوبی نے کہا۔

"اختلاف تو نہیں ہے مگر میں سوچتا ہوں کہ اس کا اثر تجارتی پالیسی پر کیا پڑے گا۔"

"ٹھیک تو ہے گنگولی صاحب۔" کنور جسپال بولا۔ "اگر دونوں ملکوں کے تعلقات خرا
ہو جائیں تو تجارتی پالیسی کا اعلان ہرگز نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کا انحصار سراسر اُسی ملک پر ہے۔"

"آہا.... اب میں سمجھ گیا۔"

"مگر لیڈی زوبی آپ نے جو کام میرے سپرد کیا ہے۔" کنول جسپال جملہ ادھورا ہی چھوڑ
کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "اچھا خیر..... اسے بہرحال ہونا ہی ہے، خواہ کوئی صورت ہ
میری طرف سے مطمئن رہئے۔"

"اور میں بھی یقین دلاتا ہوں۔" سر جگدیش بولا۔

البتہ سیٹھ گنگولی کے چہرے پر اب بھی تشویش کے آثار تھے۔ زوبی نے اس پر اچٹتی سی ن
ڈال کر کہا۔ "کیا آپ کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہاں.... میں محسوس کر رہا ہوں کہ اُسے دھوکہ دینا آسان نہیں۔"

"دھوکا....!" زوبی مسکرائی۔ "ارے وہ اسے دھوکا ہرگز نہ سمجھے گا جس ملک کی مخالفت آ
کرانا چاہیں گے، اُس سے تو تاجروں کی یونین پہلے ہی بدظن ہیں۔ یقین کیجئے کہ سیکریٹری آپ
اُس دن سے دیوتا سمجھنے لگے گا جب آپ اس کے سامنے یہ اسکیم رکھیں گے تو کچھ تعجب نہیں
وہ آپ کو پوجنے ہی لگے.... اور یہ بھی سن لیجئے کہ اگر وہ پکڑا گیا تو کبھی یہ نہ کہے گا کہ وہ آپ
ورغلایا ہوا تھا۔"

زوبی خاموش ہوگئی۔ کنور جسپال اور سر جگدیش بھی گنگولی کو سمجھانے لگا۔ اور اس نے کا
دیر بعد آمادگی ظاہر کی۔

"اب ایک دوسری بات۔" زوبی نے کہا۔ "یہ آپ لوگوں کی اطلاع کے لئے ہے۔" ک

شاد کو اب تنظیم سے الگ ہی سمجھے گا۔"

"کیوں....!" سب نے بیک وقت حیرت ظاہر کی۔

"وہ تنظیم سے بدظن ہو گیا ہے۔"

"تب پھر اُسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" جسپال بولا۔

"طاقت کا حکم اسکے برعکس ہے۔ طاقت کا کہنا ہے کہ اب اُس سے کوئی سروکار ہی نہ رکھا جائے۔"

"یہ حکم الجھن میں ڈالنے والا ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔

"کیوں! نہیں میرا خیال ہے یہ طاقت کی ایک بہترین تجویز ہے۔ وہ اس طرح تنظیم کو استحکام
شا چاہتا ہے۔ یہ چیز تو تنظیم کے استحکام کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر ہم اس کے کسی مخالف کو اس
ے حال پر چھوڑ دیں۔ خود آپ ہی سوچئے کیا وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت مہیا کر سکے گا۔"

"نہیں! ہمارا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔"

"پھر.... ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اُس کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ بس اس کی بے بسی کا
ماشہ دیکھتے رہئے۔ یہ تنظیم کے لئے ایک قسم کا امتحان بھی ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر وہ تنظیم کو
قصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیں اپنے وہ رخنے بھی بند کرنے کا
وقع ملے گا جن پر ہماری نظر بھی نہیں پڑی ہے۔"

"طاقت اس صدی کا بہترین دماغ ہے۔" کنور جسپال نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

"اور لیڈی زوبی کے متعلق کیا خیال ہے۔" سر جگدیش مسکرا کر بولا۔

"یہ ایک ایسی طاقت ہیں کہ دل بے اختیار کھنچے چلے جاتے ہیں۔" کنور جسپال نے کہا اور سیٹھ
نگولی بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

❁

فریدی نے روشن دان میں خفیف سا درز کر رکھا تھا اور اس دوران میں اُس نے ان کی گفتگو کا
ایک ایک لفظ سنا تھا۔

کبھی کبھی وہ مڑ کر پیچھے کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ لیکن اس وقت تو اس کی تمام تر توجہ کمرے
ہی کی طرف تھی۔ جس وقت ایک طویل القامت سایہ اس پر جھپٹا تھا فریدی نے اپنے داہنے بازو
پر ایک ٹھنڈی سی تکلیف محسوس کی وہ بڑی پھرتی سے مڑا لیکن حملہ آور اپنا کام کر چکا تھا۔ خنجر

اس کے بازو سے نکل کر چھت پر گرا۔ حملہ آور کی گردن اُس کے بائیں بازو میں بھنچی ہوئی تھی لیکن حملہ آور بھی کمزور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے فریدی کی گرفت سے نکلنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے داہنے ہاتھ سے اس کی ناک پکڑ کر اینٹھ دی۔ ساتھ ہی اُس کا روشن دان میں ٹھونسنے لگا۔ وہ تو اتفاقاً اس کا ہاتھ اس کی ناک پر جا پڑا تھا۔ ورنہ حملہ آور کو بے بس کرنا اتنا آسان کام نہ ہوتا۔ فریدی نے اسے سینے تک روشندان میں ٹھونس دیا اور پھر اچھل کر بڑی تیزی سے چھت کے اُس سرے کی طرف پہنچا جدھر سے اوپر آیا تھا۔

نیچے اترتے ہی اندھیرے میں کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور وہ بوکھلا کر اس پر جھک پڑا۔ کیا وہ انور کی لاش تھی؟ فریدی کے سر میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ اُس نے انجام کی پرواہ کئے بغیر جیب سے ٹارچ نکالی۔

انور زمین پر اوندھا پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس کے سر کی پشت پر ایک بڑا زخم تھا جس سے خون نکل کر چاروں طرف جم گیا تھا۔

فریدی نے ٹارچ بجھا کر جیب میں ڈالی اور انور کو کاندھے پر ڈال کر دوڑنے لگا۔ وہ اپنے بازو کا زخم بھول گیا تھا نہ جانے کس طرح وہ اپنی کار تک پہنچا۔

❁

وہ سب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ انہیں اوپر روشن دان میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ان کے خیال کے مطابق ان پر کودنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا آدھا دھڑ کمرے میں داخل ہو چکا تھا اور وہ اس طرح اپنے دونوں ہاتھ ہلا رہا تھا جیسے بقیہ جسم کو روشن دان سے نکال کر نیچے آنا چاہتا ہو۔

"ہائیں....!" لیڈی زوبی حیرت سے بولی۔ "یہ تو ضرغام معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں ہے تو وہی....!" کنور جسپال نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس نے اسے آواز دی "ضرغام"

اس بڑے کمرے کی چھت عمارت کی دوسری چھتوں سے زیادہ اونچی تھی۔

"ضرغام کے بچو! اوپر آؤ۔" ضرغام چنگھاڑا۔

"اس حرکت کا کیا مطلب۔" سر جگدیش نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ آدمی بہت بد تمیز ہے میں اسے قطعی پسند نہیں کرتا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ روشندان میں پھنس گیا ہے۔" زوبی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ویسے وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں ہے کہ اس روشندان سے نیچے آنے کی کوشش کرے اور پھر اونچائی کتنی زیادہ ہے۔ شائد کوئی پاگل ہی اوپر سے کودنے کی کوشش کرے۔ کوئی گڑبڑ ضرور ہے سر جگدیش....!"

"کیا تم اوپر نہیں آؤ گے۔" ضرغام پھر غرایا۔

"ہم آرہے ہیں۔" زوبی نے چیخ کر جواب دیا اور ساتھیوں سے بولی۔ "اس کی ناک بھی زخمی معلوم ہوتی ہے.... یہ دیکھئے.... فرش پر خون کی بوندیں۔"

وہ بڑی سراسیمگی کے عالم میں چھت پر پہنچے۔ ضرغام داہنے پیر کا گھٹنا ٹیک کر روشندان سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بایاں پیر ہلتا بھی نہیں تھا۔ دوسرے پیر کو استعمال کرتا تو کبھی کا اس مصیبت سے نجات پا گیا ہوتا۔

اُن لوگوں نے اُسے کسی نہ کسی طرح روشندان سے نکالا۔

"میرا بایاں ٹخنہ اکھڑ گیا ہے سمجھے!۔ ورنہ میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔" ضرغام نے جھلائے ہوئے لہجے میں "یہاں فریدی تھا۔"

"فریدی....!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا اور پھر وہ اس طرح خاموش ہوگئے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو.... وہ ضرغام کو نیچے لائے۔

ضرغام بُری طرح برس رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہاری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہوگا کیونکہ وہ آدھے گھنٹے تک اوپر رہا ہے۔"

"لیکن تم ادھر کیسے آنکلے تھے۔" زوبی نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

"میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اسے مار ڈالوں گا۔ اس وقت ہائی سرکل کلب سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ میں اسے مار ڈالوں گا۔ خدا کی قسم....!"

"فریدی....!" سیٹھ گنگولی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ تو بہت بُرا ہوا۔"

"پرواہ نہ کیجئے۔" لیڈی زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ہمارا کچھ کرسکتا ہوتا تو بھاگ کیوں جاتا۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کی بکواس کون سنے گا۔ ہمارے خلاف وہ جو کچھ بھی کہے گا بکواس ہی سمجھی جائے گی۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ اب ہمیں کوئی دوسری اسکیم سوچنی پڑے گی۔

موجودہ اسکیم تو اب کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

اظہارِ عشق

حمید اپنے کمرے میں بیہوش پڑا تھا۔ اب بھی بیہوش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ سرفیروز کسی ایسی بیوہ عورت کی طرح اس کے سر پر مسلط تھا جس کا اکلوتا لڑکا مر گیا ہو۔ حمید کئی بار دل ہی دل میں اسے بے نقطہ سنا چکا تھا۔

تقریباً چار گھنٹے سے اس نے پائپ نہیں پیا تھا اور اب اسکی روح کو بھی جمائیاں آنے لگی تھیں۔

"ابے اب کھسکو بھی اُلو کے پٹھے۔" اس نے ایک بار پھر دل ہی دل میں کہا۔ لیکن سرفیروز کوئی نوجوان لڑکی تو تھا نہیں کہ دل کی زبان سمجھ لیتا۔ وہ بدستور اس کے سرہانے جما رہا۔

آخر تنگ آکر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔ کم از کم چار پانچ گھنٹے تو گذر ہی گئے تھے۔

بہر حال وہ ہوش میں آگیا۔ اس انداز میں آیا جیسے وہ کمرے میں تنہا ہو۔

"شکر ہے.... شکر ہے۔" سرفیروز جلدی سے بولا اور حمید اچھل پڑا۔

"اوہو.... آپ....!" حمید بوکھلائے ہوئے انداز مین بولا۔ "آپ یہاں....!"

"کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ تم میرے سیکریٹری ہی ہونا۔"

"جناب والا....!"

"گڈ.... تو اس کا مطلب یہ کہ اب تم دورے کی حالت میں نہیں ہو۔"

"کیسا دورہ....!" حمید پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"سب ٹھیک ہے.... گڈ.... تم شہزادے تو نہیں ہو۔"

"شہزادہ.... میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ.... کچھ نہیں سب ٹھیک ہے۔ شروع ہو جاؤ۔ دو دو آنے چار چار آنے۔"

"دو دو آنے.... چار چار آنے۔" حمید نے دہرایا۔

"ویری گڈ....!" سرفیروز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا جناب۔"

"تم سچ مچ بیہوش ہو گئے تھے یا زوبی کو اُلو بنا رہے تھے۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں بیہوش! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ویسے مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہے کہ آج ہادت سو گیا۔ امید ہے کہ آپ معاف فرما دیں گے۔"

سرفیروز کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔ لیکن یہ کیفیت جلد ہی رفع ہو گئی۔

"اچھا اب تم آرام کرو۔ آج ہم رات بھر مینڈھے لڑائیں گے۔" اس نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"رات بھر مینڈھے لڑاؤ گے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ضرور بیٹے خاں۔ آج کی رات بری ہے۔"

اس نے پائپ میں تمباکو بھری اور اسے سلگا کر آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس کا ذہن کچھ نئے پلاٹ مرتب کر رہا تھا مگر دشواری یہ تھی کہ فریدی کا مشورہ لئے بغیر کوئی نیا اقدام ناممکن تھا.... رہ گئی بیہوشی والی حرکت تو وہ ایک ضمنی سی چیز تھی۔

رات کے کھانے کی میز پر سرفیروز سے ملاقات نہیں ہوئی اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی بھتیجیاں عالیہ، شہزاد اور نوشابہ موجود تھیں۔ کھانے کے دوران وہ کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھتی رہی تھیں لیکن کوئی کچھ بولی نہیں تھی۔

کھانے کے بعد کافی پیتے وقت عالیہ جو خود کو سب سے زیادہ شریر ثابت کرنے کی کوشش کرتی تھی بولی۔

"بعض لوگ واقعی بہت چالاک ہوتے ہیں۔"

دونوں لڑکیاں چند لمحے اُسے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی رہیں۔ پھر بولیں۔

"جملے کی وضاحت کرو۔"

"مثلاً.... آپ....!" عالیہ نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"مثلاً میں...." حمید نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا چالاکی دیکھی ہے آپ لوگوں نے۔"

"کیا دوپہر کی بیہوشی ڈھونگ نہیں تھی۔" عالیہ نے کہا۔

"سر فیروز بھی میری بیہوشی کا حوالہ دے چکے ہیں۔" حمید تشویش آمیز لہجے میں بولا "لیکن ان کی بات کا کیا اعتبار۔ کیا میں حقیقتاً بیہوش ہو گیا تھا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"دیکھئے.... میں آپ لوگوں سے زیادہ ہنس سکتا ہوں۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو آپ ہنستے ہنستے مر جائیں گی.... سمجھیں۔"

"تم خود مرو گے اور بہت جلد مرو گے۔ چچی کا چمڑے کا چابک... ملک الموت سے کم نہیں۔"

"چچی، چمڑا، چابک!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اور چ سے کیا ہوتا ہے۔ چھچھوندر.... چغد.... چمگادڑ.... چور.... چمار.... ہاہا....!"

"اچھا! تم یہ سب کچھ چچی کو کہہ رہے ہو.... اچھا اچھا....!" شہر زاد بولی۔

"آپ کا نام بھی چ سے چہر زاد ہونا چاہئے تھا۔"

"نہیں چھچھوندر....!" عالیہ نے دبی زبان سے کہا اور شہر زاد اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگی۔

یہ تینوں مختلف والدین سے تھیں اور سر فیروز لاولد ہونے کی بناء پر اپنے بھائیوں اولادوں میں سے کسی نہ کسی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

"ہاں.... ہاں.... ارے.... ارے۔" حمید بیچ بچاؤ کرانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ "حالانکہ لفظ چھچھوندر بہت بُرا ہے لیکن پھر بھی آپ سے استدعا کروں گا کہ محترمہ عالیہ کو معاف کر دیجئے۔"

شہر زاد کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

حمید اس کا اسکریو کستا رہا۔ "اپنی طرف تو دشمنوں کو بھی چھچھوندر نہیں کہتے کیونکہ اس ماں کی عزت پر حرف آتا ہے۔ چھچھوندر ہماری طرف اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی ماں کو آدا کا طعنہ دینا ہوتا ہے۔"

عالیہ برابر ہنستی رہی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس نے دوبارہ شہزاد کو چھچھوندر کہہ دیا۔ شہر زاد کا بھرپور ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔ بس پھر دونوں لپٹ پڑیں۔ عالیہ نے اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔

نوشابہ انہیں الگ کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی لیکن ان دونوں پر تو جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ کسی طرح بھی ایک دوسری کو نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

حمید دور ہی کھڑا ہائیں ہائیں کرتا رہا۔

نوشانہ نے بڑی دشواری سے انہیں الگ کیا اور شہر زاد کو دھکیلتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ عالیہ پھر اس کی طرف جھپٹ رہی تھی۔ حمید درمیان میں آ گیا۔

"تم ہٹ جاؤ۔" عالیہ اسے دھکیلتی ہوئی بولی۔

"آپ میری لاش ہی پر سے گذر کر محترمہ شہر زاد کی طرف جا سکیں گی۔"

"محترمہ....!" عالیہ نے دانت پیس کر سخت لہجے میں کہا۔

"چلئے.... چلئے....!" حمید اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "دل تو نہیں چاہتا کہ آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچاؤں مگر آپ خطرناک ہو گئی ہیں۔"

وہ اسے اس کے کمرے تک پہنچا کر پھر ڈرائینگ روم میں واپس آ گیا کیونکہ ابھی اسے کافی کا کپ اور پینا تھا۔ عالیہ اپنے کمرے کی طرف جاتے وقت واپسی کے لئے مچل تو ضرور رہی تھی لیکن اس کے اس رویے میں جان نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے شہر زاد سے کمزور تھی۔

نوشابہ بھی ڈرائینگ روم میں واپس آ کر اپنے لئے کافی کا دوسرا کپ تیار کرنے لگی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "دوسرے سیکریٹریوں کی طرح بھاگوں گا نہیں۔"

"وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ تم نہیں بھاگو گے خواہ کوٹھی ہی ویران ہو جائے۔"

"یہاں میرا دل لگ گیا ہے۔"

"لگنا بھی چاہئے۔ لیکن تم چچا جان سے کوئی رقم نہ وصول کر سکو گے۔ حساب کتاب سب چچی جان کے ہاتھ میں رہتا ہے۔"

"ہائیں تو کیا میں بے تنخواہ کام کر رہا ہوں۔"

"نہیں.... تنخواہ تو ملے ہی گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اوپر سے کچھ نہ اینٹھ سکو گے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی فراڈ سمجھتی ہیں۔"

"تم نے ان دونوں کو کیوں لڑا دیا۔"

"آہ.... یہ نہ پوچھئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....!"

"جب میں....!" وہ رک رک کر بولا۔ "آپ کی .... طرف دیکھتا ہوں.... تو وہ دونوں.... مجھے گھورنے لگتی ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"اب.... مطلب.... کچھ نہیں.... شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔ اگر نہیں ہوا تو ہو جاؤں گا.... یقیناً مجھے بھاگنا پڑے گا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے ان دونوں میں جھگڑا کیوں کرا دیا۔"

"کیا آپ مجھے کافی نہ دیں گی۔ میں دنیا کا مظلوم ترین انسان ہوں۔"

"تم.... نہ جانے کیا ہو۔ اگر اس وقت بیہوش نہ ہو جاتے تو چچی....!"

"ہاں کیا.... پھر وہی بیہوشی۔ کیا میں حقیقتاً کبھی بیہوش ہوا تھا۔"

"پتہ نہیں.... میرے دماغ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ تم سے گفتگو کر سکوں۔" اس نے کافی بنا کر حمید کی طرف کپ کھسکا دیا۔

"شکریہ.... لیکن.... آپ بار بار چچی کی دھمکی کیوں دیتی ہیں۔"

"اگر وہ چاہیں تو تم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

"اور آپ کیا چاہیں گی۔"

"میں.... کیوں! میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"کیا سیکریٹری کی عدم موجودگی میں آپ لوگوں کو بور نہیں ہونا پڑتا۔"

نوشابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتی رہی پھر بولی۔

"عالیہ چچی کی ناک کا بال ہے۔ وہ ان سے ضرور کہے گی کہ تم نے اسے شہزاد سے لڑوا دیا۔"

"مجھے آپ کی چچی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ میں آپ کے چچا کا سیکریٹری ہوں۔"

نوشابہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ اس طرح مسکرا رہی ہیں جیسے میں نے کوئی حماقت آمیز بات کہہ دی ہو۔"

"قطعی حماقت آمیز۔ کیونکہ ہوگا وہی جو چچی چاہیں گی۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ چچا جان اُن سے کتنے خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"خوفزدہ کیوں رہتے ہیں۔"

"کیا اب تم نجی معاملات میں بھی دخیل ہونا چاہتے ہو۔"

"آپ بالکل غلط سمجھیں ہیں۔ میں صرف اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ملازمت....!" وہ پھر تلخ انداز میں مسکرائی۔

"کیوں! بھئی آپ کی مسکراہٹ....!"

"تم ملازمت کے لئے یہاں ہو یا تفریح کے لئے۔"

"یہ کیا بات ہوئی اسے جملہ سمجھوں یا کسی معمے کا اشارہ نمبر چار سو بیس... دائیں سے بائیں۔"

"تمہیں ملازمت کی ضرورت تو نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

حمید اس جملے پر بوکھلا گیا۔ لیکن چہرے سے کیا ظاہر ہوتا؟ کیونکہ چہرے پر تو پلاسٹک میک اپ تھا البتہ اس نے آنکھیں ضرور بند کر لیں اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تم کوئی کالج اسٹوڈنٹ ہو اور تفریح کے لئے یہاں آگھسے ہو۔" نوشابہ بولی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

"نہیں آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں اسٹوڈنٹ ضرور تھا مگر اب نہیں ہوں۔ بعض مجبوریوں کی بناء پر مجھے ایم۔ اے کا دوسرا سال چھوڑنا پڑا۔ یہ ملازمت میں نے اس لئے پسند کی ہے کہ مجھے پڑھنے کا وقت بھی ملتا رہے گا.... مگر میں.... میں بالکل اُلو ہوں۔ جہاں آپ موجود ہیں وہاں شاعری کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" حمید کی آواز دردناک ہو گئی۔ "میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"کیوں میری وجہ سے کیوں! میں نے کیا کیا ہے۔"

"آپ نے کچھ نہیں کیا۔ قصور میرا ہی ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"میں نے آپ کو کیوں اپنے ذہن میں گھسنے دیا۔" حمید نے مغموم آواز میں کہا اور اس کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

"اوہ.... گدھے کہیں کے۔" نوشابہ جھینپے ہوئے لہجے میں بولی اور ڈرائینگ روم سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ کر عالیہ کے کمرے کے دروازے پر آیا جو اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی۔

"میں ہوں۔" حمید نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"تم کیوں ہو۔" اندر سے عالیہ بولی۔ پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ہاں یہ حرکت تمہاری ہی تو تھی۔"

"بہر حال میں محترمہ شہرزاد کو اتنا بد تمیز اور بد اخلاق نہیں سمجھتا تھا۔"

"ارے.... وہ پکی کمینی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔"

"جی ہاں.... ورنہ مذاق ہی مذاق میں کیا نہیں ہو جاتا۔ ویسے شائد.... میں آج رات بھر نہ سو سکوں۔ مجھے دلی اذیت پہنچی ہے۔"

"اچھا اب جاؤ مجھے بور نہ کرو۔"

"آپ نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔"

"کیا....؟"

"جادو.... میں مر جاؤں گا۔"

"دُفر! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیا سچ مچ چچی کا چابک بھول گئے۔"

"یاد کرنیکی کوئی بات بھی ہوتی۔ ایک بھی میرے جسم پر نہیں پڑا۔ میں آپ سے.... محبت....!"

"محبت.... محبت! میں سمجھی۔" اس نے جھپٹ کر حمید کا کان پکڑ لیا پھر اس کے چہرے دوسری طرف موڑتی ہوئی بولی۔ "جاؤ.... سو جاؤ صبح محبت کا جواب دوں گی۔"

دروازہ حمید کی کھوپڑی سے ٹکرایا کیونکہ وہ بند ہو چکا تھا۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا اپنی کھوپڑی سہلاتا رہا پھر شہرزاد کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ ا نے دروازے پر دستک دی۔

"کیا ہے....!" اندر سے جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"میں ہوں محترمہ شہرزاد....!" حمید نے رودینے والی آواز میں کہا۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ شہرزاد بڑے پھولوں والے سلیپنگ گاؤن میں تھی۔

"فرمائیے محترم....!" اس نے اپنے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"آخر آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں۔"

"شروعات تو آپ ہی نے فرمائی تھی۔"

"میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ محترمہ عالیہ اس طرح آپ کی توہین یں گی۔ آہ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ غالباً کل وہ اس معاملے کو چچی کے سامنے پیش کریں۔"

"میں اُس سور کی بچی زوبی سے بالکل نہیں ڈرتی۔"

حمید نے دل میں کہا۔ "وہ مارا.... کام بن گیا۔"

"آپ ڈریں ہی کیوں۔" وہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ سارا معاملہ سر فیروز ہی کا بگاڑا ہوا ہے۔ آخر وہ ان سے اتنے خائف کیوں رہتے ہیں۔"

"انکی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔" شہرزاد دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔ "بیٹھ جاؤ۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شہرزاد کہہ رہی تھی۔ "سب کچھ زوبی کے قبضے میں ہے وہ ان ے سادے چیکوں پر دستخط لے کر بہت بڑی بڑی رقمیں بینک سے نکالتی ہے اور ان رقموں کا کیا تا ہے.... خدا جانے۔"

"اوہ.... یہ تو بہت بُرا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بُرے سے بھی بُرا اور چچا جان اس سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے اُن کا رزق اسی کے ہاتھ یں ہو۔"

"چچ چچ....!" حمید نے افسوس ظاہر کیا۔

"تم یہ نہ جان سکو گے کہ زوبی ہی کسی سیکریٹری کو نہیں ٹکنے دیتی۔ نہ جانے کیوں وہ اس گھر یں کسی باہری آدمی کا وجود نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے برخلاف چچا جان ہمیشہ ایک ایسے آدمی کے لئے کوشاں رہتے ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تفکرات ہی کی بناء پر ان کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے شبہ ہے۔"

"کس بات میں۔" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"اسی میں کہ اُن کا دماغ خراب ہے۔"

"ارے.... وہ تو صاف ظاہر ہے۔ محترمہ شہرزاد! ورنہ اتنا بڑا آدمی اور اس طرح کھلونوں کی دوکان سجاتا پھرے۔"

"خیر.... اگر تم یہاں کچھ دن رہ گئے تو خود ہی دیکھ لو گے۔"

"کیا دیکھ لوں گا۔"

"میرا سر....!" شہرزاد جھلا گئی۔

"وہ تو دیکھ ہی رہا ہوں۔ آہ آپ کا سر....! آپ کی گھونگھریالی زلفیں.... یہ پیشانی جیسے آدھا چاند بادلوں سے جھانک رہا ہو۔ محترمہ شہرزاد میں پاگل ہونے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"ہوش میں ہوتا تو یہ کیوں کہتا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"یہاں سے چلے جاؤ۔"

"آہا! کل تو مجھے کوٹھی ہی سے نکلنا پڑے گا۔ لیڈی زوبی....!"

"کیا تم بھی اُس سے ڈرنے لگے ہو۔"

"آج دیکھا آپ نے۔ اگر ایک چابک بھی میرے جسم پر پڑ جاتا تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑتی۔"

"میں نے دیکھا تھا تم بہت پھرتیلے ہو۔ بہت زیادہ اور اسی لئے میں تمہیں ڈرپوک بھی نہیں سمجھتی۔ تم اس وقت بھی اس سے بڑی بے پروائی سے گفتگو کر رہے تھے جب وہ چابک ہلاتے ہلاتے جھک گئی تھی۔"

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے نہ جاؤں۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔"

"میں وجہ ضرور پوچھوں گا محترمہ شہرزاد....!"

"میں سوچتی ہوں کہ تم پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم سب کا خیال ہے کہ تم کوئی اسٹوڈنٹ ہو اور محض ایڈونچر کی خاطر یہاں آگھسے ہو۔ کیونکہ چچا جان کی جھک سارے شہر میں

شہور ہے۔"

"آہم....! آپ بھی یہی سمجھتی ہیں۔ اچھا پھر....!"

"ایڈونچر کی خاطر میں تمہارے لئے ایک اچھا موقع فراہم کر سکتی ہوں۔"

"میں تیار ہوں۔"

"ہم زوبی کے کمرے کی تلاشی لیں گے۔"

"آہم.... کس لئے محترمہ شہرزاد۔"

"بس یونہی.... میں وجہ نہیں جانتی۔ بس دل چاہتا ہے۔ چچا جان اس سے بہت خوفزدہ رہتے ہا۔ لیکن انداز زن مرید شوہروں کا سا نہیں ہے۔ میں نے بہتیرے مرد دیکھے ہیں جو اپنی بیویوں ے ڈرتے ہیں لیکن تم خود سوچو! کیا ایسے شوہر اپنے بیویوں کے سادہ چیکوں پر دستخط بھی کرتے ال گے۔ آخر چچا جان ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

"آپ بہت ذہین ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی اور کی اس پر نظر نہ پڑی ہوگی۔"

"اس معاملے میں تم مجھ سے متفق ہو نا۔"

"میں متفق ہوں۔ لیکن آپ تلاشی کیوں لینا چاہتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ زوبی چچا جان کو بلیک میل کر رہی ہے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین ہیں۔ ہو سکتا ہے.... مگر تلاشی۔"

"پوری بات سنو۔" شہرزاد جھلا گئی۔ حمید خاموش ہو گیا اور بولی۔ "ہو سکتا ہے اس کے قبضے ں کچھ ایسا مواد ہو۔ میرا مطلب بلیک میلنگ اسٹف....!"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی مدد کروں گا۔"

"شائد آج رات زوبی واپس نہ آئے گی۔ مگر کمرے کا قفل....!"

"آپ قفل کی پرواہ نہ کیجئے۔" حمید نے کہا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

خوفناک دھماکہ

فریدی نے بیہوش انور کو صوفے پر ڈال دیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں پہنچ چکا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ ڈاکٹر انور کا زخم دیکھنے لگا اور فریدی نے اپنے بازو کا زخم خود ہی دیکھنا شروع کر دیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اس نے خود ہی اسے صاف کر کے بائیں ہاتھ سے بینڈیج کر لی۔ ڈاکٹر کی موجودگی ہی میں انور کو ہوش آ گیا تھا لیکن وہ خاموش پڑا رہا۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی بڑبڑانے لگا۔

"میں بالکل گدھا ہوں۔ اچھا خاصا دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قریب ہی آہٹ محسوس ہوئی اور میں کچھ ایسا خالی الذہن ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ آگے بڑھ گیا اور پھر ظاہر ہے۔ بے خبری میں یہی یہی حشر ہوتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی اپنی آستین الٹ کر بینڈیج کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "ہم بھی حماقت سے خالی نہیں ہیں۔"

"کیا ہوا۔"

"خنجر.... اتفاقاً نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ زندگی کی آخری رات ہوتی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ یہ معلوم ہی ہو گیا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں اور لسٹ میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا پرنس شمشاد....!"

"پرنس شمشاد....!" انور نے حیرت سے دہرایا۔

"ہم پرنس جسپال کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ قریب قریب سبھی چوٹی کے لوگ ہیں۔ سر جگدیش، سیٹھ گنگولی، زوبی تو موجود تھی ہی۔ وہ بھی تنظیم میں کسی بڑی حیثیت کی مالک معلوم ہوتی ہے۔ پرنس شمشاد موجود نہیں تھا اور اس کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ تنظیم سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ یہ آدمی اپنے کام کا معلوم ہوتا ہے اور سنو.... اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تجارتی پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے آئندہ کون سا طریقہ اختیار کریں گے۔"

"کیا....!"

"کچھ نہیں.... اب شائد ہی وہ اسے بروئے کار لائیں۔ اس لئے اس کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ یہ بھی عجیب معاملہ ہے۔ مجرم سامنے ہیں لیکن میں انہیں گرفت میں نہیں لے سکتا۔"

"کیوں....؟ کیا دشواری ہے۔"

"ثبوت.... ثبوت کہاں سے مہیا کروں گا اور ثبوت مہیا کئے بغیر ان میں سے کسی کو ہاتھ لگانا دردسری ہی ثابت ہو گا۔ نہیں ان پر ہاتھ ڈالنا ویسے بھی فضول ہی ہو گا۔ اس طرح ہم اس اصل

مجرم تک نہ پہنچ سکیں گے جس نے تنظیم کی داغ بیل ڈالی ہے۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... اوہ.... تم کیوں؟ واقعی.... شاباش.... اچھا فرزند.... میں اُسے ہر قیمت پر اسی وقت حاصل کرنا چاہوں گا۔ تم کسی نہ کسی طرح اُسے لے کر عقبی پارک میں پہنچ جاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔ تم نے ایک بہترین کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر دبے ہوئے جوش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چلو ایک مشین تو ہاتھ لگی۔"

"کیسی مشین.... کون تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"حمید نے ویسی ہی ایک مشین زوبی کی خواب گاہ سے برآمد کر لی ہے جیسی اس نے جیمس اینڈ مارٹن تمباکو فروش کی دوکان میں دیکھی تھی۔ اچھا انور اب تم آرام کرو۔ میں اس سے اسی وقت ملوں گا۔"

"میں بھی چلوں۔"

"نہیں.... ضرورت نہیں۔"

پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کا زخمی بازو اب بہت زیادہ تکلیف دہ ہو گیا تھا اور اسٹیئرنگ کرنے میں کافی دشواری محسوس ہو رہی تھی لیکن اُسے شاید اپنے پیشے سے انس ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کیڈی منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ سر فیروز کی کوٹھی کا عقبی پارک سنسان پڑا تھا۔ اس کا رقبہ چار فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہو گا اور اندھیری رات میں یہاں کسی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں بھٹکتا پھرے۔ معلوم نہیں حمید کس حصے میں ہو گا۔

اُس نے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھ کر سسکی سی لی اور چاروں طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

اچانک اسے تھوڑے ہی فاصلے پر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک درخت کے تنے سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا۔

آنے والے اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک گئے۔ پانچ آدمیوں کے دھندلے مجسمے۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ فریدی نے صاف پہچان لیا۔ بولنے والی زوبی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے۔ لیڈی زوبی۔"

"نیا سیکریٹری.... اب مجھے یقین آگیا ہے کہ وہ فریدی ہی کا کوئی جاسوس ہے۔ میں اسے یہاں لاؤں گی اور تم لوگ اسے اٹھا کر وہیں لے جاؤ گے۔"

فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ پانچ سایوں میں سے ایک عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁

حمید کے لئے کوٹھی سے نکلنا مشکل نہیں تھا کیونکہ کوٹھی میں کتے نہیں تھے۔ مشین اس نے حاصل کرلی تھی البتہ شہزاد کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہ حاصل کرسکی جو اس کے خیال کی تائید کرتی۔

کوٹھی میں ہر طرف سناٹا تھا۔ کلاک نے ڈیڑھ بجائے اور حمید عقبی پارک کی طرف روانہ ہوگیا۔ پارک میں پہنچ کر اسے بہر حال خود کو چھپانا تھا کیونکہ زوبی باہر تھی حالانکہ عقبی پارک کی طرف سے اسکی واپسی کا امکان نہیں تھا پھر بھی حمید احتیاطاً درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گیا۔

ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اچانک کسی اُلو کی تیز آواز سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ اسی قسم کی دوسری آواز پر حمید کو چونکنا پڑا.... تیسری.... چوتھی.... اور پانچویں.... آوازوں نے تو اسے اچھی طرح ہوشیار کردیا۔

اور وہ قریب کی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

آواز ایک بار پھر سناٹے میں لہرائی اور یک بیک حمید بھی اُلو ہوگیا۔ اس کے حلق سے بھی اسی قسم کی چند آوازیں نکل کر فضا میں منتشر ہوگئیں جن کا جواب فوراً ہی ملا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

اُسے یقین تھا کہ اس نے غلطی نہیں کی۔ اُلو کی سی آوازیں نکالنے والا فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک مخصوص اشارہ تھا اور فریدی کی اپنی ایجاد.... وہ مختلف قسم کے پرندوں اور جانوروں کی آوازیں نکالنے پر قادر تھا اور اکثر انہیں محض اشاروں کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ اُلو کی آواز کا یہ مطلب تھا کہ "خطرہ ہے چھپ جاؤ۔"

اس نے پھر وہی آواز سنی۔ اس بار آواز بہت قریب سے آئی تھی شاید فریدی اس کی آواز

ہی اس تلاش میں چل پڑا تھا۔ حمید کو بھی پھر اُلو بننا پڑا۔ اُسے یہ حرکت انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن یہ طریقہ پہلے بھی کئی بار کارآمد ثابت ہوچکا تھا۔ اس لئے اس کی افادیت سے تو انکار کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ اُسے وہ واقعہ بھی یاد آگیا جب ایک بار فریدی کو اندھیرے میں کتوں کی طرح بھونکنا پڑا تھا اور اس حرکت کی بناء پر ایک بہت بڑی کامیابی اس کے حصے میں آئی تھی۔

جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور کسی نے آہستہ سے کہا۔ "حمید تم ہو۔"

"نہیں میں اس کی مادہ ہوں۔" حمید چہک کر بولا۔

"ہاں.... مشین بھی ہے لیکن وہ میرے علاوہ اور کسی پر شبہ نہیں کرے گی۔"

"تم اب یہاں نہیں رہو گے۔" فریدی بولا۔ "جلدی کرو۔ کیڈی پارک کے باہر موجود ہے۔"

"مگر میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ بڑی مشکل سے ایک کو راہ پر لایا ہوں، ارے واہ۔"

"بکواس مت کرو.... چلو....!"

"چلنا تو پڑے ہی گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مگر خطرہ کیا تھا۔"

"چار آدمی تمہارے منتظر ہیں اور زوبی تمہیں یہاں سے لانے کے لئے اندر گئی ہیں۔"

"آہا.... تو کیا واقعی وہ مجھے پہچان گئی ہے۔"

"نہیں! لیکن تم بعد کے حالات سے واقف نہیں ہو.... چلو....!"

"ارے.... میں اپنے جوتے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"کام خراب کرو گے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "جاؤ.... چلو....!"

"میں کہاں جاؤں.... اور آپ....!"

"کیڈی زیادہ دور نہیں ہے۔" وہ اس کی گردن ایک طرف گھماتا ہوا بولا۔ "بس سیدھے چلے جاؤ۔ جھاڑیوں کا سلسلہ جہاں ختم ہوتا ہے وہاں سے دس یا بارہ گز کے فاصلے پر ایک گہری کھائی ہے۔ کیڈی تمہیں وہیں ملے گی۔ سیدھے گھر ہی جانا۔ مشین کی حفاظت ضروری ہے۔"

حمید کو وہیں چھوڑ کر فریدی پھر جھاڑیوں سے نکل گیا۔

کھائی کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور جھک کر کھائی کی گہرائی کا اندازہ کرنے لگا۔ اوپر سے کیڈی کی تلاش فضول تھی کیونکہ کھائی کے اوپر درختوں کا سایہ تھا۔

وہ نیچے اترنے کے لئے کوئی اچھا سا راستہ تلاش کرنے لگا لیکن اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا

اسے احمقانہ ہی کہنا چاہئے۔ وہ زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر نیچے اترنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے
علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ درختوں کی گھنی شاخوں نے اس جگہ کو تاروں کی چھاؤں
سے بھی محروم کر دیا تھا۔ اچانک اُسے نیچے ایک جگہ ایک ننھی سی چمکدار چیز دکھائی دی جو برابر
حرکت کر رہی تھی لیکن اس کے دائرہ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پھر کافی دیر بعد یہ
بات اس کی سمجھ میں آئی کہ کوئی ایک ننھی سی ٹارچ روشن کر کے اسے نیچے آنے کا اشارہ کر رہا
ہے۔ ایسی ایک ٹارچ فریدی کے جیب میں رہا کرتی تھی۔

حمید نیچے اترنے لگا۔ وہ روشنی ہی کی طرف دیکھتا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔ نیچے پہنچ کر اسے
کیڈی دکھائی دی جو زیادہ دور نہیں تھی۔

"کدھر گئے جناب۔" حمید منمنایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی داہنی
کنپٹی سے آلگی۔

"اسے پچھلی سیٹ پر رکھ دو۔" کسی نے آہستہ سے نرم آواز میں کہا۔

"تم.....!" حمید ہکلایا۔

"پرواہ نہ کرو.... میں بُرا آدمی نہیں ہوں۔ ویسے تمہاری کنپٹی پر فاؤنٹین پن نہیں رکھا ہے۔"

حمید نے داہنے ہاتھ سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور بائیں ہاتھ سے مشین اندر رکھ دی۔

"اب پیچھے ہٹ جاؤ۔ ٹھیک.... شکریہ۔" اُس نے کہا "اور زیادہ شکر گذار ہوں گا اگر
میرے لئے کار ڈرائیو کرو۔"

اس کی آواز ابھی تک سرگوشیوں کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ورنہ ممکن تھا کہ ح
آواز سے اسے پہچاننے کی کوشش کرتا۔

وہ چپ چاپ اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ ایسے آدمیوں کا اسے تجربہ تھا۔ جو حاوی ہو جانے کے
باوجود بھی نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بے چوں و چرا تعمیل کر رہا تھا۔ ایسے لوگ جو گ
سہلاتے سہلاتے تھپڑ مار دیں اُسے بالکل پسند نہیں تھے اور وہ اس نامعلوم آدمی میں کسی ایسے
آدمی کی پرچھائیں دیکھ رہا تھا۔

"روشنی کئے بغیر چلتے رہو۔ یہاں کی سطح بالکل ہموار ہے۔ بے کھٹکے چل سکتے ہو۔ میں ت
اعتماد کرتا ہوں اس لئے میں نے تمہاری جیبیں بھی نہیں ٹٹولیں۔ لیکن ریوالور بہر حال گردن

رہے گا۔ کیونکہ تم زیادہ نیک نام نہیں ہو۔ ویسے پیارے بہت ہو۔"

حمید بھنا کر رہ گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس
سے کس طرح نپٹا جائے۔

کیڈی اندھیرے میں چلتی رہی۔ حمید اب بھی ریوالور کی نال اپنی گردن پر محسوس کر رہا تھا
دور چلنے کے بعد وہ بڑبڑایا۔

"کب تک اندھیرے ہی میں چلنا پڑے گا۔ مجھے دشواری ہو رہی ہے۔" لیکن اسے اس کا کوئی
جواب نہیں ملا۔

"دیکھو دوست.... تم زیادتی کر رہے ہو۔" حمید نے پھر کہا لیکن اس بار بھی جواب نہ ملا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" حمید نے جھلا کر کیڈی روک دی لیکن اس پر بھی نامعلوم آدمی نے
کچھ نہیں کہا البتہ ٹھنڈا لوہا اب بھی حمید کی گردن سے چپکا ہوا تھا۔

اُس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ کوئی ٹھوس
چیز کیڈی میں گری اور ساتھ ہی ایک زبردست دھماکہ ہوا اور حمید منہ کے بل زمین پر گرا۔ پھر
اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر شعلوں کی بارش ہو گئی ہو۔ وہ زخمی کتوں کی طرح چیخنے لگا۔

❋

فریدی کافی دیر سے زوبی کا منتظر تھا لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس کے ساتھی
اب تک وہیں کھڑے تھے جہاں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سارا پارک پل بھر کے لئے روشنی میں
نہا گیا ہو۔ چاروں آدمی بھڑک کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ پھر فریدی نے متواتر چیخیں سنیں اور
کانپ کر رہ گیا کیونکہ آواز حمید کی تھی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے تحاشہ اُس طرف بھاگ رہا تھا۔ جہاں اب بھی روشنی نظر آرہی تھی۔
وہ کھائی میں کود پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کیڈی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ حمید اس سے زیادہ
دور نہیں تھا۔ وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا اور اب چیختے چیختے اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا۔ فریدی نے جھپٹ
کر اُسے بازوؤں میں اٹھایا اور مخالف سمت میں دوڑنے لگا۔ کیڈی کا ڈھانچہ جل رہا تھا۔ ابھی ٹنکی
نہیں پھٹی تھی۔ ورنہ اس کے بھی پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ فریدی کی بدحواسی کا سبب یہی خیال تھا۔

وہ جلد سے جلد خطرے کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ حمید اس کے کاندھے پر پڑا چیخ رہا تھا اور
اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے ملک الموت اس کے تعاقب میں ہو۔

ایک دل ہلا دینے والا دھماکہ پھر ہوا اور فریدی گرتے گرتے بچا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے
زلزلہ آگیا ہو۔

حمید اس طرح چیخ رہا تھا جیسے وہ کوئی چیخنے کی مشین ہو۔ فریدی دوڑتا رہا اس کے زخمی بازو
تکلیف نہ جانے لاشعور کے کس تاریک نہاں خانے میں جا سوئی تھی۔

حمید کی جان بچانے کے لئے وہ اپنی تکلیف بھول گیا تھا۔

زخمی بھیڑیا

آئی۔جی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں تھیں وہ بہت زیادہ فکر مند نظر آرہا تھا۔ ر
فریدی بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ذہنی اذیت کے آثار تھے۔

"تو آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے۔" دفعتاً اس نے کہا۔

"دیکھو بھئی.... میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔"

"حمید کی حالت نازک ہے.... اگر وہ مر گیا.... تو آپ جانتے ہیں کیا ہوگا۔" دفعتاً فر
چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔ "یہ شہر جہنم بن جائے گا۔ میں جواب تک قانو
حفاظت کرتا رہا ہوں۔ قانون شکن بن جاؤں گا۔"

"یہ تم مجھے سنا رہے ہو۔" آئی جی کو بھی غصہ آگیا۔

"آپ ایک سیٹھ گنگو کو بچا رہے ہیں، بچائیے.... میں دیکھتا ہوں کہ آپ کس کس کو بچاتے ہیں؟"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔"

"نہیں میں ہوش میں نہیں ہوں۔"

"تب تم جا سکتے ہو۔ پھر کسی وقت ملنا.... میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہرگز نہیں
سکتا جس سے محکمے پر حرف آئے۔"

"شکریہ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ اپنی ذمہ داری پر کتنا کچھ کر سکتا ہوں

"ٹھہرو.....!" آئی جی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کا خیال رکھنا کہ تمہارا مخصوص اجازت نامہ
منسوخ ہو چکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"وجہ میں ضرور بتاؤں گا.... ٹھہرو.... فریدی.... ٹھہر جاؤ.... میں تم سے عمر میں بہت
بڑا ہوں۔ میری بات سنو۔ ورنہ منہ پر تھپڑ مار دوں گا۔"

فریدی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا لیکن آئی جی کی طرف نہیں مڑا۔ آئی جی کہتا
رہا۔ "جب وزیر تجارت خود ہی زوبی کی حمایت کر رہے ہیں تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ زوبی نے
خاص طور پر تمہاری شکایت کی ہے اسی لئے مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔"

فریدی آئی جی کی طرف مڑا۔ اب اس کا چہرہ پُر سکون ہو چکا تھا اور آنکھوں میں پھر وہی پرانی
خمار آلود کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

"وزیر تجارت....!" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "عہدہ آدمی نہیں بناتا۔ عورت کے
معاملے میں وہ بھی ایک معمولی مرد ہیں۔ لیکن یہ عہدہ کل کسی دوسرے آدمی کو بھی مل سکتا ہے۔
ہم اور آپ جہاں کے تہاں رہیں گے۔ قانون بنانے والے نہیں جانتے کہ قانون کی حفاظت کے
سلسلے میں کونسی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات قانون کی حفاظت کے لئے غیر قانونی
طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔"

"ہمیں وہیں رہنا چاہئے جہاں ہم ہیں۔ بس میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"ملک کی تباہی میں نہیں دیکھ سکوں گا، خواہ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں۔ میرا انیلگوں
آسمان بے کرانہ....!"

فریدی آئی جی کے کمرے سے نکل گیا۔

✻

نصرت خان کسی زخمی درندے کی طرح جھلایا ہوا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے اسے مکمل طور پر
آرام کرنے کو کہا تھا لیکن وہ اس کی پرواہ نہ کر کے چھڑی ٹیکتا ہوا لنگڑاتا پھر رہا تھا اور اس کی حالت
اس زخمی کتے کی سی تھی جو جھلاہٹ میں مکھیوں پر بھی بھونکنے لگتا ہے۔ صبح سے اب تک اس نے
پوری عمارت کو کباڑ خانہ بنا کر رکھ دیا تھا جو چیز سامنے پڑ گئی اسی پر غصہ اتار کر رکھ دیا۔ سارے نوکر

اپنے اپنے کمروں میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کا سامنا
کر سکتا۔ نتیجہ ظاہر ہے صبح سے نصرت خان کو ایک کپ چائے بھی نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس پر
اُسے اور زیادہ تاؤ آرہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ نوکروں کے کوارٹروں پر ہلہ بول دیتا کہ زوبی آگئی۔
نصرت خان جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

زوبی نے متحیرانہ انداز میں کمرے کی حالت دیکھی۔ میز اور کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ دیوار
سے لگی تصویروں کے فریم شیشوں سے محروم ہو چکے تھے۔ خوشنما گلدانوں کے ریزے فرش پر
بکھرے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہوا....!" زوبی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

نصرت خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم بولتے کیوں نہیں ڈیئر....!"

"ڈیئر کی بچی... میں صبح سے بھوکا ہوں اور تمہاری تہذیب پر لعنت بھیجنے کو دل چاہتا ہے۔"

"کیوں.... تم بھوکے کیوں ہو۔"

نصرت خان لنگڑاتا ہوا اسکی طرف بڑھتا رہا لیکن اس وقت اُسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"او.... زوبیا.... تو بہت حسین ہے.... زوبیا.... تو میرے لئے چائے تیار کرے گی۔"

"نوکر کہاں گئے۔"

"جہنم میں۔" نصرت خان نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم میرے لئے چائے تیار کرو۔"

"میں نے ایسے کام کبھی نہیں کئے۔"

"تب تم عورت ہو یا کتیا۔ پھر تمہارا کیا مصرف ہے۔"

"کیا تم کبھی تمیز سے گفتگو نہیں کر سکتے۔"

جواب میں نصرت خان نے اس کے بازو پر اپنی گرفت اتنی سخت کر دی کہ اس کے منہ سے
چیخیں نکلنے لگیں۔

نصرت خان اُسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

"مجھے چھوڑو.... چھوڑو.... مجھے جانور....!"

نصرت خان اُسے گھسیٹتا رہا حتی کہ وہ باورچی خانے میں پہنچ گئے۔

"جاؤ.... چائے تیار کرو....!" نصرت خان اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

وہ باورچی خانے کے فرش پر گری۔

"کیا میں تمہاری لونڈی ہوں۔" زوبی پاگلوں کی طرح چیخی۔

"چائے۔" نصرت دانت پیس کر بولا۔ "اگر تم نے چائے نہ بنائی تو مارتے مارتے کھال گرادونگا۔"

"نہیں بناؤں گی۔"

"اچھا....!" نصرت خان اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "دیکھتا ہوں۔"

اس نے جھپٹ کر بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ لئے اور ساتھ ہی داہنا ہاتھ گال پر پڑا۔

زوبی پاگل کتیا کی طرح چیخنے لگی۔

لیکن چائے تو اسے بنانی ہی پڑی۔ صرف چائے نہیں بلکہ پورا ناشتہ تیار کرنا پڑا۔ نصرت خان
ملک الموت کی طرح سر پر سوار تھا۔

اتنی مار اگر کسی دوسری عورت پر پڑی ہوتی تو کم از کم اس کی آنکھوں پر ورم تو آہی گیا ہوتا
لیکن زوبی کی آنکھیں.... وہ اب بھی پُر سکون تھیں ان میں ہلکی سی نمی بھی نہیں محسوس کی
جا سکتی تھی۔ البتہ گال سرخ ہو گئے تھے اور کہیں کہیں وہ سرخی ہلکی سی نیلاہٹ میں بھی تبدیل
ہو گئی تھی۔

زوبی نے ناشتہ باورچی خانے ہی کی میز پر لگا دیا۔

اور پھر جب نصرت خان سلائیس کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا زوبی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں
جسمانی طور پر تم سے بہت کمزور ہوں اس لئے تم مجھ پر ظلم کرتے ہو.... لیکن فریدی نے پچھلی
رات تمہیں روشندان میں ٹھونس دیا تھا اور تم اس وقت لنگڑاتے پھر رہے ہو۔"

نصرت خان میز سے اٹھ گیا۔ چند لمحے زوبی کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر ناشتے کی میز
الٹ دی۔ اگر زوبی اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گئی ہوتی تو اسے لنگڑانے کی بجائے شائد زندگی بھر گھسٹنا
پڑتا کیونکہ میز بہت بڑی اور فولاد کی بنی ہوئی تھی۔ نصرت خان چپ چاپ باورچی خانے سے نکل
گیا۔ لیکن اسکے اس رویے پر نہ جانے کیوں زوبی کانپ کر رہ گئی۔ نہ جانے کیوں اسکی خاموشی اسکے
غصے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوئی تھی۔ وہ بھی بڑی تیزی سے باورچی خانے سے نکلی....
نصرت آگے جا رہا تھا۔ اس کی لنگراہٹ غائب ہو چکی اور وہ اچھے خاصے آدمیوں کی طرح چل رہا

تھا۔ زوبی بہت ذہین تھی۔ وہ اس کا مطلب سمجھتی تھی وہ جانتی تھی کہ ذہنی ہیجان کی بناء پر وہ اس
بات کو بھول گیا ہے کہ اس کا پیر اکھڑ گیا ہے اُسے تکلیف کا احساس ہی نہیں رہ گیا۔ پھر زوبی نے
اسے اس کمرے میں جاتے دیکھا جس میں پھینکے جانیوالے خاص قسم کے خنجروں کا اسٹاک رہتا تھا
زوبی پنجوں کے بل دوڑنے لگی۔ شاید وہ بھی پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے بے تحاشہ دروازہ کھینچ
کر بند کر دیا۔

"زوبی.... میں تجھے مار ڈالوں گا۔" نصرت خان اندر سے دھاڑا۔ "دروازہ کھول دے۔"

"نہیں.... دروازہ نہیں کھلے گا۔" زوبی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "دروازہ نہیں کھلے گا۔ تم
پاگل ہو گئے ہو۔"

نصرت خان دروازے پر ٹکریں مارنے لگا مگر زوبی کو یقین تھا کہ دروازہ کمزور نہیں ہے۔
اچانک دوسرے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور متواتر بجتی ہی رہی۔ زوبی نصرت کو کمرے
میں چیختا چھوڑ کر فون والے کمرے میں چلی گئی۔

"ہیلو ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ضرغام سو رہے ہیں۔" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "آپ کون ہیں۔"

"اوہ.... کون زوبی.... تم یہاں ہو۔"

اور اب زوبی نے بھی اس کی آواز پہچان لی۔ وہ "طاقت" کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

"آپ ہیں۔" زوبی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "ضرغام پاگل ہو رہا ہے۔ میں نے اسے
کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"اسے کیا ہوا۔"

"پچھلی رات....!"

"اوہ....! پچھلی رات کی باتیں مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت کیا ہوا۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ ہم فون
پر گفتگو نہیں کریں گے۔ ضرغام کی خواب گاہ میں جاؤ۔ سمجھیں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور زوبی ریسیور رکھ کر ضرغام کی خواب گاہ
طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں ویسی ہی ایک مشین موجود تھی جیسی پچھلی رات زوبی کے کمرے
چرائی گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں اُس نے اس مشین پر "طاقت" سے رابطہ قائم کر لیا۔

"فریدی سے ہوشیار رہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں نے تمام مشینیں شہر کے
سارے اسٹیشنوں سے ہٹوالی ہیں اور اس گفتگو کے بعد تم یہ مشین بھی اس کمرے سے ہٹا دو گی۔
ڈرائنگ روم میں ایک تہہ خانہ ہے۔ تم تو جانتی ہی ہو اسے وہیں پہنچا دینا۔ پچھلی رات ضرغام کی
وجہ سے کام خراب ہو گیا۔ اگر اس نے فریدی کو چھیڑا تھا تو پھر زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ خیر غلطی
آدمی ہی سے ہوتی ہے۔ خود میں نے رات ایک زبردست غلطی کی۔ واقعہ سے تو تم واقف ہو۔
تفصیل یہ ہے کہ میں نے پچھلی رات حمید سے وہ مشین حاصل کی جسے وہ تمہارے کمرے سے چرا
لے جا رہا تھا اسی کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرنے پر مجبور کیا۔ ریوالور کی نال
اس کی گردن سے لگا کر ایک بم کے سیفٹی کیچ سے نکال دیا تھا اور ظاہر ہے کہ پھر میں مشین سمیت کار
سے اتر گیا ہوں گا۔ توقع یہ تھی کہ گردن کی خفیف سی جنبش بھی چھڑی کو پیچھے کھسکا دے گی اور بم
کا سیفٹی کیچ ہٹ جائے گا اسکیم کو کامیابی ہوئی لیکن حمید کے پرخچے نہ اڑ سکے وہ بچ گیا مجھے خود بھی
حیرت ہے کہ وہ کیسے بچ گیا۔ ویسے اسکی حالت خراب ہے۔ سارا جسم زخموں اور آبلوں سے بھرا پڑا ہے۔
جانتی ہو اب فریدی کیا کر رہا ہے۔ تم نے تو وزیر تجارت کی حمایت حاصل کر کے اپنی پوزیشن
مضبوط کر لی لیکن آج فریدی سیٹھ گنگولی کو زبردستی پکڑ کر اپنے مکان میں لے گیا اور اس کی اچھی
طرح مرمت کی۔ میرا خیال ہے کہ گنگولی نے کم از کم گیارہ بڑوں کے نام تو بتا ہی دیئے ہونگے۔"

"پکڑوا لے گیا۔" زوبی نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیونکر ممکن ہے۔ گنگولی کی حیثیت۔"

"گنگولی عیاش طبع آدمی ہے۔ ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی اُسے ایک غیر آباد مقام پر
لے گئی۔ جہاں فریدی کے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے انہوں نے اسے بے بس کر کے ایک بند
گاڑی میں ڈالا اور لے اڑے۔ جانتی ہو اب وہ کہاں ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"پاگل خانے میں۔ اُس کا سر مونڈ دیا گیا ہے اور چہرے پر کالک لگا دی گئی ہے۔ فریدی نے
اس کی بھنوئیں تک منڈوا دی ہیں اور اب تم خود سوچو کیا یہ واقعہ گنگولی کے لئے پاگل کر دینے والا
نہیں ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے سوچنے کی کوشش کرو۔ اتنی بڑی شخصیت کا مالک۔ اسے اس طرح
بے بس کر کے پیٹا گیا۔ پھر علانیہ اسے پاگل خانے پہنچا دیا گیا۔ منہ پر کالک لگائی گئی۔ کھلی کار میں
پاگل خانے تک لے جایا گیا۔ کیا اس نے وہاں پہنچ کر پاگلوں کی طرح گلا نہ پھاڑا ہو گا کیا وہ جھلاہٹ

میں لوگوں کو مارنے نہ دوڑا ہوگا۔ دنیا کا ہر صاحب اختیار آدمی بے بسی کے عالم میں یہی سب کچھ کرتا ہے۔ پھر جب پاگل خانے والوں کو اس کے پاگل پن پر یقین آجائے گا تو پھر لاکھ وہ کہا کرے کہ وہ سیٹھ گنگولی ہے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا.... بہت بُرا.... لیکن پاگل خانے میں رکھنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔" زوبی نے کہا۔

"مقصد یہی ہے کہ ایک پولیس آفیسر کے غیر قانونی رویے کے خلاف احتجاج نہ کیا جاسکے۔ جب تک وہ پاگل خانے میں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔"

"کیوں.... کیا کوئی اس کے خلاف کاروائی نہیں کرسکتا۔" زوبی نے پوچھا۔

"علم ہی کسے ہے جو کاروائی کرے گا۔"

"میں کروں گی۔"

"نہیں! میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ سارا کام بگڑ جائے گا۔ اُسے اس روشنی میں دیکھو کہ دنیا کی ہر تنظیم قربانیوں کے بعد ہی مستحکم ہوتی ہے ابھی ہمیں اسی قسم کے صدہا تجرباتی ادوار سے گذرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ گنگولی نے گیارہ بڑوں کے نام ضرور بتائے ہوں گے۔ اب دیکھنا ہے کہ فریدی کیا کرتا ہے۔ جانتی ہو اس نے صرف گنگولی ہی کو کیوں منتخب کیا؟ ویسے سر جگدیش اور کنور جسپال بھی اس کے سامنے ہی تھے۔ آخر اُن میں سے کیوں نہیں؟"

"گنگولی ڈرپوک آدمی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"بالکل ٹھیک! یہی بات ہے کنور جسپال یا سر جگدیش جیسے آدمیوں پر وہ ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ گنگولی بڑا آدمی سہی مگر ہے فطرتاً بنیا۔ کیا خیال ہے۔"

"درست ہے۔"

"خیر اسے ہٹاؤ.... تمہاری نظر میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہ ہونی چاہئے۔ میں نے تم سے ضرغام کے بارے میں کہا تھا کہ اسے کڑی نگرانی میں رکھنا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فریدی سے ٹکرانے نہ پائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اگر وہ ہاتھ سے گیا تو تنظیم کا داہنا بازو ٹوٹ جائے گا۔"

"ضرغام کی اہمیت آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی۔" زوبی نے کہا۔ "بظاہر اُس نے ابھی

ہی کوئی خاص کام بھی نہیں کیا۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے کہ وہ ایک ماہر خنجر انداز ہے۔"

"نہیں زوبی! تم تنظیم کا ایک بہترین دماغ ہو اس لئے ضروری ہے کہ تم ہر معاملے سے باخبر رہو۔ میں سب سے زیادہ تم پر اعتماد رکھتا ہوں۔"

"یہ آپ کی مہربانی ہے۔"

"مہربانی نہیں زوبی۔ میں جانتا ہوں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ میں تمہاری صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اچھا تو سنو میں تمہیں بتاؤں۔ ضرغام کا اصل نام نصرت خان ہے اور وہ خان مقلاق کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یعنی ہونے والا خان مقلاق۔"

"اوہ....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں جب چاہوں موجودہ خان مقلاق مر سکتا ہے اور نصرت خان مقلاق کا حکمران ہوسکتا ہے۔ غالباً اب تم اس کا مصرف سمجھ گئی ہوگی۔ موجودہ خان ایک طاقتور حکمران ہے اور نصرت خان بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ میں دراصل قلعہ مقلاق کو تنظیم کا مرکز بنانا چاہتا ہوں۔ تم خود سوچو۔ کیا اس کے بعد گوبر شاہی "طاقت" سے ٹکرا سکے گی۔ میں کوہستانی باشندوں کو نئے آلات حرب سے مسلح کروں گا۔ اوہو.... تم گوبر شاہی پر ابھی تک ہنس رہی ہو۔ میں جمہوریت کو گوبر شاہی کہتا ہوں کیونکہ تیور اس کے بھی شاہانہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ حکومت کرنے والے بہ آسانی بیچے اور خریدے جاسکتے ہیں اس لئے انہیں گوبر شاہی سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے.... ہاں تو میں تمہیں ضرغام کے متعلق بتا رہا تھا۔ تم نے سنا ہوگا کہ خان مقلاق کا لڑکا، مقلاق کے قلعے سے بھاگ کر اس طرف آگیا ہے، ایک زمانے میں پولیس بھی اُس کی تلاش میں تھی.... زوبی.... وہ خود سے نہیں بھاگا تھا بلکہ میں نے ہی ایسے حالات پیدا کرائے تھے جن کی بناء پر اُسے قلعہ مقلاق سے بھاگنا پڑا.... اور اب یہ بات میں بہت آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تنظیم کے حلقے سے نہیں نکل سکتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" زوبی نے کہا۔ "مگر فی الحال اُسے کس طرح سنبھالا جائے۔"

اس کے بعد اُس نے پوری داستان دہرا دی۔

"میرا خیال ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب اسے یہاں سے ہٹا ہی دینا چاہئے۔ تم تم فکر نہ کرو۔ اُسے اسی طرح کمرے میں بند رہنے دو اور اب تم اس مشین کو تہہ خانے میں پہنچا

کر یہاں سے چلی جاؤ۔ نوکروں کو سمجھا دینا کہ وہ اپنے کمروں سے باہر نہ نکلیں۔"

"لیکن مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔" زوبی نے پوچھا۔

"آرام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "زوبی.... اب تم آرام کرو اور سارے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔"

کنور شمشاد

حمید کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ لیکن پھر بھی وہ نقل و حرکت کے قابل نہیں تھا۔ سارے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے اور پنڈلیوں کا تو قیمہ بن گیا تھا۔

دوسری طرف انور کے سر کے زخم نے بھی تشویشناک صورت اختیار کرلی تھی۔ ڈاکٹروں کے اندیشے کے مطابق زہر پھیل جانے کا امکان تھا اور انہوں نے اسے چلنے پھرنے سے روک دیا تھا۔

بظاہر فریدی تنہا رہ گیا تھا لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں سے کام لے رہا تھا جو اُس کے محکمے سے متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے پابند تھے۔ یہ اس کی بلیک فورس کے لوگ تھے جن کا تذکرہ وہ اکثر حمید سے بھی کرچکا تھا لیکن حمید ان میں سے کسی کی بھی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ فریدی کی بلیک فورس میں کچھ اینگلو انڈین لڑکیاں بھی ہیں یہ بات فریدی ہی نے اُسے بتائی تھی اور ایک بار تو خود اُسے تجربہ[1] بھی ہوچکا تھا۔

فریدی نے اپنی بلیک فورس کی مدد سے سیٹھ گنگولی پر ہاتھ ڈالا۔ کچھ پوچھنے سے قبل کافی دیر تک ہر طرح سے اُس کی مرمت کرتا رہا۔ پھر معاملے کی طرف آیا۔ گنگولی نے اُن دس شخصیتوں کے نام ظاہر کردیئے جن سے وہ واقف تھا۔ سربراہ کے متعلق وہ کچھ نہ بتا سکا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ میٹنگ میں عام طور پر ہر قسم کی تجاویز زوبی ہی پیش کیا کرتی ہے۔ وزیر تجارت پر حملہ کرنے والے کی شخصیت پر بھی وہ کوئی روشنی نہ ڈال سکا لیکن اس کا اعتراف کرلیا کہ قتل کی اسکیم زوبی ہی نے بنائی تھی۔ جب فریدی اس کا سر اور بھنویں منڈوانے لگا تو گنگولی نے بہت شدت سے احتجاج کیا اور پھر پاگل خانے والی اسکیم سن کر تو اُس کی جان ہی نکل گئی اور وہ سچ مچ پاگلوں کی سی

[1] اس سلسلے کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "سازش کا جال" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیے۔

حرکتیں کرنے لگا لیکن وہ بہر حال فریدی کی اسکیم تھی۔ فریدی.... جس کے متعلق اعلیٰ آفیسروں کا خیال تھا کہ کسی حد تک وہ خود بھی دیوانہ ہے۔

اس نے اسے پاگل خانے بھجوا ہی دیا۔ دس آدمیوں کے نام اُسے معلوم ہی ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو پہلے ہی روشنی میں آچکے تھے اور بقیہ کے متعلق وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکا کہ وہ عملی اعتبار سے تنظیم میں کوئی خاص مقام نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ مالی امداد دیتے ہوں گے.... اور بس!

گنگولی کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد اُسے ایک خاص بات یاد آئی جسے وہ پوچھنا بھول گیا تھا۔ اس نے پچھلی رات والے حملہ آور کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی کوئی اہم ہی آدمی رہا ہو۔ بہرحال اب یہ بات کم از کم گنگولی سے تو نہیں معلوم کی جاسکتی تھی کیونکہ وہ پاگل خانے میں پہنچ چکا تھا اور پاگل خانہ کے منتظمین کو یہ نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ اسے کس نے داخل کرایا ہے۔

فریدی بالکل خالی الذہن ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اس کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے۔ گنگولی کو اُس نے محض اس توقع پر پکڑوایا تھا کہ اس سے سرغنہ کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہوسکے گا لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ اچانک اسے پرنس شمشاد کی حیثیت یاد آئی۔ "وہ تنظیم سے برگشتہ ہوچکا ہے۔" اس کے ذہن میں زوبی کے الفاظ گونجے۔

اگر وہ تنظیم سے برگشتہ ہوچکا ہے تو کافی کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔ فریدی سوچنے لگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سربراہ سے واقف ہو ورنہ برگشتگی کیا معنی رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کا انجام تو اُسے بھی معلوم ہوگا، جو سامنے نہ آتے ہوں جن کی شخصیتیں پردہ راز میں ہوں۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کے خیال سے بھی لوگ لرزتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں وہ کب اور کہاں ہاتھ صاف کردیں۔ یقیناً شمشاد کے لئے سربراہ کی حیثیت پردۂ راز میں نہ ہوگی اسی لئے اُس نے یہ جرأت مندانہ اقدام کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ارکان اس قسم کی حرکت نہیں کرسکتے۔ کیونکہ وہ سربراہ کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں۔

اب فریدی سوچ رہا تھا کہ پرنس شمشاد سے کس طرح رابطہ قائم کرے۔ ویسے وہ اس کے

متعلق سب کچھ جانتا تھا۔ پرنس شمشاد بھی ریاستوں کے خاتمے سے قبل ایک چھوٹی سی ریاست
مالک تھا۔ لیکن کیریئر کے اعتبار سے وہ ہمیشہ سے عجیب رہا تھا۔ اُس کا نام شہزور سنگھ تھا اور وہ شم
تخلص کرتا تھا.... اور شہزور سنگھ کے بجائے پرنس شمشاد ہی کہلانا زیادہ پسند کرتا تھا۔ شکار او
شاعری اس کے محبوب ترین مشاغل تھے۔ ریاست کے خاتمے کے بعد سے وہ گل و بلبل اور لب
رخسار کی شاعری چھوڑ کر انقلابی شاعری کرنے لگا تھا اور اکثر مجلسوں میں فخریہ کہا کرتا تھا
حکمرانی کے دور میں بھی اس کے خیالات انقلاب کے حق میں تھے۔ ثبوت میں وہ اپنے عشق
اشعار کو کھینچ تان کر انقلاب کے سر منڈھنے کی کوشش کرنے لگتا کبھی کہتا کہ گل سے مراد عوا
ہیں اور گلچیں سے مراد پرانا نظام کبھی لب و رخسار کو اعلیٰ معیار حیات ثابت کر کے شاعر کو عوا
نمائندہ بنا دیتا اور لب و رخسار کے لئے اس کی بے چینی کو عوام کی بے چینی اور خواہش ثابت کر
جو وہ اعلیٰ معیار حیات کے حصول کے لئے رکھتے ہیں۔

شہر کے درجنوں ناکارہ شاعر اس کے ٹکڑوں پر پلتے تھے۔ ان سے وہ اپنی انقلاب پسندی ا
شاعرانہ صلاحیتوں کا پروپیگنڈہ کراتا تھا۔ اس کی یہ حرکت عموماً شاعروں میں ضرور انقلاب
کردیتی تھی۔ اس کے گرگے دوسرے شعراء پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ اٹھاتے ا
مشاعرے میں روحِ انقلاب پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ شامیانے کی طنابیں کٹنے کی
سے پرانا نظام سامعین، شعراء اور جناب صدر سمیت وہیں کا وہیں ڈھیر ہو کر رہ جاتا۔ بہر حال یہ
پرنس شمشاد۔

اس وقت فریدی کسی قسم کی احتیاط برتنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ اُ
پرنس شمشاد سے براہِ راست گفتگو کرنی چاہئے۔

پرنس شمشاد نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ ایک تندرست اور وجیہہ آدمی تھا۔ عمر پینتالیہ
سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ خدوخال تیکھے تھے اور آنکھیں بھوری تھیں۔

"فریدی صاحب میں نے آپ کا نام بہت سنا ہے مگر شاید آپ بہت محتاط ہیں۔ میرا مطل
ہے کہ آپ کا حلقہ احباب محدود ہے۔" پرنس شمشاد نے کہا۔

"اس سلسلے میں محتاط سے زیادہ لفظ مصروف موزوں ہوگا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"چلئے ایک آدھ بار شکار ہی کی رہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ شکار کا شوق رکھتے ہیں۔ م

نے آپ کے کتوں کے متعلق بھی بہت کچھ سنا ہے۔"

"کنور شمشاد! میں اس وقت ایک ضرورت سے آیا ہوں۔"

"ہاں ہاں.... فرمایئے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"میں کنور جسپال، سر جگدیش، گنگولی یا بقیہ دوسرے سات آدمیوں میں سے بھی کسی سے
مل سکتا تھا۔"

دفعتاً کنور شمشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا اور اس کی آنکھیں
فریدی کے چہرے پر ہی رہیں۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ تنظیم سے الگ کردیئے گئے ہیں۔"

"کیسی تنظیم کرنل فریدی۔"

"طاقت....!"

"میرے خدا....!" کنور شمشاد نے ایک طویل سانس لی۔

فریدی خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

"کرنل فریدی!.... یہ ٹھیک ہے کہ اب میرا اس تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اور آپ تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے بھی واقف نہیں ہیں۔"

"یہ بھی درست ہے اور یہ حقیت ہے کہ تنظیم سے میری علیحدگی بھی اسی بناء پر ہوئی ہے۔
اصولی طور پر دیکھئے فریدی صاحب! وہ تنظیم کیسی ہوگی جس کے سربراہ کی شخصیت پردہ راز ہو۔
ظاہر ہے کہ اس کا مقصد نیک نہ ہوگا۔"

"میں آپ سے متفق ہوں۔"

"پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ تنظیم حقیقتاً ملک و قوم کے لئے سود مند ثابت ہوگی مگر.... اور
مجھے تو اب ہنسی آتی ہے۔ میں گیارہ بڑوں میں شامل تھا لیکن مجھے یقین ہے میں تنظیم کی اصلیت
سے واقف نہ ہوں گا۔"

"لیکن آپ ان لوگوں تک پہنچے کس طرح تھے۔"

"زوبی....!" شمشاد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔ "لیڈی زوبی! اُسے تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں میں اُسے جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "گیارہ بڑوں میں وہ بھی شامل ہے۔"

"تب تو آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ مگر کیا فائدہ.... سربراہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ ان لوگوں میں کس طرح پہنچے تھے۔ فی الحال میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"زوبی....!" شمشاد نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"زوبی لے گئی تھی۔" فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"ہاں کرنل.... یہ ایک مضحکہ خیز واقعہ ہے۔ عورت.... اور پھر خوبصورت عورت وہ متمول اور ذی اثر لوگوں کو پھانستی ہے اور آہستہ آہستہ ان کے خیالات بدلتی رہتی ہے.... پھر.... وہ اس تنظیم کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا....!"

"اگر آپ اُن لوگوں کی تاک میں ہیں تو زوبی سے بچے رہئے گا۔" کنور شمشاد مسکرا کر بولا۔

"مگر آپ تنظیم سے الگ کیوں ہوگئے۔"

"یہ بتا کر میں خواہ مخواہ اپنی گردن نہیں پھنساؤں گا۔"

"آپ کی گردن تو اب بھی پھنسی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہرگز نہیں! اگر میری گردن پھنسی ہوئی ہوتی تو وہ لوگ مجھے کبھی کا ختم کر چکے ہوتے۔"

"ٹھیک ہے.... میں سمجھتا ہوں۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ آپ لوگوں کیخلاف کوئی ثبوت بہم پہنچانا آسان کام نہیں ہے۔"

"ہے نا.... تنظیم کا سربراہ شیطان کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کرنل فریدی کہ میں تنظیم سے الگ نہ ہوتا مگر ایک واقعہ جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اس علیحدگی کا سبب بنا ہے۔ میں انقلاب پسند ضرور ہوں مگر ذہنی انقلاب میرا نصب العین ہے۔ اس انقلاب سے مجھے نفرت ہے جو خون خرابے کا باعث بنے۔"

فریدی اُس واقعے کا منتظر رہا جو کنور شمشاد کی علیحدگی کا باعث بنا تھا۔ لیکن شمشاد خاموش ہی رہا۔

"کس واقعے نے آپ کی آنکھیں کھول دی تھیں۔" آخر فریدی نے پوچھا۔

"وزیر تجارت کے قتل کی سازش۔"

"اوہ....!"

"واقعی اُس دن آپ نے کمال کیا تھا۔ وہ لوگ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے لیکن ایک آدمی پھر بھی شکار ہو گیا تھا۔"

"خنجر کس نے پھینکا تھا۔"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا علم تین آدمیوں کے علاوہ چوتھے کو نہیں ہوگا۔ سربراہ جانتا ہوگا۔ زوبی یقیناً جانتی ہوگی کیونکہ اسی نے اسکیم بنائی تھی اور خود خنجر پھینکنے والا۔ زوبی بڑی چالاک ہے۔ انتہائی چالاک.... ایک رات اُس نے مجھ پر بھی دو فائر کیے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں کسی عورت کے ہاتھوں مرنا تو ہرگز پسند نہیں کروں گا۔"

"اور آپ نے زوبی کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔"

"کاروائی میں اسی وقت کرتا مگر وہ کار پر تھی اور میں پیدل....!"

"میری مراد قانونی کاروائی سے تھی۔"

"نہیں۔ یہ انہیں خواہ مخواہ اشتعال دلانا ہوتا۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں سمجھا۔"

"میں اب انہیں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اندھیرے سے آئے ہوئے تیر سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔"

"خیر.... یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے۔ ویسے میں تنظیم کے مالیات کے متعلق بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کرنل اس پر میں صرف گفتگو ہی کر سکوں گا لیکن یہ نہ بتا سکوں گا کہ روپیہ آتا کہاں سے ہے۔"

"گیارہ بڑے مفلس تو نہیں ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"دوسروں کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا لیکن میں اپنے بارے میں نہایت صفائی سے کہہ سکتا ہوں کہ آج تک میرا ایک پیسہ بھی تنظیم پر خرچ نہیں ہوا۔"

"پھر وہاں آپ کا کیا مصرف تھا۔"

"صرف انکی میٹنگ میں شریک ہونا۔ یہ بات واضح کر دوں کہ میں بہت پرانا ممبر نہیں تھا۔"

"کیا آپ گیارہویں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں آخری تھا۔ میرے بعد کوئی اور نہیں ہوا۔"

"آپ کتنے عرصہ رہے ہیں۔"

"غالباً ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ آہا.... وہ بھی بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ زوبی سے ان دنوں نئی نئی دوستی ہوئی تھی اور میں بڑی بڑی عمدہ غزلیں کہہ رہا تھا.... ہاں.... غالباً، ہاں وہی غزل تو تھی.... بہار میں.... خمار.... میں.... قرار میں.... مطلع یاد نہیں ہے اس کا ایک شعر تو....!"

"زوبی سے نئی نئی دوستی ہوئی تھی۔" فریدی نے کام کی بات یاد دلائی۔

"اوہ.... جی ہاں.... جی ہاں.... شکریہ۔ میں بہکنے لگا تھا۔ شائد آپ کو شعر و سخن سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں۔" فریدی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"بہر حال.... وہ ایک بڑی خوشگوار رات تھی۔ ہم نے یونہی تفریحاً ایک نائٹ کلب میں جوا کھیلنا شروع کیا اور اپنی جیبوں کی آخری پائی بھی ہار گئے۔ پھر کھلاڑیوں کی پھبتیاں ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتی گئیں۔ زوبی مجھے ایک طرف لے گئی اور اپنے پرس سے سونے کے دو ننھے ننھے سکے نکالے۔ میں سمجھا شائد اشرفیاں ہیں۔"

"طاقب کے سکے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اوہ کرنل.... آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔" شمشاد نے حیرت ظاہر کی۔

"ہاں یہ بات بھی میرے لئے بہت پرانی ہے۔ آپ کو ایک سکے کے عوض کہیں سے دو ہزار کی سرکاری کرنسی ملی ہوگی اور اس طرح زوبی نے آپ کو تنظیم کی طرف کھینچا ہوگا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" شمشاد اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اب کنور صاحب! آپ مجھے یہ بتایئے کہ ضرغام کون ہے۔"

"بھئی کمال ہے۔" شمشاد ہنس کر بولا۔ "جو بات میں نہیں جانتا وہی آپ بھی نہیں جانتے۔"

"آپ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"صرف اتنا کہ وہ میرے بعد تنظیم کے بڑے آدمیوں میں شامل ہوا ہے۔"

"کیا؟ ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ آپ آخری ممبر تھے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے غلط کہا تھا۔ میں اس کمبخت کو بھول ہی گیا تھا۔ مجھے اس سے بڑی نفرت ہے۔ اس کے آنے سے پہلے زوبی مجھے چاہتی تھی مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ آیا کہاں سے.... کہاں سے؟

ے اس کے عادات و اطوار اُسے کوئی اچھا آدمی نہیں ثابت کرتے۔"

"اکھڑ قسم کا آدمی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ.... بعض اوقات وہ زوبی سے بھی بُری طرح پیش آتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر فریدی نے کہا۔ "میں سمجھا تھا شاید مجھے آپ سے مدد مل سکے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" شمشاد نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ سربراہ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ کیا آپ کو کسی پر شبہ بھی نہیں ہے۔"

"محض شبہے سے کیا ہوتا ہے کرنل۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے خلاف بھی کوئی ثبوت نہ پہنچا سکیں وہ انتہائی چالاک اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔"

"بہر حال آپ کو کسی پر شبہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "دیکھئے کسی نہ کسی پر شبہ ہونا رتی امر ہے۔ میرا خیال ہے کہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر آدمی کو کسی نہ کسی پر سربراہ نے کا شبہ ضرور ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبہے کی کچھ نہ کچھ حقیقت بھی ہوگی۔"

"آپ کو کس پر شبہ ہے۔"

"مجھے صرف تین دن کی مہلت دیجئے۔ پھر میں آپ کو بتا سکوں گا کہ مجھے کس پر شبہ ہے۔"

"یعنی آپ تین دن میں اس کا فیصلہ کریں گے کہ آپ کو کس پر شبہ ہے۔" فریدی نے کرا کر کہا۔

"جی نہیں! میں ان تین دنوں میں اپنے شبہے کو یقین میں تبدیل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ خدمت آپ میرے سپرد کر دیجئے۔ میں اُسے یقین میں تبدیل کر لوں گا۔"

"نہیں کرنل ابھی نہیں۔ میں بتا دوں گا۔"

"خیر آپ کی مرضی۔"

فریدی نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی۔ کنور شمشاد اُسے کام کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔

❁

حمید ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ اُس کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق وہ خطرے سے نکل چکا تھا۔

اُس کے جسم پر بے شمار زخم تھے جن سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا تھا اور اسے اتنی کمزوری محسوس ہونے لگی تھی جیسے وہ سالہاسال سے اسی حالت میں پڑا ہو۔

کچھ بھی ہو وہ فریدی کا شاگرد تھا اور اس حال میں بھی اُس نے اپنی بے بسی کا اظہار دوسروں پر نہیں ہونے دیا تھا۔

پہلی بار جب وہ ہوش میں آیا تھا تو فریدی بھی اُس کے پاس موجود تھا اور اُس نے قریب کھڑی ہوئی ایک نرس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "نرس جب میں مرنے لگوں تو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دینا۔"

اس پر فریدی نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی مستقل مزاجی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

انور کے سر کی چوٹ بہت گہری تھی اور اُسے نقل و حرکت سے قطعی روک دیا گیا تھا۔ رشیدہ اُس کے ساتھ تھی اور کبھی کبھی وہ حمید کی طرف بھی آجاتی تھی۔

اس وقت حمید بہت زیادہ بیزار نظر آرہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کے کمرے میں ایک بوڑھی نرس کی ڈیوٹی تھی۔ اتفاقاً رشیدہ ادھر آنکلی۔

حمید نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ "انور زندہ ہے یا مر گیا۔"

"نہیں وہ زندہ ہے اور اس کی حالت تم سے اچھی ہے۔" رشیدہ نے جواب دیا۔

"نہیں مرے گا۔"

"ہرگز نہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مر جائے۔"

"ہاں میں چاہتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"وجہ پوچھتی ہو!" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تم سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ فریدی صاحب کہاں ملیں گے۔"

"وہ خود بھی اسی چکر میں ہیں۔ ورنہ انور کو ایسی مہم پر کیوں لے جاتے۔"

"تم سے خدا سمجھے۔ قبر کے کنارے پہنچ گئے ہو مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔"

"رشو! ڈیئر! مجھے اس کی خوشی ہے کہ میرا چہرہ برباد ہونے سے بچ گیا۔"

"مجھے فریدی صاحب کا پتہ بتاؤ.... پریشان نہ کرو۔"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"میں ان سے پوچھوں گی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔"

"اوہو.... کیا ارادے ہیں۔"

"کیا اس معاملے کا کچھ تعلق لیڈی زوبی سے بھی ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"کیوں تمہیں کیسے علم ہوا۔ کیا انور نے بتایا ہے۔"

"نہیں.... وہ بیہوشی کے دوران میں کئی بار اس کا نام لے چکا ہے۔"

"ہوگا.... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم جانتے ہو.... ورنہ اس طرح چونک کر سوال کیوں کرتے۔ خیر نہ بتاؤ۔ میں خود دیکھ لوں۔ انور سے پوچھا تھا لیکن وہ بھی ٹال رہا ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہارے بس کا نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیڈی زوبی۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔ "وہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھ سے بچ کر وہ کہاں جائے گی۔"

پھر حمید کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ کمرے سے چلی گئی۔

آٹھ بڑوں کی شامت

کنور جسپال اور سر جگدیش ہائی سرکل نائٹ کلب کے ایک مخصوص کیبن میں خاموش بیٹھے تھے۔ انہیں شائد کسی کا انتظار تھا۔

کچھ دیر بعد سر جگدیش نے کہا۔ "بھئی اگر فریدی ہماری راہ پر لگ گیا ہے تو....!"

"اس کی پرواہ نہ کیجئے سر جگدیش....!" کنور جسپال اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"وہ بیچارا کرے گا کیا۔ اگر واقعی وہ کچھ کر سکتا ہوتا تو اس رات برکلے ہاؤز سے بھاگتا کیوں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ہماری گفتگو بھی اچھی طرح سن لی ہوگی۔"

"یقیناً سنی ہوگی۔ ضرغام تو اس وقت نمودار ہوا تھا جب ہماری گفتگو اختتام پر تھی۔"

"پھر بتایئے.... اُس نے ہمارا کیا بگاڑ لیا۔"

"لیکن.... طاقت خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ساری مشینیں اٹھوالی ہیں۔"

"احتیاط تو بہر حال کرنی ہی پڑے گی۔" کنور جسپال نے کہا۔ "اگر اُن میں سے ایک بھی مشین حکومت کے ہاتھ لگ جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ یہ طاقت کا اپنا راز ہے۔"

"طاقت بذاتِ خود راز ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔ "میں تو بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کہیں اسی اہم پُر اسرار آدمی ہی کے ہاتھوں نہ مارے جائیں۔"

"نہیں یہ ایک فضول سا خیال ہے۔" کنور جسپال بولا۔

"کیوں! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ.... ارے.... یہ کیا....!" سر جگدیش بات کرتے کرتے اچھل پڑا۔ یہی کیفیت کنور جسپال کی بھی ہوئی۔

میز سے کوئی ٹھوس چیز ٹکرا کر نیچے گری تھی۔ وہ دونوں چند لمحے اُسے گھورتے رہے۔ پھر کنور جسپال نے جھک کر اُسے اٹھالیا۔

وہ کاغذ میں لپٹا ہوا پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ پہلے تو وہ پتھر کے ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے پھر سر جگدیش نے کاغذ کو فرش سے اٹھالیا۔

"اوہو.... یہ بات ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُس نے کاغذ کنور جسپال کیطرف بڑھادیا۔

کاغذ پر تحریر تھا

"زوبی کا انتظار مت کرو۔ وہ نہیں آئے گی۔ پبلک مقامات پر بیٹھ کر طاقت کا تذکرہ کرنا درست نہیں۔ احتیاط رکھو.... اور اس وقت تم دونوں کو اپنی کوٹھیوں میں ہونا چاہئے تھا.... ویسے کسی سے حراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ فریدی یا کوئی دوسرا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ طاقت سے بھی خوف کھانا فضول ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کا بھی خون کرنا پسند نہیں کرتا۔ کیا تمہارے سامنے کنور شمشاد کی مثال نہیں ہے۔"

تحریر پڑھ کر تھوڑی دیر تک وہ دونوں بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ پھر کنور جسپال نے کہا۔

"یہاں سے ہمیں اٹھ جانا چاہئے۔"

سر جگدیش کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے لیکن اس کے برخلاف کنور

ل مطمئن نظر آرہا تھا۔

سر جگدیش اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کنور جسپال طاقت ہے۔ کیونکہ اسے اُس کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔ اس ح رقعہ پھینکنے کا کام وہ کسی دوسرے سے بھی لے سکتا تھا اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تنظیم محض ں دس آدمیوں تک محدود نہیں ہے طاقت کے بے شمار ایجنٹ ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جگدیش کو ایک جھرجھری سی آئی۔ خیالات کی رو تھوڑی دیر کے لئے دوسری طرف بھٹک ۔ لیکن اسے دوبارہ طاقت کی طرف آنے میں دیر نہیں لگی۔ سر جگدیش سوچ رہا تھا کہ جس ح اُس نے وہ عجیب و غریب مشین شہر کے سارے خفیہ مقامات سے اٹھوالی ہے اُسی طرح وہ درت پڑنے پر ان دس بڑے آدمیوں کو بھی ٹھکانے لگا سکتا ہے۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ سر جگدیش کو اس کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ کب نائٹ ب سے اٹھا اور کب گھر پہنچ گیا۔

کار پھاٹک کے اندر داخل ہو ہی رہی تھی کہ ایک فائر ہوا اور اس کا پچھلا شیشہ چکنا چور ہوگیا ر دوسرا فائر ہوا اور سر جگدیش کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔

❋

کنور جسپال بھی ہائی سرکل نائٹ کلب سے اٹھ کر اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ اس کا راج کوٹھی کی کمپاؤنڈ ہی میں تھا لیکن اس کا فاصلہ اصل عمارت سے تقریباً ایک فرلانگ ضرور رہا وگا۔ وہ کار کو پورچ کی طرف لے جانے کی بجائے سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔

اس سے دراصل بے خیالی میں یہ غیر معمولی واقعہ سرزد ہوگیا تھا ورنہ آج تک اس نے راج کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ عموماً پورچ سے گیراج تک کار کوئی نہ کوئی ڈرائیور ہی لے جایا اتا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بہر حال وہ گیراج سے عمارت کی رف پیدل ہی واپس ہوا۔

ھی پارک والے راستے کے قریب پہنچ کر وہ یک بیک ٹھٹک گیا۔ مہندی کی قدِ آدم باڑھ ے پیچھے اُسے ہلکی سی روشنی دکھائی دی تھی۔ روشنی کا ایک ننھا سا دائرہ جو آہستہ آہستہ حرکت ہا تھا۔

کنور جسپال چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھا۔ اچانک دوسری طرف سے کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ کنور جسپال دانت کچکچا کر پلٹ پڑا لیکن حملہ آور کمزور نہیں تھا اس نے اپنا ایک ہاتھ کنور جسپال کے منہ پر جمادیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس زور کا گھونسا اُسکے پیٹ پر رسید کیا کہ وہ دوہرا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا اور حملہ آور اسکے سینے پر۔

حملہ آور کا داہنا ہاتھ بلند ہوا اور کنور جسپال کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکلی اس کا سر چکرا گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں مکمل بے خبری کا لمحہ.... اور پھر جب دوبارہ اُس کی آنکھیں کھلیں تو اسے اپنے دل کی دھڑکنیں تالو میں محسوس ہو رہی تھیں۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔

حملہ آور فرار ہو چکا تھا۔ کنور جسپال نے اٹھنا چاہا لیکن اس کے منہ سے ایک تیز قسم کی چیخ نکلی اور وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ پہلی چیخ تو غیر ارادی طور پر بے ساختہ نکلی تھی لیکن اب اس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے اس کی چیخیں سن کر کوٹھی سے کئی آدمی دوڑ پڑے، ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ انہوں نے کنور جسپال کو زمین پر چت پڑا دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اندھوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس کے داہنے بازو میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ غالباً وہ بازو کا گوشت چھیدتا ہوا زمین میں اتر گیا تھا۔ کنور جسپال اچھے تن و توش اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ بزدل بھی نہیں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو خود ہی بائیں ہاتھ سے خنجر نکال کر اٹھ سکتا تھا مگر معاملہ اس کی سمجھ میں آیا نہیں تھا۔

خنجر اس کے بازو سے کھینچا گیا لیکن خنجر پر نظر پڑتے ہی کنور جسپال اپنی چوٹ بھول گیا۔

یہ خنجر بالکل اُسی ساخت کا تھا جس ساخت کا وزیر تجارت پر پھینکا گیا تھا.... سر مو فرق نہیں تھا اور اس نے اسی قسم کا خنجر اکثر نصرت خان کے پاس بھی دیکھا تھا۔ کنور کے ہونٹ بھینچ گئے۔ کچھ دیر قبل جس چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی غصہ سے سرخ نظر آنے لگا۔

دوسرے لمحے میں وہ ان لوگوں کو وہیں چھوڑ کر کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

✿

دوسری صبح کا اخبار کم از کم زوبی کے لئے بڑا پریشان کن تھا۔ سر جگدیش پر ریوالور سے حملہ۔ گولی بائیں شانے کو چھوتی ہوئی گذر گئی۔ کنور جسپال پر خنجر سے حملہ.... سیٹھ چمن لال کے یہاں

پھینکا گیا۔ مسٹر جاوید پر فائر۔ وہ بال بال بچا۔ سر جمشید کی کار ایک جیپ سے ٹکرا گئی اور اُسے ی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جیپ کا ڈرائیور غائب.... جیپ چوری کی تھی۔

غرضیکہ ایک ہی رات میں شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر مختلف قسم کی مصیبتیں نازل ہوئی ں اور یہ آٹھ بڑے آدمی تنظیم کے کارکن تھے لیکن ان میں کوئی بھی مرا نہیں تھا۔

زوبی اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ تنظیم کے گیارہ کارکن تھے۔ کنور شمشاد کی علیحدگی کے د دس رہ گئے تھے جن میں زوبی بھی شامل تھی۔

آٹھ کارکنوں کے متعلق اُس نے اخبار میں بُری خبریں پڑھیں لہٰذا نصرت خان کے لئے اُس تشویش قدرتی تھی۔

دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ نصرت خان کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کیا طاقت اب انہیں ختم کر دینا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے اس خیال کی تائید نہ کر سکی۔ ایسی حرکتیں اُس وقت کی جاتی ہیں جب کسی راز کے فاش ہو جانے کا ڈر ہو.... طاقت کو اس قسم کا کوئی نہیں ہو سکتا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس تک کس طرح رسائی کتی ہے لیکن پھر.... آخر ان حملوں کی وجہ؟

اس نے نصرت خان کو اسی حال میں دیکھا جس حال میں پچھلے دن چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ایک ں دار کرسی پر بیٹھا لان کے چکر لگا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں بھی صبح کا اخبار تھا۔

زوبی کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تم ٹھیک ہونا۔" زوبی نے کار سے اترتے ہی پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں.... اور اس وقت تمہارے ہی متعلق سوچ رہا تھا۔"

"اخبار دیکھا۔"

"ہاں.... دیکھا.... یہ سب اپنے ہی آدمی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم بھی کسی حادثے ار نہ ہو گئی ہو۔"

"نہیں.... میں محفوظ ہوں! مگر یہ خبریں۔"

"ٹھیک ہے! آخر ہم دونوں کیوں محفوظ ہیں۔" نصرت خان نے کہا۔

"شائد تم نے بھی یہی سوچا ہے، جو میں سوچ رہی تھی۔"

"تم نے کیا سوچا تھا۔"

"طاقت....!"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ حالانکہ میں اُس کا چہرہ کبھی نہیں دیکھ سکا لیکن وہ مجھے ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ دوستوں کو دغا دے۔"

"پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"خدا جانے.... اور اُن میں سے کوئی مرا بھی نہیں۔" نصرت خان بولا۔

"مشین تہہ خانے ہی میں ہے یا اٹھوالی گئی۔" زوبی نے پوچھا۔

"وہیں ہے! اچھا ہوا تم آگئیں۔ میں نیچے نہیں جا سکتا۔ پیر کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔"

نصرت خان آج ضرورت سے زیادہ مہذب نظر آرہا تھا اس نے ایک بار بھی اپنے جنگلی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی۔

زوبی تہہ خانے میں آئی۔ کافی دیر تک مشین حرکت میں رہی لیکن.... دوسری طرف سے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ آخر زوبی نے مشین بند کر دی اور پھر اوپر آگئی۔

ایک دن یہیں اس نے طاقت سے فون پر بھی گفتگو کی تھی لیکن اُس کا ٹیلی فون نمبر شا نصرت خان کو بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ اکثر صرف اس کی کال ریسیو کیا کرتا تھا۔

زوبی نے اس کا تذکرہ نصرت خان سے کیا لیکن اس نے طاقت کے فون نمبر سے لاعلمی ظا کی اور پھر وہ دونوں اسی کمرے میں آبیٹھے جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے تک فون کی گھنٹی بجی اور زوبی نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے بولنے والا وہی پُراسرار آدمی تھا جسے وہ لوگ طاقت کے نام سے جانتے تھے

"کون.... زوبی.... خوب! اچھا ہوا کہ تم یہیں موجود ہو۔" دوسری طرف سے آواز آ

"مشین پر جاؤ۔"

زوبی ریسیور رکھ کر تہہ خانے کی طرف بھاگی۔ نصرت خان اُسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

مشین پر طاقت کی آواز سنائی دی۔ "زوبی....!"

"جی ہاں میں ہی ہوں۔"

"تم اور ضرغام محفوظ ہو نا۔"

"جی ہاں.... لیکن....!"

"اوہ....! یقیناً تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو گی۔ ان واقعات کا میری ذات سے کوئی تعلق ہیں لیکن میں شاید دوسروں کو یقین نہ دلا سکوں۔"

"مجھے یقین ہے۔" زوبی جلدی سے بولی۔

"اور ضرغام کا کیا خیال ہے۔"

"وہ آپ کو ایک وفاشعار دوست تصور کرتا ہے۔"

"یہ فریدی کی حرکت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیں....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں! فریدی کی.... مگر یہ حرکت اس کے حق میں نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ تم خود سوچو کہ وہ س سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس کی معلومات کی تو داد دینی ہی پڑے گی۔ اس نے تم دونوں کو وڑ دیا گویا اُسے یقین ہے کہ تم دونوں کسی حال میں بھی میری طرف سے بدگمان نہیں سکتے.... اور اُس نے پرنس شمشاد کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یعنی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اُس کا ظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"مگر جناب.... اس حرکت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"مقصد صاف ہے۔ اُس نے اُن میں سے کسی کو بھی جان سے نہیں مارا۔ اُس نے سوچا ہو گا ن ہے ان میں سے کوئی میری شخصیت سے واقف ہی ہو اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے پولیس میرا پتہ نشان بتا دے۔"

"اگر وہ یہی سمجھتا ہے تو احمق ہے۔" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کنور شمشاد اُس سے گیا ہے۔"

"ملنے دو! اُس کی پرواہ نہ کرو۔ شمشاد ہی کی مثال اُسے پاگل کر دینے کے لئے کافی ہو گی۔ یعنی ں نے اپنے ایک مخالف کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔"

"لیکن دیکھئے! فریدی نے میری پوزیشن کتنے خطرے میں ڈال دی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"یقیناً.... مجھے اس کا احساس ہے۔ جب آٹھ بڑے تمہیں ہر طرح محفوظ دیکھیں گے تو محالہ انہیں اُن وارداتوں میں میرا ہاتھ نظر آنے لگے گا.... اور وہ تمہارے دشمن ہو جائیں

گے۔ اُن سب کا خیال ہے کہ تم میری شخصیت سے واقف ہو۔"

"درست فرمایا.... لیکن فریدی کیلئے کیا کیا جائے۔"

"فکر مت کرو۔ بس دیکھتی جاؤ۔ اُسے خود کشی کرنی پڑیگی۔ یہی میری خواہش بھی ہے ورنہ میں اسے جس وقت چاہوں ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔ میں تو اندھیرے کا تیر ہوں۔ کیا سمجھیں۔"

زوبی نے ہلکا سا قہقہہ سنا اور پھر طاقت نے کہا۔ "زوبی تمہیں اسکی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"اوہو! تو کیا آپ میری خبر گیری نہ کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ مگر تم اب کچھ دنوں کے لئے ضرغام کی کوٹھی ہی میں قیام کرو گی تمہیں ہر حال میں اس کی حفاظت کرنی چاہئے اس کی اہمیت میں تم پر پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی ہوگا۔ مگر.... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر فریدی نے ایک ہی رات میں اتنی بہت سی وارداتیں کیسے کر ڈالیں۔"

"اس کی بلیک فورس کام کر رہی ہے زوبی۔ اُس نے اپنے محکمے کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی۔ تمہاری کوششوں کی بناء پر اُس کے آفیسر اُس کے خلاف ہوگئے ہیں اور اب اُسے محکمے سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وزیر تجارت کے قتل کی سازش کی تفتیش کے لئے کوئی دوسرا آدمی مقرر کیا جائے گا۔"

"پھر آخر یہ اپنی ٹانگ کیوں اڑا رہا ہے۔"

"بس ضدی ہے جس بات کے پیچھے پڑ جائے اور پھر اُسے اپنے اسسٹنٹ کے زخمی ہو جانے پر بھی غصہ ہے۔"

"آپ اس کا قصہ ہی کیوں نہیں پاک کر دیتے۔"

"یوں نہیں.... بات تو جب ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔ بعض اوقات میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں۔ میری تفریح یہی ہے کہ میں اپنے دشمنوں کو خود کشی پر مجبور کر دیتا ہوں۔"

"میرے لئے اور کوئی کام....!" زوبی نے پوچھا۔

"نہیں.... بس اتنا ہی کہ تم ضرغام کی دیکھ بھال کرو۔ میں تمہیں لیڈی فیروز کے بجائے ملکہ مقلاق دیکھنا چاہتا ہوں۔ اچھا اب.... بس....!"

دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی۔

بلیک میلر کی تلاش

آخر رشیدہ فریدی تک پہنچ ہی گئی۔ وہ بندر گاہ کے علاقے کے ایک بار میں بیٹھا ہوا اُسے مل رشیدہ بھی اُدھر کسی کام ہی سے آئی تھی۔ اُسے فریدی کو بار میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ تی تھی کہ فریدی شراب نہیں پیتا۔

"اوہو.... تم یہاں....!" فریدی نے رشیدہ کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔

"مجھے آپ کی تلاش تھی۔ اتفاقاً آپ یہاں نظر آ گئے۔"

"کیوں.... انور کیسا ہے؟"

"پہلے سے بہت بہتر اور حمید صاحب بھی ٹھیک ہی ہیں۔"

"لیکن تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ان واقعات کا لیڈی زوبی سے کیا تعلق ہے۔"

"ہوں....!" فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ "انور نے کیا بتایا ہے۔"

"اس نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"پھر....!"

"بیہوشی کے دوران میں اس نے کئی بار زوبی کا نام لیا تھا۔"

"فرض کرو! میں نے تعلق بتا بھی دیا تو تم کیا کرو گی۔"

"جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا.... زوبی کے متعلق میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

"کیا جانتی ہو۔"

"لیڈی فیروز سے پہلے وہ اتنی باعزت نہیں تھی۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں! ویسے بھی وہ سر جمشید کی بہن ہے۔"

"سر جمشید اس سے متنفر تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے اس کی بہن سمجھے یہی حالت آج تک ہے۔"

"خیر یہ چیز موجودہ معاملات سے قطعی غیر متعلق ہے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ لیڈی فیروز بننے سے قبل وہ ایک بلیک میلر کی ایجنٹ تھی۔"

"اوہو....!" فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔ "تم ایک نئی بات بتارہی ہو۔"

"سر فیروز کے ساتھ اُس کی شادی بھی ایک معمہ ہے۔ جس زمانے میں وہ اُس بلیک میلر کی ایجنٹ تھی اُسی دوران میں اس نے سر فیروز سے ملنا جلنا شروع کیا پھر ایک دن دونوں کی شادی کا اعلان ہوگیا۔"

"لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔"

"سر جمشید! زوبی کے مشاغل کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری ایک دوست کے ذریعہ اس نے یہ کام میرے سپرد کردیا تھا۔"

"تو تم اُس بلیک میلر کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہوگی۔"

"جی ہاں! وہ مسٹر مورگن کہلاتا تھا۔ کوئی دیسی عیسائی تھا اور اس کے پاس بہت سی لڑکیاں تھیں اور وہ سب اپنے پہلے نام کے ساتھ مورگن لکھتی تھیں۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔

"کیا ان میں کوئی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اسکے اوپری ہونٹ کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تل تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے یاد پڑتا ہے یقیناً تھا....!"

"تم کہتی ہو کئی لڑکیاں اپنے ناموں کے ساتھ مورگن استعمال کرتی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو وہ سب بیویاں ہونے سے رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور لڑکیاں بھی نہیں ہوسکتیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "اگر لڑکیاں تھیں تو وہ سب بیک وقت پیدا ہوئی ہوں گی کیونکہ وہ سب تقریباً ہم عمر تھیں۔"

"مورگن اب کہاں مل سکے گا؟"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔"

"اچھا اس کا حلیہ ہی بتاؤ۔"

"افسوس! یہ بھی مشکل ہے۔ میں نے ایک بار صرف اس کی جھلک دیکھی تھی اور چہرہ بھی میرے سامنے نہیں تھا۔ ویسے اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ وہ ایک دراز قد آدمی تھا.... اور اُس وقت نیلے سوٹ میں ملبوس تھا۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔"

"یہیں کے ایک ہوٹل میں۔"

"کس ہوٹل میں۔"

"جیکسنز کارنر میں.... وہ ہوٹل آج بھی ہے اور غالباً اس کا مالک بھی وہی ہے جو اس زمانے میں تھا.... اور یہ بھی سنئے کہ وہ مورگن کا مستقل اڈا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔

"تم شاید اسی چکر میں ادھر آئی تھیں۔ اچھا ہوا کہ مجھ سے پہلے ملاقات ہوگئی۔ اب تم ہسپتال جاؤ۔ انور اور حمید کی دیکھ بھال اچھی طرح ہونی چاہئے اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں اطلاع دے دی جائے گی.... بس اب جاؤ۔"

"میں چاہتی.... تھی....!"

"نہیں کچھ نہیں.... تم جاسکتی ہو۔"

رشیدہ چپ چاپ اٹھی اور چلی گئی۔ بار ٹنڈر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ یہ وہی بار ٹنڈر تھا جس کی مرمت ایک بار فریدی ہارڈی کے سلسلے میں کر چکا تھا۔ رشیدہ کے چلے جانے کے بعد وہ خوف زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ کے آنے پر وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی اُسی کا منتظر تھا لیکن اس کے تنہا واپس جانے پر اسکی سانس پھولنے لگی۔ فریدی یہاں بہت دیر سے بیٹھا تھا۔ بس یونہی.... نہ تو اس نے ابھی تک کوئی چیز طلب کی تھی اور نہ بار ٹنڈر ہی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

بار ٹنڈر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس صاف کر کے انہیں ریک میں لگاتا رہا لیکن اس کی نظریں فریدی ہی پر تھیں۔ اچانک فریدی نے اُسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر فرش پر گرا۔ چھناکے کی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"یہہ.... یہہ.... یس سر....!" وہ ہکلایا۔

"ادھر آؤ.....!" فریدی کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

بار ٹنڈر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

لیکن بار ٹنڈر کھڑا کانپتا رہا۔

"بیٹھو! اس وقت یہاں تمہارا کوئی خریدار موجود نہیں ہے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپکے حکم سے بیٹھ رہا ہوں۔" بار ٹنڈر کانپتا ہوا بولا۔ "ورنہ آپکے برابر کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔"

"جیکسنز کارنر کا مالک کون ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"شاید اب میری موت قریب آگئی ہے۔" بار ٹنڈر بڑبڑایا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"جناب آپ مجھ سے ہمیشہ خطرناک آدمیوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔"

"تم نے پھر بکواس شروع کر دی۔"

"جناب والا..... پچھلی بار.....!"

جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

"بتاتا ہوں....." بار ٹنڈر رو دینے والی آواز میں بولا۔ "اس کا مالک حقیقتاً گومے ہے لیکن یہ بات بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے۔ عام آدمی سمجھتے ہیں کہ اس کا مالک پٹو ہے۔"

"گومے کب سے اس کا مالک ہے۔"

"ٹھہریئے..... بتاتا ہوں۔" بار ٹنڈر نے کہا اور انگلیوں پر کچھ گننے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "شاید پندرہ سال..... بیس بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہوں..... اور گومے ملتا کہاں ہے۔"

"وہ..... دیکھئے..... یہ تو مجھے معلوم نہیں..... یہ آپکو وہی آدمی پٹو بتا سکے گا۔ گومے پٹو کی بیوی کا شوہر ہے۔ اتنا میں ضرور جانتا ہوں اس لئے گومے نے پٹو کو سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔"

"یاد کر کے بتاؤ۔ کیا تم کبھی کسی مسٹر مورگن سے بھی واقف تھے، جو جیکسنز کارنر میں بیٹھا کرتا تھا۔"

"جناب! میں جانتا ہوں۔ وہ وہیں مقیم تھا۔ ایک پُر اسرار آدمی۔ یہاں کے سبھی لوگوں نے

ں کا نام سنا تھا لیکن شاید ہی کسی نے کبھی اسے دیکھا ہو۔ ویسے اس کی فیاضی کے قصے اس علاقے یں عام تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "پٹو ہر وقت وہاں ملتا ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"وہ یہاں کتنی مدت سے ہے۔"

"پانچ سال سے۔"

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔"

"شش..... شکریہ! جناب والا۔" بار ٹنڈر اٹھ کر پھر کاؤنٹر کے پیچھے چلا گیا۔ فریدی بھی ور گرین بار سے نکل کر جیکسنز کارنر کی طرف چل پڑا۔ یہ ہوٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

آج وہ پھر ادھر ہارڈی ہی کے چکر میں آیا تھا لیکن اس سے ملاقات نہ ہونے پر ایور گرین میں آبیٹھا تھا۔

جیکسنز کارنر میں پہنچ کر فریدی نے ایک ویٹر سے پٹو کے متعلق پوچھا اور اس نے اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک پستہ قد آدمی ایک بڑی سی میز کے سرے پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ لیکن شاید وہ اُسے پہچانتا نہیں تھا۔

"فرمایئے جناب۔" وہ اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھیے۔"

"میں مسٹر گومے سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کس لئے.....!"

"اگر میں یہ نہ بتانا چاہوں تو۔" فریدی نے خواہ مخواہ چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"تب پھر میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

"کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ میں ان سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔"

"قطعی جناب! یہ مسٹر گومے کا حکم ہے۔"

"کچھ کاروباری گفتگو کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا تعلق موڈرن ڈسٹلری سے ہے۔"

"اوہ..... تو آپ وہ گفتگو مجھ سے کر سکتے ہیں۔"

"مسٹر پٹو! میرا وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے بتایئے کہ مسٹر گومے کہاں ملیں گے۔ میں اُن کے

علاوہ اور کسی سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ اس معاملے کی نوعیت الگ ہے۔"

پٹو چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا اور فریدی نے وہ نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کر لئے۔ فون پر ایک یا ڈیڑھ منٹ کی گفتگو کے بعد پٹو فریدی کی طرف مڑا۔

"سات بجے آپ ان سے مورائیل مینشن کے آٹھویں فلیٹ میں مل سکتے ہیں۔"

"شکریہ مسٹر پٹو....!" فریدی نے کہا۔ میز سے اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی اور کمرے سے نکل آیا۔

❁

فریدی جیسے ہی اپنے آفس میں داخل ہوا سرجنٹ رمیش نے اُسے بتایا کہ آئی جی کے آفس میں اُسے طلب کیا گیا ہے۔

"حمید کا کیا حال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔ "تم ہسپتال گئے تھے۔"

"جی ہاں! ٹھیک ہیں۔ لیکن صبح سے ایک ادھیڑ عمر کی نرس ان کے کمرے میں ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی اور اُس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ پھر وہ آئی جی کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کنور جسپال اور سر جگدیش آئی جی کے آفس میں موجود تھے۔ فریدی ان کی طرف متوجہ تک نہیں ہوا۔

آئی جی نے سر کی جنبش سے خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی نے بیٹھتے وقت اُن دونوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر آئی جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے آج کا اخبار دیکھا۔" آئی جی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں! دیکھا تھا۔"

"شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر پچھلی رات جو حملے ہوئے تھے ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"ان دونوں حضرات سے واقف ہو۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" فریدی کنور جسپال اور سر جگدیش کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میری بدنصیبی ہے۔"

"آپ کنور جسپال.... اور آپ سر جگدیش۔"

"غالباً آپ دونوں پر بھی....!" فریدی جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔ ایسا م ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہم دونوں پر بھی حملے ہوئے تھے۔" کنور جسپال بولا۔ "میرا داہنا بازو زخمی ہے۔"

"صبح سے اس وقت تک میں کئی بار ان حیرت انگیز حملوں کے متعلق سوچ چکا ہ۔" فریدی نے انگلی سے اپنی ٹھوڑی سہلاتے ہوئے کہا۔ "حملے.... بڑی عجیب بات ہے کہ بھی حملہ کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ہاں یہ بات قابل غور ہے۔" آئی جی سر ہلا کر بولا۔

"کیا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکیں گے۔" فریدی نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم خود ہی متحیر ہیں۔" کنور جسپال نے کہا۔

"ظاہر ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور پھر آئی۔ جی سے مخاطب ہو گیا۔ "آپ نے یاد فرمایا تھا۔"

"ہاں! بیٹھو....!" آئی جی نے کہا۔ پھر اُن دونوں سے بولا۔ "آپ اس سلسلے میں براہِ راست کمشنر سے رجوع کیجئے۔ ہمارے لئے وہیں سے احکامات آتے ہیں۔ ہم براہِ راست کسی معاملے دخل انداز نہیں ہو سکتے۔"

"بہتر ہے۔" کنور جسپال اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اجازت دیجئے۔ ہم چیف کمشنر سے بھی ملیں گے۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ لیکن فریدی بڑے بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا۔

"یہ چاہتے ہیں کہ دو چار سادہ لباس والے ان کے گھروں پر تعینات کر دیئے جائیں۔"

"ضرور چاہیں گے۔"

"مگر یہ واقعہ ہے دلچسپ۔" آئی جی مسکرا کر بولا۔ "شائد ان کا سرغنہ اب ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ یہ سارے وہی لوگ ہیں جن کی لسٹ تم نے پیش کی تھی اور ہاں ان میں سیٹھ [illegible]لی بھی تو تھا۔ وہ پُر اسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا بات ہے۔" آئی۔ جی اُسے متحیرانہ انداز میں گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہت اچھا ہوا کہ یہ کیس اب میرے ہاتھ میں نہیں ورنہ خواہ مخواہ میرا ریکارڈ خراب ہوتا۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا ہے کہ کیس تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں بہر حال اُس پُراسرار آدمی کو ڈھونڈنا ہے۔ رہ گئی زوبی کی بات....!"

"میں بہت تھک گیا ہوں جناب!" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ "میں نے محکمے کی کافی خدمت کی ہے۔ اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں گا کہ اگر یہ کیس کسی دوسرے کے سپرد کر دیں۔"

"نہیں.... ایسے حالات میں تمہارا آرام یقیناً دوسروں کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ بھئی تم زوبی سے بھڑے بغیر بھی اپنا کام جاری رکھ سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح؟"

"میرا خیال ہے کہ زوبی بھی اُس آدمی کی اصلیت سے واقف نہیں ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے یقین ہے کہ زوبی کے بغیر اس کیس میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر کے میری سخت توہین کی گئی ہے.... لیکن.... خیر....!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ کچھ دیر بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ یہ کیس باضابطہ طور پر کسی اور کے سپرد کر دیجئے کیونکہ اب میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اپنی ذمہ داری پر۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں قانون میرے ہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے۔"

اعترافات

ٹھیک سات بجے فریدی نے مورائیل مینشن کے فلیٹ نمبر آٹھ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھل گیا لیکن ایک نوخیز لڑکی دروازے میں کھڑی تھی۔

"کیا آپ موڈرن ڈسٹلری سے تعلق رکھتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"اندر تشریف لائیے۔" لڑکی پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

فریدی نے کمرے میں پہنچ کر لڑکی کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ تشریف رکھئے میں مسٹر گومے کو اطلاع دیتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور دروازے سے نکل گئی۔

فریدی صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اور گومے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ گومے پرتگالی تھا اور شراب کا بیوپار اس کا خاص پیشہ تھا اور شاید وہ یہاں شراب کا سب سے بڑا اسمگلر بھی تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہتیری غیر قانونی حرکات اس سے سرزد ہوتی رہتی تھیں۔

دو یا تین منٹ بعد گومے کمرے میں داخل ہوا لیکن اُسے دروازے ہی میں رک جانا پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا۔

"خوش آمدید کرنل....!" وہ مسکراتا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ پھر دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"آخر اس طرح....!" گومے نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا اگر آپ مجھے فون کر دیتے تو میں خود ہی آپ کے پاس پہنچ جاتا۔"

"میری آمد کا تعلق تمہاری ذات سے قطعی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر یہ موڈرن ڈسٹلری کی بات....!"

"ادہو! یہ بھی کچھ نہیں ہے۔ تمہارا آدمی پٹو بڑا چالاک ہے۔ وہ مجھے تمہارا پتہ ہرگز نہ بتاتا۔ پھر اُس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔"

"خیر.... مجھے آگاہ کیجئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ایک آدمی کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کرو گے۔"

"ضرور جناب! آپ فرمائیے تو....!"

"مورگن نامی ایک شخص جو کبھی کبھی جیکسنز کارنر میں ٹھہرا کرتا تھا۔"

"اوہ.... مورگن؟ ہاں اس کے متعلق میں جو کچھ بھی جانتا ہوں آپ کو بتا دوں گا۔"

"وہ کہاں مل سکے گا۔"

"افسوس کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ وہ ایک انتہائی پُراسرار آدمی تھا۔"

"تم نے اُسے کب سے نہیں دیکھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔

آج سے آٹھ سال پہلے وہ آخری بار جیکسنز کارنر میں ٹھہرا تھا۔ واقعی وہ انتہائی پُر اسرار آدمی تھا۔ شہر کی بے شمار لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ اس بُری طرح کہ وہ سب اپنے ناموں کیساتھ مورگن لگاتی تھیں۔ لیکن اُن میں سے شاید ہی کبھی کسی نے اُسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اُنکی موجودگی میں کبھی کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے باہر کھڑی ہو کر اُس سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔"

"یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ انہوں نے اُسے دیکھا نہ ہو۔"

"نہیں میں بالکل درست اطلاع دے رہا ہوں۔"

"جب انہوں نے اُسے دیکھا ہی نہیں تو اس پر مرنے کس طرح لگی تھیں۔"

"یہی معمہ اب بھی مجھے اکثر الجھن میں ڈالے رہتا ہے۔ ان میں کئی بہت اونچے خاندانوں کی لڑکیاں بھی تھیں۔"

"مثلاً سر جمشید کی بہن زوبی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ بالکل ٹھیک۔ جی ہاں زوبی جو آج کل لیڈی کہلاتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ گومے نے کہا۔ "میں کسی ایسے آدمی کو اپنے ہوٹل میں قیام کی اجازت نہ دیتا مگر اُس نے ایک بار میری مدد کی تھی۔ میں اس کا احسان مند تھا مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ اس کے باوجود بھی اس کی شکل کبھی نہ دیکھ سکا۔"

"اڑنے لگے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ وہ بڑا عجیب تھا۔ آپ یہ ہرگز نہ سمجھئے کہ میں آپ کو اس کا حلیہ نہیں بتانا چاہتا۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو اس کی تصویر بھی دے سکتا ہوں۔"

"تم شائد نشے میں ہو گومے۔"

گومے ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "دیکھئے! وہ اتنا ہی عجیب تھا کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو بھی عجیب معلوم ہوتی ہے۔"

"گومے تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہاں کرنل! اور آپ یقین کیجئے کہ میں آپ سے ذرا برابر بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "اچھی بات ہے گومے تمہیں آج کی بات برسوں یاد رہے گی۔"

"اوہو.... آپ سچ مچ خفا ہو گئے۔ دیکھئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے بھی گوشت و پوست میں اس کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ پُر اسرار طریقے پر ہوٹل میں آتا اور اسی طریقے سے وہاں سے رخصت بھی ہو جاتا تھا.... حتیٰ کہ ہوٹل کے خدمت گار بھی اس کی شکل نہیں دیکھ پاتے تھے۔ جاتے وقت وہ منیجر کے نام ایک لفافہ چھوڑ جایا کرتا تھا جس میں دوران قیام کے اخراجات کی رقم ہوا کرتی تھی۔ آمد کی اطلاع بذریعہ تار دیا کرتا تھا اور اُس کی ...باؤں میں سے کوئی اس کیلئے کمرہ مخصوص کراجایا کرتی تھی۔ پھر دوسری صبح معلوم ہوتا کہ مورگن اپنے کمرے میں موجود ہے لیکن کمرے کا دروازہ کبھی نہ کھلتا... غالباً اب آپ سمجھ گئے ہونگے۔"

"سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں اُس کی تصویر کہاں سے مل گئی تھی۔"

"اُسے محض اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے کہ آخری بار ہوٹل سے رخصت ہوتے وقت وہ کمرے میں اپنا پاسپورٹ چھوڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کی لاعلمی میں وہاں رہ گیا ہوگا۔"

"اوہ....!" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "مجھے وہ پاسپورٹ چاہیئے۔"

"آٹھ سال پہلے کی بات ہے جناب! تقریباً ایک سال تک وہ پاسپورٹ میرے پاس رہا۔ اس توقع پر کہ شاید وہ پھر کبھی واپس آجائے۔ لیکن آج آٹھ سال گذر گئے۔ ایک سال بعد میں نے پاسپورٹ سے اس کی تصویر نکال کر اپنے البم میں لگائی اور پاسپورٹ... مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وہ کہاں ہوگا۔"

"وہ تصویر تو محفوظ ہے یا وہ بھی نہیں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"جی ہاں! قطعی محفوظ ہے۔"

"مجھے ابھی چاہیئے۔"

"ٹھہریئے....!" گومے نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے وہی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس نے فریدی کی آمد پر دروازہ کھولا تھا۔

"میرا البم لاؤ۔" گومے نے اس سے کہا.... لڑکی چلی گئی۔

"مگر معاملہ کیا ہے کرنل....!" گومے نے پوچھا۔

"ایک کیس میں اُس کی ضرورت ہے اور اب تم اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گے اور نہ اس ملاقات کا تذکرہ کسی سے کرو گے۔ سمجھے۔"

"سمجھ گیا.... ایسا ہی ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد لڑکی البم لائی۔ گومے اُس کے ورق الٹنے لگا۔ پھر ایک چھوٹی سی تصویر نکال کر فریدی کی طرف بڑھادی۔

تصویر دیکھ کر فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ "اس کی مونچھیں بڑی شاندار ہیں کیوں.... کیا خیال ہے؟"

"یقیناً ہیں....!" گومے نے کہا۔ وہ فریدی کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے مایوسی ہی ہوئی کیونکہ وہ فریدی کے چہرے سے کسی بات کا اندازہ نہ لگا سکا۔

"گومے....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ "یہ ناممکن ہے کہ اس کا پتہ تمہارے ذہن میں محفوظ نہ ہو اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ پاسپورٹ میں اس کا پتہ نہ رہا ہوگا۔"

"کرنل میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ یقیناً اتنا ہی پُر اسرار آدمی تھا کہ اس کی ذات سے تعلق رکھنے والی چیز کبھی نہیں بھلائی جا سکتی اور کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں اس کی ٹوہ میں نہ رہا ہوں گا۔ مگر پاسپورٹ والے پتہ پر میں اُس سے آج تک نہیں مل سکا۔ پتہ اُسی شہر کی ایک عمارت کا تھا۔ کنگس لین کی گیارہویں کوٹھی۔ لیکن وہاں دوسرے لوگ رہتے ہیں اور جوزف مورگن سے کوئی واقف تک نہیں۔"

"پاسپورٹ کہاں کے لئے تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جرمنی....!"

"اس کی شناساؤں میں کوئی لڑکی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... اور میں اسے بے حد پسند کرتا تھا۔"

"میں پسندیدگی کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔" فریدی مسکرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"چل دیئے.... بیٹھئے کرنل.... کچھ پیجئے۔"

"میں کافی اور سادہ پانی کے علاوہ کچھ نہیں پیتا.... شکریہ....!"

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ شراب کے بغیر اتنا دماغی کام کیسے کر لیتے ہیں۔"

"شراب نہیں پیتا اسی لئے کر لیتا ہوں۔ شرابیوں کی ذہنی موت بہت جلد ہو جاتی ہے۔ اچھا بخیر....!"

✿

ڈریلا مورگن سفید اسکرٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ یاقوت کی قاشوں رح دمک رہے تھے۔ اُس نے آئینے پر آخری نظر ڈالی اور وینٹی بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف ہی تھی کہ کسی نے دروازے کو باہر سے ہولے ہولے کھٹکھٹایا۔

ڈریلا نے دروازہ کھول کر آنے والے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ یہ ایک خستہ حال نوجوان اُس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈریلا کی طرف بڑھا دیا۔ لفافہ دے کر وہ وہاں ٹھہرا ۔ لفافہ پر ڈریلا کا پتہ ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا۔ ٹائپ کی ہوئی دو یں تھیں۔

"جوزف مورگن تمہیں دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس میں طلب کرتا ہے۔"

ڈریلا کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک ٹائپ کی ہوئی ان دو سطروں ورتی رہی۔

اس کے پورے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں اور اُس نے بے خیالی میں اپنے ٹوں کی سرخی گالوں پر پھیلالی تھی اور اس کا چہرہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔ اچانک انے چونک کر دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا نو بج چکے تھے۔ پھر اُس کی نظر نے پر پڑ گئی اور وہ جلدی جلدی اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔

پندرہ منٹ بعد وہ سڑک پر ٹیکسی یا کسی دوسری تیز رفتار سواری کا انتظام کر رہی تھی۔

وہ ٹھیک دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کی سانس ل رہی تھی اور دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے وہاں پہنچنے کے لئے کئی بار نا بھی پڑا تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر سراسیمہ نظروں سے دیکھا۔ راہداری ویران پڑی تھی۔ پھر وہ دروازے بہت قریب ہو کر آہستہ آہستہ آوازیں دینے لگی۔ "مسٹر مورگن مسٹر مورگن.... یہ ڈریلا ہے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ ڈریلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ

نکل گئی۔

"ڈرو نہیں....ڈرو نہیں....!" دراز قد نقاب پوش نے کہا۔ "ویسے میرا چہرہ تم آج بھی نہ دیکھ سکو گی۔"

ڈریلا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اُس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔ اس کا وینٹی بیگ اب بھی فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"تمہیں حیرت تو ہوگی ڈریلا۔" نقاب پوش نے کہا۔

ڈریلا نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔ زبان تو کھل نہیں رہی تھی۔

"ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں کچھ یاد ہے۔"

"شش....شاید....آٹھ سال بعد....!"

"ہاں! اتنا عرصہ ضرور گذرا ہوگا۔ آج کل کیا کر رہی ہو۔"

"وہی جو کچھ آپ نے کہا تھا۔"

"یعنی طاقت....!"

"جی ہاں....!"

"تم نے اُسے دیکھا ہے۔"

"جی نہیں....مگر....اکثر سوچا ہے کہ....کہیں آپ ہی طاقت نہ ہوں۔"

"غلط سوچا ہے تم نے۔"

تھوڑی دیر کے لئے وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

پھر ڈریلا نے کہا۔ "آپ بہت بدل گئے ہیں۔ خصوصاً آپ کی آواز۔"

"ہاں....آں....میں بہت بدل گیا ہوں۔ ڈریلا میرا دل چاہتا ہے کہ آج تمہیں اپنی شکل بھی دکھا دوں۔ کیوں....کیا خیال ہے۔"

"اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔" ڈریلا نے بے دلی سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دراز قد آدمی کے چہرے سے نقاب علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ہی ڈریلا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آپ مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے۔" ڈریلا نے بیٹھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مورگن بلیک میلر تھا....!" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"میں تمہارے لئے اس بلیک میلر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں سمجھیں!"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کس بلیک میلر کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"خوب....!" فریدی مسکرایا۔ "اچھا یہی بتا دو کہ تم اپنے نام کے ساتھ مورگن کیوں لگاتی ہو۔"

"میرے باپ کا یہی نام تھا۔"

"لیکن میں تم سے جوزف مورگن کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔"

"میرے باپ کا نام ہیری مورگن تھا۔ میں کسی جوزف مورگن کو نہیں جانتی۔"

"مگر تم نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے مورگن سمجھ کر بہت سی باتیں کی تھیں۔"

"آپ مجھ پر خواہ مخواہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے آپ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔ آپ نے مجھے یہاں دھوکے سے بلایا اور اب میری عزت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ میری ایک آواز پر آس پاس کے لوگ دوڑ پڑیں گے۔ آپ مجھے یہاں نہیں روک سکتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "یہ دیکھ رہی ہو....ادھر....میز پر....یہ قلمدان نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی طاقت ور مائیک ہے اور اس وقت بھی ہماری گفتگو اسی کے ذریعہ دوسرے کمرے میں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ اگر تم جیسی ننھی منی عورتیں مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے۔"

ڈریلا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ غازے کی گہری تہوں کے باوجود بھی پیلا نظر آنے لگا تھا۔

"آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" ڈریلا نے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔

"اُس نے تمہیں کس طرح اپنے قابو میں کیا تھا۔"

"بلیک میل کر کے۔"

عشق آگ اور موت

ڈریلا کرسی پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

"چلو میں تم سے بلیک میلنگ کی وجہ نہ پوچھوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں طریقہ کار تو بتانا ہی پڑے گا۔"

ڈریلا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں ڈریلا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ بتا دینے کے بعد میرا انجام کیا ہو گا۔" ڈریلا نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

"بُرا نہیں ہو گا۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کرونگا۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔"

ڈریلا چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔ "اُس کے پاس تقریباً دو درجن لڑکیاں تھیں۔ اُس نے انہیں کسی نہ کسی طرح پھانس رکھا تھا۔ میں بھی انہیں میں تھی۔ اُس نے مجھے بلیک میل کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ ہم اس کے لئے کیس فراہم کرتے تھے۔ بڑے گھرانے کی عورتوں تک رپورٹ پہنچاتے تھے اور وہ ان کے خلاف ٹھوس قسم کے ثبوت فراہم کر کے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ اب سے آٹھ سال پہلے کی بات ہے پھر اُس نے ہم سب کو ایک پُر اسرار شخصیت "طاقت" کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ہمارے سارے راز اُس کے سپرد کر دیئے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ طاقت مورگن ہی کا دوسرا روپ ہے۔ بہر حال مورگن کے لئے ہمیں مفت کام کرنا پڑتا تھا۔ مگر طاقت.... وہ ہمیں تنخواہیں دیتا ہے۔ میں صرف اپنے متعلق جانتی ہوں مجھے ہر ماہ چھ ہزار روپے ملتے ہیں۔"

"یعنی طاقت کے تین سکے۔"

"اب تمہیں کیا کرنا پڑتا ہے۔"

"سرکاری آفیسروں سے عشق۔ میں انہیں اپنے جال میں پھانس کر حکومت کے راز معلوم کرتی ہوں۔"

"اور وہ طاقت تک کس طرح پہنچتے ہیں۔"

"میرے پاس ایک اسٹیشن تھا۔ آپ نے اس پر چھاپا مارا۔ وہی تمباکو فروش پھر دوسرا اسٹیشن ...ا اب وہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ میں ساری اطلاعات وہاں پہنچا دیا کرتی تھی اور مجھے احکامات بھی ...ں سے ملتے تھے۔"

"اب کیا صورت ہے۔"

"بیکاری.... نہ کوئی پیغامات ملتے ہیں اور نہ کوئی کام ہوتا ہے۔ غالباً یہ آپ کی عنایت کا نتیجہ ...۔ اکثر میں نے سوچا ہے کہ آپ طاقت سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔ یہی مورگن والا قصہ۔ میں ...ں سمجھ سکتی کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

"کیا مورگن نے تمہیں اس بات پر مجبور کیا تھا کہ تم اپنے نام کیساتھ اس کا نام بھی لگاؤ۔"

"نہیں.... یہ میرے باپ کا بھی نام تھا.... ہیری مورگن....!"

"مگر میری معلومات کے مطابق اُسکی ساری لڑکیاں اپنے ناموں کیساتھ مورگن لگاتی تھیں۔"

"یہ غلط ہے۔ اُن میں سے صرف میرے نام کے ساتھ مورگن استعمال ہوتا ہے۔"

"وہ ساری لڑکیاں بھی اب طاقت کے لئے کام کر رہی ہوں گی۔"

"جی ہاں....!"

"میں اُن کے نام اور پتے چاہتا ہوں۔"

"لیکن میرا کیا انجام ہو گا۔ طاقت مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اُسے ہر بات کا علم ہو جاتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔ طاقت کے فرشتے بھی تم تک نہیں پہنچ ...یں گے۔ ہاں مجھے ان لڑکیوں کے نام اور پتے لکھوا دو۔"

ڈریلا اب بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگی لیکن اُسے نام اور پتے لکھوانے ہی پڑے۔

"اچھا اب بتاؤ۔" فریدی نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "تم میرے سوال کا جواب بالکل ...ٹھ دو گی۔ ابھی تک میں نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ میرے کسی کام نہیں آسکتا۔"

"میں نے ابھی تک آپ کے ہر سوال کا بالکل صحیح جواب دیا ہے۔"

"کیا تم شہر کے کسی ایسے بڑے آدمی کا نام بتا سکتی ہو جو طاقت سے تعلق رکھتا ہو۔"

ڈریلا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "نہیں میں کسی ایسے بڑے آدمی کو نہیں جانتی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تمہارا جواب بالکل صحیح ہے۔" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے۔"

"اُس کے چکر میں پھنسی ہوئی لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی زوبی بھی تھی۔"

"نہیں اس نام کی تو کوئی بھی لڑکی مجھے یاد نہیں آتی۔"

"پھر سوچو.....!"

"مجھے یقین ہے کہ اس نام کی کوئی لڑکی نہیں۔"

"اس نام کی کسی لڑکی کو اُس نے بلیک میل بھی نہیں کیا تھا۔"

"نہیں.... میری معلومات کے مطابق تو اُن عورتوں میں زوبی نام کی کوئی نہیں تھی۔"

"اب.... خیر ہاں.... یہ تو رہ ہی گیا۔ تم مجھے ان عورتوں کے نام اور پتے بھی نوٹ کراؤ جنہیں مورگن بلیک میل کر رہا تھا۔"

"میرے ذمہ دو عورتیں تھیں جن سے میں ہر ماہ بھاری رقمیں وصول کر کے مورگن تک پہنچاتی.... اور اب بھی.... میرا خیال ہے اگر مورگن ہی طاقت ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اُن سے رقمیں ضرور وصول کراتا ہوگا۔ ورنہ وہ اتنی بڑی بڑی تنخواہیں کہاں سے دے سکتا ہے۔"

"وہ دو عورتیں کون ہیں۔"

"لیڈی جگدیش.....!"

"سر جگدیش کی بیوی.....!" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"جی ہاں.... اور دوسری.... راجکماری ریکھا.... پرنس جسپال کی بہن۔"

"خوب.....!" فریدی اپنے ہاتھ ملنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اس کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں؟"

"جاؤ.... جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ طاقت کا کوئی ہرکارہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے۔"

ڈریلا چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بادلِ ناخواستہ دوسرے کمرے میں چلی گئی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ پھر اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ آدمی آپس میں لڑ پڑے ہوں۔

فریدی آرام کرسی میں پڑا ہوا نہایت اطمینان سے سگار کے کش لیتا رہا۔ تقریباً دس منٹ رے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر آئے۔

دونوں جوان العمر تھے اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔

"کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" ایک نے جواب دیا۔

"بس لے جاؤ۔ میرا خیال ہے وہ زیادہ وزنی نہ ہوگی۔"

"لیکن.....!"

"ہاں اچھا.....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... یہ اس وقت تک دوسروں کی نظروں نہ آنے پائے جب تک کہ اس کیس کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ دوسری بات.... تم دونوں کل شام لکچو میں ملنا.....!"

❁

فریدی کو جو کچھ بھی معلوم کرنا تھا ڈریلا سے معلوم کر چکا تھا۔ وہ مورگن کی دوسری لڑکیوں نہیں ملا اور نہ اُن عورتوں کی طرف توجہ دی جنہیں مورگن بلیک میل کرتا رہا تھا۔

وہ پرنس شمشاد سے دوبارہ ملا جس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تین دن بعد اپنے شبہے کا اظہار کر سکے گا۔

"کرنل میں سخت الجھن میں ہوں۔" پرنس شمشاد نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ م کے آٹھ ارکان پر حملے کیوں ہوئے اور کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا۔ اسی واقعے کی بناء پر اپنا نظریہ بدل دینا پڑا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دیکھئے بتاتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ایک الجھن اور بھی ہے اگر وہ حملے طاقت کی طرف سے تے ہیں تو میں کیوں چھوڑ دیا گیا ہوں۔ وہ سب تو اس کے معتمد تھے اور میں تنظیم سے الگ ہوگیا تھا۔ اُسے میری طرف سے زیادہ خطرہ ہونا چاہئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے بے ضرر سمجھتا ہو۔"

"نہیں فریدی صاحب! اس معاملے کو دوسری روشنی میں دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ آخر کوئی ر جان لیوا کیوں نہیں ثابت ہوا۔"

"میرے پاس آپ کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن میں سمجھتا ہوں۔" پرنس شمشاد سر ہلا کر بولا۔ "اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ انہیں آٹھ آدمیوں میں سے کوئی طاقت ہے۔"

"کیا....؟" فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ ہنسنے لگا۔ اس انداز میں جیسے پرنس شمشاد نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔

"خیر اسے جانے دیجئے۔" اس نے کہا۔ "پہلے آپ کا نظریہ کیا تھا۔"

"پہلے.... پہلے میں سر فیروز پر شبہ کر رہا تھا۔"

"تو اپنے اسی شبہے پر قائم رہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"ان آٹھ آدمیوں پر وہ حملے میں نے کرائے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے....؟" کنور شمشاد بے ساختہ اچھل پڑا۔

"جی ہاں میں نے.... لیکن یہ بات آپ ہی تک محدود رہے گی۔"

"ارے.... قطعی.... قطعی.... مگر اس میں کیا مصلحت تھی۔"

"بس یونہی میں انہیں خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ طاقت بالکل تنہا رہ جائے۔ ابھی دو اور باقی ہیں زوبی.... اور ضرغام.... ان دونوں کو کسی چوہے دان میں بند کر کے مار دوں گا۔ آپ کو علم ہوگا کہ میرے دو بہترین ساتھی ہسپتال میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ میں طاقت کے علاوہ گروہ کے ایک ایک آدمی کو چن چن کر ماروں گا۔"

"مگر اس سے کیا ہوگا۔" شمشاد بولا۔ "طاقت تک پہنچنے کی تدبیر کیجئے۔ وہ تو ہر حال میں محفوظ رہے گا۔"

"سر فیروز کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہو.... اُسے رہنے دیجئے۔ اب وہ مجھے مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔"

"کچھ کہئے بھی تو۔ ممکن ہے وہ کوئی کام ہی کی بات ہو۔"

"زوبی کی وجہ سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ آخر طاقت اس پر اتنا اعتماد کیوں کرتا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو سوچنے کی ہے۔"

"سر فیروز یہاں کا سب سے بڑا سرمایہ دار ہے اور کبھی سیاسی اکھاڑوں کا بھی پہلوان رہ چکا ہے ے اس قسم کی حکومت جمانے کا خبط ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ مگر فریدی صاحب پھر ی.... اس بات پر یقین کرنے کو تو دل نہیں چاہتا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سر فیروز پاگل ہے۔ مٹی کے کھلونے سامنے رکھ کر دو دو آنے چار چار آنے کی ہانک لگایا تا ہے۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کا ایک بہترین طریقہ۔" فریدی نے جواباً کہا۔

"نہیں فریدی صاحب۔ ہم ٹھوس قسم کے حقائق سے دوچار ہیں۔ یہ کسی چار پیسے والے سوی ناول کا معاملہ نہیں ہے یا کسی گھٹیا سے فلم کا پلاٹ نہیں۔ آپ خود سوچئے لاحول ولا قوۃ را خیال ہے کہ ایک معمولی سا آدمی بھی اگر ان واقعات سے واقف ہو تو سر فیروز ہی پر شبہ ے گا اور یہی سمجھے گا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے مگر.... طاقت.... وہ اتنا بدھو نہیں معلوم ہوتا۔ آخر ے اس قسم کا سوانگ بھرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے وہ کوئی ایسا آدمی ہوگا دوسروں کے لئے قطعی ناقابلِ توجہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت کسی معمولی سے بار میں بیٹھا ہوا ئی گھٹیا سی شراب پی رہا ہو۔ سر فیروز اپنے پاگل پن کی وجہ سے ایک بچے کی توجہ بھی اپنی طرف بذول کرا سکتا ہے۔ کیوں؟ آپ سمجھے یا نہیں۔"

"بالکل سمجھ گیا.... بلکہ پہلے بھی سمجھتا تھا.... میں تو آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن....!" کنور شمشاد بولا۔ "میرا یہ نظریہ ہے کہ اُن آٹھوں ہی میں سے کوئی نہ کوئی طاقت ہے مگر.... نہیں.... کیا حقیقتاً اُن پر وہ حملے آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔"

"ہاں.... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے اس کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا.... پھر.... میں اب بالکل تاریکی میں ہوں اور آپ کی کوئی د نہیں کر سکتا۔"

"آپ شکاری ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور ہر شکاری ایڈونچر کا شائق ہوتا ہے۔ کیا طاقت کا پتہ لگا لینا ایک بہت بڑا ایڈونچر نہ ہوگا۔"

"یقیناً ہوگا.... مسٹر فریدی اور ہوا سے لڑنے کے متعلق بھی میں یہی خیال رکھتا ہوں۔"

"لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جب تک طاقت آزاد ہے آپ بھی خطرے سے باہر نہیں۔"

"ایک بات میں آپ کو بتادوں فریدی صاحب کہ میں اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ زوبی نے مجھ پر دو فائر کئے تھے لیکن میں نے اس کا تذکرہ آپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں کیا۔ اگر میں اس سے خائف ہوتا تو آپ میری شکل اس شہر میں نہ دیکھتے۔"

"اس بے خوفی کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ کنور صاحب۔ میں وہی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"وجہ... اسکی کیا وجہ ہو سکتی ہے بس میں نے آج تک کسی سے بھی خوف نہیں محسوس کیا۔"

"بہر حال....!" فریدی ایک طویل سانس لیکر بولا۔ "ہماری آج کی ملاقات بھی بیکار رہی۔"

"بھئی آپ جو کچھ بھی کہئے کرنے کا تیار ہوں۔" کنور شمشاد نے کہا۔

"میں زوبی کا اغواء چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"اس کا مطلب آپ نہیں سمجھتے۔"

"سمجھتا ہوں.... لیکن اس سے کیا ہوگا۔"

"یہ بعد میں بتاؤں گا.... بولئے ممکن ہے یا نہیں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کا طالب ہوں۔"

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں.... اور پھر آپ مجھ سے مدد کیوں چاہتے ہیں۔"

"مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے جس پر میں اعتماد کر سکوں۔ ایک بے خوف ساتھی کی ضرورت ہے۔ مشکلات کا جم کر مقابلہ کر سکے۔ اگر میرے دونوں ساتھی ہسپتال میں نہ ہوتے میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

کنور شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"دیکھئے! میں بتادوں کہ میں قانون سے بہت ڈرتا ہوں۔ یہی وجہ تنظیم سے علیحدگی کی بھی ہے۔ میں آپ کے لئے یہ کر سکتا ہوں۔ کوئی بہت بڑی بات نہیں لیکن آپ ہر حال میں میرے ساتھ ہوں گے۔"

"اس سے آپ مطمئن رہئے جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس سے آپکا بچاؤ میں کروں گا۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔" کنور شمشاد نے کہا۔ "آپ اس کا اغواء کب چاہتے ہیں۔"

"آج رات کو۔"

"تو آپ مجھے کہاں ملیں گے۔"

"یہیں آپ کے گھر پر....!" فریدی نے کہا۔ "اس کا پتہ لگانا میرا کام ہوگا کہ زوبی اس وقت کہاں موجود ہے۔"

✿

نصرت خان کا پیر اب ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن مزاج کا چڑچڑا پن بدستور باقی تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں پر چڑھ دوڑتا تھا۔ خصوصاً زوبی تو بُری طرح نالاں تھی۔ وہ ہر طرح اُس کا موڈ ٹھیک رکھنے کی کوشش کرتی۔

آج بھی وہ اسی غرض سے اس کو ہائی سرکل نائٹ کلب میں لے آئی تھی۔ رات کے نو بجے تھے اور کلب کی رعنائیاں شباب پر تھیں وہ اسے ریکریئشن ہال کی طرف لیتی چلی گئی۔

"اوہ... زوبیا... تو مجھے بہلانے کی کوشش کرتی ہے۔" نصرت خان نے کہا۔ "لیکن سب فضول ہے۔ جب تک میرے ہاتھ فریدی کے خون سے رنگ نہ جائیں میری افسردگی نہیں دور ہو سکتی۔"

وہ دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ یہی ایک میز خالی تھی۔ شاید زوبی اسے پہلے ہی سے مخصوص کرا چکی تھی۔ انکے بعد والی میز پر صرف ایک آدمی تھا اور اس کی پشت اُن کی طرف تھی۔

"تو مجھے یہاں بیکار لائی ہے زوبیا۔ مجھے کہیں سکون نہیں مل سکتا۔"

"ضرغام چھوڑ ان باتوں کو۔ کیا تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"جگہ تو ہے لیکن کبھی کبھی تجھ پر غصہ بھی آتا ہے۔"

"کیوں نہ ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں۔"

"مقلاق....!"

"خان بابا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ وہ میری کھال گرا دے گا۔"

"تم اس بوڑھے سے اتنا ڈرتے ہو۔"

"ہاں میں اسی کا نطفہ ہوں۔ اُس کے آگے سر نہیں اٹھا سکتا۔ اُس نے مجھے پاپوش سے مارا ہے اس کے علاوہ میرا سر اور کسی کے آگے نہیں جھکا۔"

زوبی تحیر آمیز انداز میں ہنسنے لگی اور نصرت خان جھنجھلا کر بولا۔ ”زوبیا! میں تیری بوٹیاں اڑادوں گا.... میرا مضحکہ اڑاتی ہے۔“

”تم شیر ہو.... بہت طاقت ور.... انتہائی دلیر....!“ زوبی یک بیک سنجیدگی سے بولی۔ ”مگر ذہنی اعتبار سے کمتر....!“

”کیوں! کیا ثبوت ہے تیرے پاس۔ میں ذہنی طور پر بھی کمتر نہیں ہوں۔“

”ذہنی کمتری کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی ایک شہزور جوان ایک نحیف بوڑھے کے ہاتھوں پٹ جاتا ہے۔“

”نحیف! کیا بکتی ہے زوبیا۔ خان بابا آج بھی فولاد کی چٹان ہے۔“

”وہم ہے تمہارا۔“

”اچھا بکواس بند.... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

”مقلاق نہ سہی کہیں اور چلو! میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتی۔“

”کیوں....؟“

”میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“

”تو گویا تم.... میرے دوست طاقت کا ساتھ چھوڑنا چاہتی ہو۔“

”طاقت....!“ زوبی کا منہ بگڑ گیا۔ ”طاقت کو بھی دیکھ رہی ہوں۔ اس کے بہترین رفیق فریدی کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں اور وہ خاموش ہے ایک رات میں آٹھ آدمیوں پر حملے ہوئے۔ اب تم خود انصاف کرو۔“

”میں سوچتا ہوں۔“ نصرت خان نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ ”مگر میں اسے دوست کہہ چکا ہوں اور مجھے مرتے دم تک اسے نباہنا ہے خواہ کچھ ہو جائے۔“

”تم ابھی اس کی دوستی کے مقصد سے واقف نہیں ہو۔“ زوبی نے کہا۔

”میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں سننا چاہتا۔ بکواس بند کرو۔“

”تمہاری مرضی۔ ویسے وہ تمہیں ہمیشہ غلام بنائے رکھنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“

”زوبیا.... میں کیا کہہ رہا ہوں۔“

”زوبی خاموش ہو گئی اور نصرت خان بڑبڑانے لگا۔ مجھے بھی اس کی خاموشی پسند نہیں ہے۔“

خصوصاً فریدی کے معاملے میں.... لیکن....!“

اچانک وہ چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ سامنے والی میز پر تنہا بیٹھے ہوئے آدمی کا رخ اب انہیں کی طرف تھا۔ اسے پہچان لینے کے لئے پہلی ہی نظر کافی تھی۔ یہ فریدی تھا اور وہ نصرت خان کے بجائے زوبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ زوبی بُری طرح بوکھلا گئی۔

”اگر کوئی حرج نہ ہو لیڈی زوبی۔!“ فریدی اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھکتا ہوا بولا۔ ”تو میں آپ کی میز پر آجاؤں۔ آج شام کی تنہائی میرے لئے بڑی تکلیف دہ ہے۔“

نصرت خان قہر آلود نظروں سے زوبی کو دیکھنے لگا۔ زوبی جیسے مسحور ہو کر رہ گئی تھی وہ برابر فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے جسم کی ساری طاقت سمٹ کر آنکھوں میں آگئی ہو اور پپوٹے بوجھل سے محسوس ہو رہے تھے۔ اتنے بوجھل جیسے اپنے حلقوں سے باہر نکل پڑیں گے۔

”ضرور.... ضرور....!“ اُس کے ہونٹ ہلے اور دھیمی سی آواز نکلی۔

”نہیں....!“ نصرت خان میز پر گھونسہ مار کر گرجا۔

”آپ کی تعریف لیڈی زوبی۔“ فریدی نے نرم لہجے اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

”مم.... مسٹر ضرغام....!“ زوبی نے کہا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

”زوبیا.... بکواس بند۔“ نصرت خان اور زیادہ جھلا گیا لیکن فریدی کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس نے اسی نرم لہجے میں کہا۔

”لیڈی زوبی! اب میں پوچھوں گا کہ یہ کون بدتمیز ہے۔“

دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کے دونوں ہاتھ فریدی کی گردن کی طرف لپکے لیکن فریدی کے بائیں ہاتھ کی کہنی اس سے پہلے ہی اُس کے چہرے پر لگ چکی تھی۔ پھر داہنا ہاتھ بھی اور نصرت خان پچھلی میز سے ٹکرا کر دو تین آدمیوں سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر زوبی کی آہ کے ساتھ ہی صرف ہال میں نہیں بلکہ پوری عمارت میں اندھیرا ہو گیا۔

❀

فریدی نے بیہوش زوبی کو اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا اور پھر ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا جو

نصرت خان کو لا رہے تھے۔ یہ چار آدمی کنور شمشاد نے مہیا کیئے تھے۔

نصرت خان کو پکڑ لینے کی تجویز کنور شمشاد نے پیش کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ نصرت خان کو زوبی کی موجودگی ہی میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ فریدی نے تھوڑی ردو قدح کے بعد اُس کی بات مان لی تھی۔ وہ اسٹیشن ویگن کے عقبی دروازے کے پاس کھڑا رہا۔

گلی تاریک اور سنسان تھی اور یہاں سے نائٹ کلب کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں نصرت خان کو اٹھائے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ نصرت خان ہوش میں تھا۔ مگر بے بس.... اُس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا۔ اسے بھی اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا گیا۔

کنور شمشاد اسٹیئرنگ پر تھا۔ لہٰذا فریدی اگلی سیٹ کی طرف بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی دونوں پسلیوں سے دو ریوالوروں کی نالیں آلگیں۔

"اُدھر نہیں! تم بھی پیچھے ہی بیٹھو....!" چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"کیا مطلب....!" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"مطلب بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بس بیٹھ جاؤ۔" اگلی سیٹ سے آواز آئی لیکن یہ کنور شمشاد کی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"اس مذاق کا مطلب....!"

"آہستہ.... ورنہ یہیں خاتمہ ہو جائے گا۔" کسی نے کہا اور ریوالور کی نالیں اُس کی پسلیوں میں اور زیادہ سختی سے چبھنے لگیں۔

پھر اُسے زبردستی اسٹیشن ویگن میں دھکیل دیا گیا۔

اسٹیشن ویگن فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہوگئی۔ اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے کھینچ دیئے گئے تھے اور اندر اندھیرا تھا ہی۔ ریوالوروں کی نالیں اب بھی فریدی کی پسلیوں سے لگی ہوئی تھیں۔

"کنور شمشاد تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" فریدی غرایا۔

اگلی سیٹ والے نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیوں بھئی! کیا اس گاڑی میں کوئی آدمی اس نام کا بھی ہے؟"

"کوئی نہیں....!" چاروں میں سے ایک نے کہا۔

"کرنل فریدی....!" اگلی سیٹ سے آواز آئی۔ "تم کنور شمشاد کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اُسے جب ہوش آئے گا تو وہ دوسروں کی نظروں سے چھپ کر اپنے گھر تک پہنچنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اُسے ایک بہت ہی گندی نالی میں پھینکا گیا ہے۔"

"پھر تم کون ہو۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ اسٹیشن ویگن آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں چلی لیکن وہ جہاں رکی تھی وہ کوئی روشن جگہ تھی کیونکہ باہر کی روشنی سیاہ پردوں سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ عام اندازہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی سڑک پر رکی ہے۔ لیکن وہاں کے سناٹے کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ لیکن اس کی الجھن بھی جلد ہی رفع ہوگئی۔ اُسے ٹھوکے مار مار کے نیچے اتارا گیا۔ یہ کسی عمارت کی ایک بہت کشادہ راہداری تھی۔ اتنی کشادہ کہ اس میں برابر سے دو کاریں بہ آسانی چل سکتی تھیں۔ اگلی سیٹ سے ایک طویل القامت آدمی اترا جس کا پورا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

زوبی ہوش میں آچکی تھی۔

"اسے کھول دو....!" نقاب پوش نے نصرت خان کی طرف اشارہ کر کے کہا اور زوبی بے ساختہ اچھل پڑی۔

"طاقت....!" اُس نے ایک سسکی سی لی اور طویل القامت نقاب پوش ہنسنے لگا۔

نصرت خان کھلتے ہی فریدی کی طرف جھپٹا لیکن نقاب پوش درمیان میں آگیا۔

"نہیں دوست....!" اُس نے نصرت خان کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے زوبی سے کہا تھا کہ فریدی خودکشی کرے گا۔ اس کے لئے یہی مناسب ہے۔"

اس پر فریدی بے تحاشہ ہنس پڑا۔

"تمہاری ہنسی ابھی چیخوں میں بدل جائے گی۔" نقاب پوش نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو مسٹر مورگن....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"مورگن....!" زوبی کے حلق سے چیخ سی نکلی۔

"ہاں! جوزف مورگن....!" فریدی مسکرایا۔ "ایک گھٹیا سا بلیک میلر جو ایک ملک پر حکوم

کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

نقاب پوش بالکل خاموش کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

"کیا یہ صحیح ہے۔" زوبی نے آہستہ سے پوچھا۔

"بکواس ہے۔" نقاب پوش غرایا۔ پھر اُس نے چاروں آدمیوں سے کہا۔ "اسے لے چلو۔"

ریوالوروں کی نالیں پھر فریدی کے جسم سے آلگیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔

وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ یہاں فرنیچر زیادہ نہیں تھا۔

"فریدی! مرنے سے پہلے طاقت کے عجائبات دیکھ لو۔" نقاب پوش نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ادھر دیکھو....!"

سامنے والی دیوار پر ایک چھ فٹ اونچا اور تقریباً دس فٹ لمبا دھندلا شیشہ نصب تھا۔ دیوار لکڑی کی تھی اور اس پر جابجا مختلف سائز کے بلب بھی لگے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے آگے بڑھ کے دیوار ہی پر لگے ہوئے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی اور اس طویل و عریض شیشے پر بجلیاں سی کوندنے لگیں پھر آہستہ آہستہ پورا شیشہ روشن ہو گیا۔ اس پر کچھ دھندلی مگر رنگین متحرک تصویریں نظر آرہی تھیں۔ پھر وہ تصویریں بھی صاف ہوتی گئیں۔ یہ کسی آفس کا منظر تھا لوگ فائلوں اور رجسٹروں میں منہمک تھے۔

"یہ میرا ایک آفس ہے۔" نقاب پوش فریدی کیطرف مڑ کر بولا۔ "ٹیلی ویژن کے بارے میں تم جانتے ہو گے لیکن تم کسی ٹیلی ویژن سیٹ پر اداکاروں سے گفتگو نہیں کر سکتے... ادھر دیکھو....!"

نقاب پوش نے دیوار سے ایک بلب روشن کر دیا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اچانک نقاب پوش نے شیشے کی طرف رخ کر کے کہا۔ "منیجر.... کام کیسا جا رہا ہے۔"

فوراً ہی ایک تصویر کرسی سے اٹھی اور احتراماً جھک کر بولی۔ "بہت بہتر جناب! ملاحظہ فرمائیے۔ ے وقت بھی کام ہی ہو رہا ہے۔"

"شکریہ منیجر....!" نقاب پوش نے کہا اور تصویر پھر بیٹھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگی۔

نقاب پوش نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ آفس یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سچ مچ متحیر تھا۔

"میں نے دنیا کے بہترین دماغ اکٹھا کئے ہیں کرنل....!" نقاب پوش پھر بولا۔

"اب خود تم ہی انصاف کرو۔ حکومت کس کا حصہ ہے میرا یا ان کا جنہیں تم صحیح حکمران سمجھتے ہو۔"

"لیکن کیا تم اپنے اس خواب کی تعبیر کے لئے زندہ رہو گے۔"

"میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ مگر یہ تنظیم ہمیشہ زندہ رہے گی۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تنظیم اسی شہر تک محدود ہے۔ کرنل فریدی اس سے ملک کا کوئی بھی گوشہ خالی نہیں ہے۔ میں اگر مر بھی جاؤں تو میرا جانشین یہ بار اپنے کاندھوں پر اٹھا لے گا۔ اچھا.... اب میری ایک فیکٹری دیکھو جہاں اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہے کرنل فریدی دیکھو اور اس بات کا اعتراف کرو کہ تم طاقت کے سامنے ایک حقیر کیڑے سے بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔"

وہ ایک بار پھر دیوار کے قریب گیا اور شیشے پر پھر بجلیاں سی کوندنے لگیں اور اس کے بعد سچ مچ ایک فیکٹری کا منظر اُن کے سامنے آگیا۔ بے شمار آدمی بڑی بڑی مشینوں پر کام کر رہے تھے۔

"وقت کم ہے۔" نقاب پوش اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں کیا کیا دکھاؤں فریدی....!"

"بس اب اپنا چہرہ دکھا دو پیارے جو کم از کم زوبی اور خان مقلاق کے بیٹے کے لئے کافی حیرت انگیز ہو گا۔"

"اور تمہارے لئے کرنل....!" نقاب پوش نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میرے لئے کوئی نئی بات نہ ہو گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کیونکہ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں.... جوزف مورگن....!"

"کیوں زوبی....!" نقاب پوش زوبی کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تمہیں جوزف مورگن کا چہرہ دیکھ کر حیرت ہو گی۔"

"میں نے پہلے ہی کب دیکھا تھا جو اب حیرت ہو گی۔" زوبی نے بیزاری سے کہا۔ "لیکن کیا یہ سچ ہے کہ آپ جوزف.... مورگن....!"

نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "ہاں.... یہ صحیح ہے۔ میں فریدی کی پندرہ منٹ کی زندگی میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ ہاں میں جوزف مورگن ہوں۔"

"لہٰذا اب نقاب اتار دو....!" فریدی نے کہا۔ "ورنہ مجھے ہی اجازت دو کہ میں تمہاری نقاب کشائی کردوں۔"

"تم بہت چہک رہے ہو فریدی۔ کیا تمہیں اپنی موت پر یقین نہیں ہے۔"

"موت میرے لئے کھلونا ہے دوست! میں اگر مر بھی گیا تو کیا ہوگا۔ اگر میرے مرنے ہی پر دنیا تمہارے وجود سے پاک ہوسکتی ہے تو میں مرنے کے لئے قطعی تیار ہوں۔"

"مجھے تم سے عشق تو نہیں ہے کہ میں تمہاری موت کے بعد خودکشی کرلوں گا۔" نقاب پوش ہنس پڑا۔

"تم شائد اسے ناممکن سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس عمارت کے گرد پولیس گھیرا ڈال چکی ہوگی۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ تم نے اپنی چالاکی سے مجھ پر قابو پایا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اگر میں یہاں نہ آنا چاہتا تو تمہارے فرشتے بھی نہیں لاسکتے تھے۔"

"شائد خودکشی سے پہلے تم پاگل ہوجاؤ گے۔" نقاب پوش نے تحیر آمیز انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"کنور شمشاد تم ہار گئے ہو....." فریدی کے الفاظ ان لوگوں پر بم کی طرح گرے اور نقاب پوش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

زوبی اور نصرت خان اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"میں جانتا تھا....!" فریدی نے کہا۔ "کہ تم مجھے اپنی کسی کمین گاہ میں لے جاؤ گے۔ اسی لئے میں نے زوبی کو اغواء کر کے رکھنے کی جگہ کا انتخاب تم پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ تم وہیں سے طاقت کا سوانگ بھر لو گے بہرحال اُس اسٹیشن ویگن کا تعاقب میرے آدمیوں نے کرنا تھا.... بولو.... اب کیا کہتے ہو۔ مسٹر جوزف مورگن تمہارے لئے یہ پاسپورٹ پھانسی کا پھندا بن گیا جو تم نے آج سے آٹھ سال پہلے جیکسنز کارنر میں کھو دیا تھا۔ اس کی تصویر میں تمہارا میک اپ ذرا کچا تھا.... اور پھر اُن آنکھوں کا کیا کرتے جن کی ساخت کا بدلنا ممکن ہی نہیں۔"

"تم لوگ باہر جاؤ۔" دفعتاً نقاب پوش نے اپنے چاروں آدمیوں سے کہا۔

وہ کمرے سے چلے گئے۔ نقاب پوش نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ فریدی کی طرف تھا

وہ الٹے قدموں چلتا ہوا پھر اُسی دیوار کی طرف جارہا تھا جس پر بلب لگے ہوئے تھے۔

اچانک فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ پورا کمرہ بڑی تیزی سے نیچے کی طرف جارہا تھا جس پر ب لگے ہوئے تھے۔

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا اور نقاب پوش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

زوبی نصرت خان سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ "یہ سچ مچ شمشاد ہی معلوم ہوتا ہے۔ بالکل ی کی آواز تھی۔ میرا مطلب یہ قہقہہ....!"

"ہاں زوبی! میں سن رہا ہوں۔" نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ "میں شاد ہوں۔ تمہیں وہ رات یاد آرہی ہوگی جب تم نے مجھے تنظیم کا غدار سمجھ کر مجھ پر فائر کئے تھے۔"

زوبی کچھ نہ بولی۔ وہ تحسین آمیز نظروں سے کنور شمشاد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں نے بلیک میلنگ بھی کی ہے۔" شمشاد بولا۔ "محض تنظیم کی مالی حالت بہتر بنانے کیلئے۔ رفیروز کو اگر میں تمہارے ذریعہ بلیک میل نہ کرتا تو تنظیم کبھی اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہوسکتی اور م خود سوچو! پیسے کا یہ مصرف کس کام کا کہ وہ تجوریوں میں پڑا رہے اور اگر میں تمہیں بلیک میل نہ رتا تو تم کبھی سر فیروز سے روپیہ گھسٹنے کا ذریعہ نہ بنتیں.... بولو.... کیا میں غلط کر رہا ہوں۔"

زوبی اب بھی کچھ نہ بولی۔

کمرہ بدستور نیچے کی طرف دھنستا جارہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دھچکا سا لگا اور کنور شمشاد ، علاوہ اور سب گرتے گرتے بچے۔

شمشاد کے ریوالور کا رخ اب بھی فریدی کی طرف تھا۔ اس نے زوبی سے کہا۔

"میں تنظیم کے بڑے آدمیوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے میں ان میں شامل ہوگیا اور انہیں اچھی طرح پرکھ لینے کے بعد اس طرح اُن سے علیحدہ ہوگیا اور زوبی اُن سب میں تم امیرے معیار پر پوری اتری تھیں اور شہزادہ نصرت.... مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔"

"اور مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہے دوست! تم اسی قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔" رت خان نے کہا۔

"نہیں میں دنیا کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

اچانک فریدی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن وہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فریدی

منہ کے بل زمین پر گرا۔

"میں اب بھی تمہیں اپنے ہاتھ سے نہیں ماروں گا۔" شمشاد ہنس کر بولا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں خودکشی کرنی پڑے گی اور ہاں جب تمہارے آدمی عمارت میں داخل ہوں گے تو اس کمرے کے بجائے ایک ضیافت گاہ ملے گی جہاں ہر قسم کی شرابیں میزوں پر لگی ہوں گی اور وہ بے چارے اپنی تھکن دور کریں گے.... ہاہا.... فریدی.... تم نے مجھ سے بھڑ کر اچھا نہیں کیا.... چلو اٹھو.... ہاں.... شاباش.... اُس دروازے کی طرف چلو۔"

ریوالور کی نال فریدی کی گردن سے جا لگی اور وہ سامنے والے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ وہ چاروں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے جس میں دیواروں سے دو دو فٹ کے فاصلے پر چاروں طرف فرش سے چھت تک لوہے کے جنگلے لگے ہوئے تھے۔ فریدی کو کمرے کے وسط میں دھکیل دیا گیا اور یہ تینوں جنگلے کے درمیان میں کھڑے رہے۔ کمرے میں بہت تیز روشنی تھی۔ شمشاد نے اپنا ریوالور فریدی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو ہم تینوں کو گولی مار دو۔"

فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر شمشاد نے ہنس کر کہا۔ "اٹھالو۔ وہ گائے گا نہیں.... اور نہ اس میں سے شعلہ نکلے گا۔"

فریدی کی جیب میں خود اس کا ریوالور موجود تھا اور ابھی تک کسی نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر بے تحاشا شمشاد کی طرف فائر کر دیا.... لیکن اُسے فائر ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ نہ تو آواز ہوئی اور نہ شعلہ ہی نکلا۔ اس کے بجائے ریوالور کی نال سے پگھلا ہوا سیسہ نکل کر اس کے پیروں کے پاس گر پڑا۔ ساتھ ہی فریدی نے یہ بھی محسوس کیا جیسے اس کے جسم میں طاقت ہی نہ رہ گئی ہو۔ کمرے کی چھت سے اس پر ایک بہت تیز قسم کی روشنی پڑ رہی تھی جو کمرے کی معمولی روشنی سے مختلف تھی۔ فریدی نے اسے محسوس کیا اور دو قدم آگے بڑھ گیا اُسی کے ساتھ ہی ساتھ روشنی کے دائرے نے بھی حرکت کی۔ وہ اب بھی اُسی روشنی میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے چھت کی طرف نظر اٹھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے ریوالور پھینک کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے پڑے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے سورج نیچے اتر آیا ہو۔ وہ کئی منٹ تک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ان تینوں کے قہقہے سنتا رہا۔

"فریدی۔" شمشاد نے کہا۔ "او کرنل صاحب! کیا بات ہے بھئی۔ اٹھاؤ ریوالور پھر کوشش

د۔ اس کمرے میں تم جدھر بھی جاؤ گے موت کی شعاع تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تم ہر حال اُس کے دائرے میں رہو گے۔"

فریدی نے پھر ریوالور اٹھا کر دو فائر کئے.... لیکن اس کی نال سے پھر پگھلا ہوا سیسہ نکل کر ن پر گرا۔ فریدی کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے میں بھی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جدھر ی جاتا روشنی کا دائرہ بھی اُس کے ساتھ ہی ساتھ کھسکتا رہا۔ ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہیں ی کہ وہ اُس زہریلی روشنی کے مخرج پر ریوالور ہی کھینچ مارتا۔

"فریدی....!" شمشاد نے اسے مخاطب کیا۔ "کامیابی صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ نال ے نکلنے والی گولی پر یہ زہریلی روشنی نہ پڑنے پائے۔ تدبیر میں بتائے دیتا ہوں عمل کرنا نہ کرنا ہارا کام ہے۔ ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دو۔ گولی نال سے نکل کر سیدھی کھوپڑی ں گھس جائے گی کیونکہ صرف اسی صورت میں اس پر روشنی نہیں پڑ سکتی۔ یہی تدبیر بہتر رہے ا اور پھر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے کیا فائدہ۔ ویسے یہ روشنی زندگی بھر تمہارے ساتھ ہی ساتھ جی رہے گی۔"

فریدی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہرے پر خوف کے آثار تھے۔ آخر اُس نے رو دینے کے سے انداز میں کہا۔ "مجھے معاف کر دو شاد۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

شمشاد کا قہقہہ کافی طویل تھا۔

"فریدی.... خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔" اس نے کہا۔ "ورنہ اگر ایک گھنٹے بھی ں میں روشنی میں کھڑے رہے تو عمر خضر بھی تمہارے لئے بیکار ہو گی۔"

"نہیں.... نہیں.... شمشاد مجھے معاف کر دو.... میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"خودکشی فریدی.... خودکشی....!"

"اللہ.... مجھے معاف کرے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ دی۔

"اللہ.... اللہ....!" اُس نے پھر بڑی دردناک آواز میں کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ پھر اُس کے ق سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سر کے نیچے سے خون کی ایک

پتلی سی لکیر فرش پر بہہ نکلی۔

"تم نے دیکھا زوبی....!" شمشاد بے ساختہ ہنس پڑا۔ "میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔"

اس نے دیوار کے ایک سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھا اور زہریلی روشنی کا دائرہ فریدی کی لاش پر سے غائب ہو گیا۔

"ٹھائیں....!" اچانک ایک فائر ہوا اور نصرت خان کی چیخ کمرے میں گونج اٹھی.... پھر دوسرا فائر ہوا اور شمشاد بال بال بچا۔ اس نے جنگلے کے دروازے سے فریدی کی لاش پر چھلانگ لگا دی۔

"ٹھائیں....!" تیسرا فائر ہوا۔

"زوبی.... روشنی....!" شمشاد فریدی سے گتھا ہوا چیخا۔ لیکن قبل اس کے کہ زوبی سوئچ بورڈ تک پہنچتی فریدی نے روشنی کی مخرج پر ریوالور کھینچ مارا۔ شیشے کے بہت سے ٹکڑے فرش پر گرے لیکن ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے جہنم میں کوئی بھٹی کھل گئی ہو۔ روشنی کے مخرج سے شعلوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔"

"ارے یہ کیا کیا....!" شمشاد حلق کے بل چیخا۔

فریدی نے اُسے شعلوں کی بوچھاڑ کی زد پر دھکیل دیا۔ شمشاد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن فریدی کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ کتوں کی طرح حلق پھاڑتا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں جلتے ہوئے گوشت کی بو کمرے میں پھیلنے لگی.... اس کی لاش پر شعلے رقص کر رہے تھے اور فریدی قریب ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔

❁

دوسرے دن فریدی آئی۔جی کے آفس میں بیٹھا ہوا یہ داستان سنا رہا تھا۔

"اور جناب....!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری جیب میں ایک قلم تراش چاقو پڑا رہ گیا تھا۔ میں نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ریوالور کے چیمبر خالی کئے اور بائیں ہتھیلی چاقو سے زخمی کر لی۔ خالی ریوالور نکال کر کنپٹی پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا.... کنپٹیاں دبائے ہوئے گر پڑا.... شائد ہتھیلی کی کوئی رگ کٹ گئی تھی اور میں چاہتا بھی یہی تھا۔ خون کافی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ بہر حال وہ لوگ دھوکا کھا گئے.... پھر میری پہلی گولی نصرت کی پیشانی پر لگی دوسری نے شمشاد کا شانہ زخمی کیا.... پھر زوبی دوبارہ اس زہریلی روشنی کو استعمال

نے چلی تھی کہ میں نے اُس کے بلب پر ریوالور پھینک مارا۔ خدا کی پناہ.... وہ شعلوں کی رش.... میں زندگی بھر نہ بھول سکوں گا اور آخر کار شمشاد انہیں شعلوں کی نذر ہو گیا.... اور ر وہاں سے میرا نکلنا مشکل ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں زوبی کو نہ بچا سکا۔ وہ بھی وہیں جل ری۔ پتہ نہیں وہ روشنی کیسی تھی جس کا بلب ٹوٹتے ہی قیامت آ گئی میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس ہہ خانے سے کس طرح نکلا۔ مجھے قطعی یاد نہیں.... میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا.... اور وہ ھا کہ.... اتنا ہی مجھے یاد ہے کہ باہر نکل کر میں ایک عمارت کے کھنڈروں میں چل رہا تھا اور ں کے گرد آدمیوں کے ہجوم در ہجوم نظر آ رہے تھے۔ مگر جناب! خطرہ اب بھی باقی ہے۔ شمشاد نے کہا تھا کہ اُس کے مرنے سے تنظیم نہیں مرے گی۔ کوئی دوسرا اُس کی جگہ سنبھال لے گا۔ اگر حقیقت ہے تو سمجھ لیجئے کہ اب ان لوگوں تک رسائی قطعی ناممکن ہو جائے گی.... قطعی ممکن....!"

"ٹھیک کہتے ہو۔" آئی۔جی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میرے سارے بال سفید ہو گئے ہوتے۔"

"سنئے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات ہمارے آدمی اُس عمارت میں بھٹک کر واپس آ گئے تھے۔ ابھی تک کسی کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ عمارت یک بیک ڈھیر کیسے ہو گئی۔ کیا ممکن نہیں کہ ہم اس واقعہ کو بھلا ہی دیں۔ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ کاغذات پر نہ لایا جائے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"تنظیم کی بیخ کنی۔ تہہ خانے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میرے سوا کوئی بھی وہاں سے زندہ نہیں واپس آیا۔ ہو سکتا ہے کہ تنظیم کو دوسرا سربراہ نصیب ہی نہ ہو سکے۔ دوسری صورت میں اگر اس واقعہ کو شہرت دی گئی تو ممکن ہے کہ یہ اس تنظیم کے پھولنے پھلنے کا باعث بن جائے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو فریدی۔ ایسا ہی ہوگا۔" آئی۔جی بولا اور پھر کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔

❁

گری ہوئی عمارتوں کے گرد فوج کا پہرہ تھا۔ زوبی کی لاش بہت ردی حالت میں ملی۔ نصرت خان اور کنور شمشاد کی ہڈیاں بھی نہ مل سکیں۔ فریدی خود اپنی نگرانی میں ملبہ ہٹوا رہا تھا۔

اُن عمارتوں کے نیچے تہہ خانوں اور سرنگوں کا جال سا بچھا ہوا ملا۔ دو تہہ خانے اور تین سرنگیں اب بھی محفوظ تھیں.... ان میں سے کافی تعداد میں اسلحہ برآمد ہوا۔

لیکن فریدی کو وہ مشین نہ مل سکی جس سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا تقریباً ایک ہفتہ تک وہ ملبہ ہٹوا تا رہا۔ آٹھویں دن آئی۔جی کے آفس میں پھر ایک میٹنگ ہوئی جس میں آئی۔جی ڈی۔آئی۔جی اور فریدی کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی شریک نہیں تھا۔

"لیکن تم اُن آٹھ آدمیوں کے لئے کیا کرو گے۔" آئی۔جی نے فریدی سے پوچھا۔

"طاقت والے کیس میں میرے پاس اُن کے خلاف ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "لیکن میں انہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

"کیا کرو گے۔"

"انہیں جیل بھجوانا میرا کام ہے اُنکے ایک نہیں درجنوں جرائم معہ ثبوت میرے علم میں ہیں۔"

"مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"وہ جیل جائیں گے۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "ہم پہلے ہی اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ طاقت کے کیس کو اچھالا نہیں جائے گا۔ اگر میں اُسی معاملے میں انہیں پھانسنے کی کوشش کروں گا تو.... ظاہر ہے کہ....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے...." آئی۔جی جلدی سے بولا۔ "مگر اب گنگولی کا کیا ہو گا۔ پاگل خانے سے نکلنے کے بعد وہ یقیناً تمہارے خلاف طوفان اٹھائے گا۔"

"نہیں وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ورنہ اُس کی یہ کوشش اسے کم از کم پانچ سال تک جیل کی ہوا کھلائے گی اور پھر اس کے علاوہ میں اس کے ایک ایسے راز سے واقف ہوں جس کے افشاء پر وہ سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔"

"کیا معاملہ ہے....!" آئی۔جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایسا نہیں ہے جس کے لئے قانون کوئی سزا تجویز کر سکے، ایک اخلاقی جرم جسے ظاہر کرنا میری دانست میں کمینگی ہی ہو گی۔ لہٰذا اس سلسلے میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

آئی۔جی نے پھر اُس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ شائد وہ کوئی خیال ہی تھا جو اسے مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تمہارا مخصوص اجازت نامہ بحال کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس سے فائدے کی بجائے ہمیشہ نقصان ہی پہنچا ہے۔ [اج]ازت نامے سے نہ تو ریوالور کی گولیاں نکلتی ہیں اور نہ وہ میری جان ہی بچا سکتا ہے۔"

"پھر بھی وہ تمہارے لئے ضروری ہے۔"

"میں سچ عرض کرتا ہوں کہ وہ میرے کسی کام نہیں آتا بلکہ جب منسوخ ہوتا ہے تو مجھے [خو]اہ مخواہ ہم چشموں میں خفیف ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس سے معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"جو کچھ بھی آپ سمجھیں۔ میں کبھی اور کسی حال میں خود کو مجبور نہیں سمجھتا.... میں نے [اس]ی دوران بہتیرے غیر قانونی اقدامات کئے ہیں لیکن کس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ کس نے ٹوکا تھا [مج]ھے.... اچھا اب اجازت دیجئے۔ مجھے اپنے زخمی ساتھیوں کے پاس پہنچنا ہے۔"

"اب کیا کیفیت ہے۔"

"بہت جلد ٹھیک ہو جانے کی توقع ہے۔"

"ہاں.... یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وزیر تجارت تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیا سرکاری حیثیت میں....!"

"نہیں یونہی....!"

"تو پھر اس ملاقات کے لئے غریب خانہ ہی زیادہ موزوں رہے گا۔"

فریدی آئی۔جی کے آفس سے چلا گیا۔

اور وہ دونوں کافی دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 52

گیارہواں زینہ

(مکمل ناول)

لٹیرا

طاہرہ نے کار روک دی۔ وہ بُری طرح تھک گئی تھی۔ ابھی پچاس میل کا سفر اور باقی تھا۔
ک بالکل سنسان پڑی تھی۔ اُس نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر رومال اٹھایا اور اس سے ہولے
لے اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔

اُسے طویل ڈرائیونگ کا خبط تھا۔ تارجام سے نصیر آباد کا فاصلہ ایک سو بیس میل سے کسی
ح کم نہ رہا ہوگا۔ لیکن وہ آج ہی نصیر آباد سے تارجام گئی تھی اور آج ہی اُس کی واپسی بھی
ئی تھی۔ اس وقت دن کے تین بجے تھے۔ اُس نے دوپہر کا کھانا ابھی تک نہیں کھایا تھا حالانکہ
انے کی باسکٹ پچھلی نشست پر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن بھوک کے باوجود بھی کھانے کی خواہش
نہ تھی اُس نے پھلوں کی ٹوکری سے ایک کیلا نکالا اور اُس کا چھلکا اتارنے لگی۔ پھر چھلکا کھڑکی
ے باہر پھینکا گیا۔ ٹھیک اُسی وقت ایک تیز رفتار کار برابر سے گذری لیکن دوسرے ہی لمحے میں
یکوں کی چرچراہٹ کے ساتھ رک گئی۔ طاہرہ کی کار سے اس کا فاصلہ بمشکل تمام دس گز رہا
ا۔ طاہرہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیلے کا چھلکا شاید اُس دوسری کار میں جا گرا تھا۔

طاہرہ کھڑکی سے سر نکال کر دیکھنے لگی۔ اگلی کار کی سامنے والی سیٹ سے ایک خوشرو نوجوان
رومال سے اپنا گال صاف کر رہا تھا۔ طاہرہ نے بوکھلا کر اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

نوجوان کھڑکی کے قریب آکر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مرد نہ ہوئیں۔" اُس نے کہا۔

"دیکھئے....!" لڑکی ہکلائی۔ "غ.... غغ.... غلطی ہوئی۔"

"اگر آپ مرد ہوتیں.... تو.....!"

"ہاں.... آں....!" اُس نے پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی پھلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ آپ پھر کوئی غلط نہ کر بیٹھیں۔"

طاہرہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ پھلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے اپنی کار کی طرف جا رہا تھا۔

طاہرہ پھر کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھنے لگی۔

وہ اپنی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ کار اسٹارٹ ہوئی اور ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

طاہرہ کی سراسیمگی دور ہونے میں دیر نہیں لگی۔ اُسے اُس کی جسارت پر حیرت تھی۔ اس کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ پہلی زک تھی جو ایک مرد کے ہاتھوں نصیب ہوئی تھی ورنہ ابھی تک تو وہ خود ہی دوسروں پر چھائی رہی تھی۔ اس کے ہم جماعت طلباء میں شریر سے شریر لڑکا بھی اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلانے لگتا تھا۔ یک بیک اُسے پھلوں کے اُس ڈاکو پر غصہ آگیا اور اُس نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اُس نوجوان کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی شرارت اُسے بار بار یاد آ رہی تھی اور ہر بار اُس کے ہونٹ نفرت سے سکڑ جاتے۔

خود اپنے کالج میں وہ "ہنٹر والی" کہلاتی تھی اور اچھے اچھے اُس سے گھبراتے تھے۔ خلیفے قسم کے لڑکوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس پر آوازے کسنے کا ارادہ بھی کر سکتے۔ اُس کے ہم جماعت لڑکوں کا خیال تھا کہ وہ خوبصورت ضرور ہے لیکن اس میں عورت پن برائے نام بھی نہیں ہے۔ نصیر آباد کے ایک دولت مند گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ ڈرائیونگ کا شوق جنون کی حد تک رکھتی تھی اور اس میں خاصی مشاق بھی تھی.... اس نے تہیہ کر لیا کہ اگر موقع مل سکا تو وہ اُس کی کار میں سائڈ ضرور مارے گی۔

وہ آہستہ آہستہ کار کی رفتار تیز کرتی رہی اور آخر کار اُس لٹیرے کی کار کو جا ہی لیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور وہ اتنی کشادہ تھی کہ اس پر تین کاریں برابر سے بہ آسانی چل سکتی تھیں۔

طاہرہ کی کار دوسری کار کے برابر دوڑنے لگی لیکن اُسے سائڈ مارنے کا موقع نہ مل سکا۔

لانکہ کئی بار ایسا ہوا کہ دونوں کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے بھی کم رہ گیا۔ مگر وہ لٹیرا کافی لاک معلوم ہوتا تھا۔

"کیا ارادے ہیں جناب۔" اُس نے طاہرہ کو مخاطب کیا۔ "یہ فورڈ کا چھکڑا نہیں ہے۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اس نے ایک بار پھر سائڈ مارنے کی کوشش کی لیکن وہ صاف بچا لے گیا۔

"دیکھئے آپ مجھے خواہ مخواہ چھیڑ رہی ہیں۔ میں آپ کے والد صاحب سے شکایت کر دوں ۔" پھلوں کا لٹیرا بولا۔

طاہرہ اس پر بھی کچھ نہ بولی۔ دراصل اس کا ذہن پراگندہ ہو گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے اپنا حوصلہ بڑھانے کے لئے اپنے چند پچھلے کارنامے یاد ئے۔ لیکن اس سے بھی کام نہ چلا۔ پھر اُسے خود غصہ آگیا اور وہ اپنی کار آگے نکال لے گئی۔ برے کے قہقہے نے غصے کی آگ اور تیز کر دی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے اس وقت اُس کے غرور کو حقیقی معنوں میں یس لگی تھی۔ اب وہ اس کوشش میں تھی کہ چپ چاپ نکل ہی جائے لیکن تھوڑی ہی دیر میں برے کی کار اُس کی کار کے برابر پہنچ گئی۔

اُس نے کھکھار کر کہا۔ "میں نے کہا.... کیا خفا ہو گئیں۔"

"شٹ اپ....!" طاہرہ حلق پھاڑ کر چیخی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چند لمحے کھانستی رہی۔

"کیا پس کی نکیاں پیش کردوں۔" لٹیرے نے اُسے چھیڑا۔

"تم کمینے ہو۔" طاہرہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شکر ہے کہ آپ بے تکلف تو ہوئیں۔" لٹیرے نے بے تکان جواب دیا۔

طاہرہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتی رہی۔ اس کی نظر سامنے تھی ذہن ہوا لں اڑ رہا تھا۔

"آپ کا تھرماس خالی نہیں ہو گا۔" لٹیرے نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش لد "اس میں چائے یا کافی ضرور ہو گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیری کی کاک ٹیل ہو۔"

"خاموش رہو۔" طاہرہ پلٹ پڑی۔ "میں لفنگوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھی بات ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں آپ کے لئے کوئی شریف آدمی مہیا کرنے کی

کوشش کروں گا۔"

"شٹ اپ....!"

"یہ کیا چیز ہوتی ہے محترمہ! میں انگریزی نہیں سمجھتا۔"

"سور....!" طاہرہ زیرِ لب بڑبڑا کر پھر خاموش ہو گئی۔

دونوں کاریں اب بھی برابر برابر دوڑ رہی تھیں۔

"لفنگے بھی بھوک اور پیاس محسوس کرتے ہیں۔" نوجوان بولا۔ "لہٰذا اگر آپ کا تھرماس میرے کام نہ آسکا تو میں خود کو انتہائی بدقسمت سمجھوں گا۔"

"تم اُسمیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے... اور پھلوں کی ٹوکری بھی تمہیں واپس کرنی پڑے گی سمجھے!"

"نہیں سمجھا۔ میں اس قسم کی فضول باتیں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔"

اچانک پیچھے سے کسی تیسری کار کے ہارن کی آواز آئی اور پھلوں کے لٹیرے نے اُسے آگے نکل جانے کا موقع دینے کے لئے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔ طاہرہ کی گاڑی آگے نکل گئی اور پھر وہ کار بھی آگے بڑھ گئی جس کو اُس نے راستہ دیا تھا۔

وہ کار تو آگے نکل گئی لیکن طاہرہ نے اپنی کار روک دی۔ روکی بھی تو اسطرح کہ لٹیرے کی کار کا راستہ رک گیا لیکن اس نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر اُسے طاہرہ کی کار سے ٹکرانے سے بچا لیا۔

"کیا تم مرنا چاہتی ہو۔" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں بدتمیزی نہیں پسند کرتی۔" وہ بے تحاشہ چیخی۔

"اس میں تمہاری پسند کا سوال ہی نہیں ہے۔"

طاہرہ اپنی کار سے اُتر آئی۔ ساتھ ہی وہ بھی اُترا لیکن طاہرہ اُس کی پرواہ کیے بغیر اُس کی کار کی طرف جھپٹی وہ چپکے سے دوسری طرف کھسک گیا۔ بہرحال قبل اس کے کہ وہ اُس کی گاڑی سے پھلوں کی ٹوکری اٹھاتی اُس نے اس کا تھرماس پار کر دیا۔ طاہرہ نے ٹوکری اپنی کار میں ڈالی اور پھر اُس کی کار فراٹے بھرنے لگی۔

نوجوان نے وہیں کھڑے کھڑے تھرماس کا ڈھکن کھولا اور اُس میں کافی تھی۔ اُس نے تھرماس ہی منہ میں لگا لیا۔ جتنی پی سکا پی لی اور بقیہ کو سڑک کے کنارے انڈیل کر اپنی کار میں آبیٹھا.... پھر اس کی کار بھی آگے بڑھ گئی۔

لیکن تین یا چار میل چلنے کے بعد بھی اُسے طاہرہ کی کار کہیں نظر نہ آئی۔

بات یہ ہوئی تھی کہ طاہرہ وہاں سے بہت تیزی سے چلی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ تیز سے تیز ار کے ساتھ وہ اس کی دسترس سے نکل جائے گی لیکن پھر اُسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کیونکہ س کی مہارت اور مشاقی کا نمونہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔

بہرحال وہ اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی لہٰذا اب اُس سے بہتر اور کوئی تجویز ہو ہی نہیں تھی کہ وہ کار کو کسی کچے راستے پر اتار کر اُس کے آگے بڑھ جانے کا انتظار کرے۔

پھر اُس نے یہی کیا۔ کار سڑک کی بائیں جانب کے ایک کچے راستے پر اتاری اور آگے بڑھتی گئی۔ یہ راستہ نشیب میں تھا اور نیچے جا کر کچھ اس طرح ایک طرف مڑ گیا تھا کہ سڑک پر سے تک کسی کی نظر کا پہنچنا محال ہی تھا۔ اُس نے کار وہیں کھڑی کر دی اور چند لمحے بے حس و حرکت کچھ سوچتی رہی۔ پھر پچھلی سیٹ کی طرف مڑی اور کھانے کی باسکٹ میں ہاتھ ڈال دیا۔

پھر جلدی سے ہاتھ کھینچ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اُسے کافی کے تھرماس کی تلاش تھی۔

دوسرے لمحے میں اُس نے جھلا کر اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ رسید کیا اور سو فیصد بسورنے لگی۔

"کمینہ.... مردود....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

لیکن جلدی ہی اُسے اپنی دوسری غلطی کا بھی احساس ہو گیا۔ یہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ کار نے کی گنجائش نہیں تھی۔ نیچے دور تک ایک گہری کھڈ تھی۔ یعنی گاڑی کو بیک کرنے کی ش بھی موت کے لئے دعوت نامہ ہی ثابت ہوتی۔ ذرا سی لغزش اُسے اُس گہری کھڈ میں پہنچا تھی۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر کار سے اُتر کر آگے بڑھی۔ اُس نے سوچا ممکن ہے آگے جا کر شادہ جگہ مل جائے کہ وہ کار موڑ سکے لیکن اُسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔ آگے چل کر وہ ایک پتلی سی پگڈنڈی میں تبدیل ہو گیا تھا اور پگڈنڈی کے دونوں طرف زمین اس حد تک تھی کہ کار تو پگڈنڈی پر ٹک جاتی اور اُس کے چاروں پہیے خلاء میں ناچتے رہ جاتے۔ طاہرہ کا برانے لگا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے اور پورے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ اُس کی سمجھ میں ہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ پھر کار کی طرف واپس آئی۔ اُس نے سوچا اب سڑک کی طرف چلنا چاہئے۔ ممکن ہے

کوئی صورت نکل ہی آئے۔ کسی دوسرے کی مدد کے بغیر کار کا وہاں سے نکلنا قطعی ناممکن تھا۔

پھر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی سڑک تک آئی۔

سڑک ویران پڑی تھی۔ وہ ایک درخت کے تنے سے ٹک کر ہانپنے لگی۔

اس کی بدحواسی بڑھتی جا رہی تھی۔ آج زندگی میں پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ عورت بے بس اور کمزور ہوتی ہے۔

دفعتاً مخالف سمت سے ایک کار آتی دکھائی دی اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔

وہ آنے والوں سے مدد کی درخواست کر سکتی تھی مگر ظاہر ہے کہ اُس کی کار کے متعلق استفسار ضرور کیا جاتا کہ وہ وہاں کیسے پہنچی اور طاہرہ اُس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکتی۔

کار نزدیک آ گئی۔ ساتھ ہی طاہرہ کو غصہ بھی آ گیا کیونکہ یہ اُسی کی کار تھی۔ جس کی بدولت اُسے یہ پریشانی نصیب ہوئی تھی۔

وہ کار روک کر اُتر پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں طاہرہ کا تھرماس تھا۔

"یہ لیجئے۔" اُس نے بڑی بے پروائی سے تھرماس اُس کی طرف بڑھا دیا۔

طاہرہ کا دل تو چاہا کہ ایک تھپڑ رسید کر دے۔ لیکن اپنی پوزیشن کا احساس کر کے خاموش رہ گئی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر تھرماس واپس لے لیا۔

وہ واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ طاہرہ نے کہا۔

"آپ کی بدولت میں مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔"

"میری بدولت.... مصیبت....!" وہ مڑ کر بولا۔

"میری کار.... وہاں.... نیچے پھنس گئی ہے۔" طاہرہ نے ہاتھ اٹھا کر نشیب میں اشارہ کیا۔

"کیا میں اُسے وہاں لے گیا تھا۔" اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں کار وہاں سے نکالنی پڑے گی۔ سمجھے۔" طاہرہ پھر جھلا گئی۔

"بہت خوب! یہ استدعا کرنے کا نیا طریقہ ہے۔"

"استدعا نہیں۔ تمہاری ہی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"میری ہی وجہ سے تو سب کچھ ہوا ہے۔ نیلا نیلا بیکراں آسمان.... یہ اُفق کو چومتے ہوئے درختوں کی قطاریں.... اور یہ آپ.... جس کی آنکھیں جھیل میں کھلے ہوئے کنول کی طرح

نتہ ہیں.... آہا.... خیر تو کہنے کا یہ مطلب کہ دھونس دھڑلے سے کام نہیں چلے گا۔ لجاجت
، استدعا کیجئے تو شائد میں کچھ مدد بھی کر سکوں یا پھر میری مزدوری دیجئے۔ آپ کی باسکٹ میں
نے کی چیزیں بھی ہوں گی۔ کافی تو بالکل نہیں بچی۔"

"میری کار نکالو.... ورنہ میں تم پر پتھر برساؤں گی۔"

"پھر کاٹنے دوڑو گی۔ خدا محفوظ رکھے! اچھا تو میں چلا....!"

جیسے ہی وہ اپنی کار کی طرف مڑا۔ جھلاہٹ میں اچانک طاہرہ کا "ہنٹر والی پن" جاگ اٹھا۔ اُس
، جھپٹ کر اُس کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا اور اُسے بُری طرح جھنجھوڑ کر ہسٹریائی انداز میں چیخی۔
ہیں کار نکالنی پڑے گی۔ نکالنی پڑے گی۔"

"آہم....!" ایک تیسری آواز سنائی دی اور طاہرہ بے ساختہ چونک پڑی۔

اُس آدمی کی کار کی پچھلی نشست سے ایک دوسرا آدمی باہر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

طاہرہ کے ہاتھ سے اُس کا گریبان چھوٹ گیا اور اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُس دوسرے آدمی
آمد پر کچھ سٹپٹا گیا ہے۔ طاہرہ کو اس دوسرے آدمی کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ
ا سیٹ پر سویا رہا ہو۔ اُس کی آنکھیں بھی نیند میں ڈوبی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ طاہرہ ایک بار
زیادہ اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی۔ وہ ایسی ہی بارعب اور پُروقار شخصیت
لک تھا۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے پھر صاف مگر مدہم آواز میں پوچھا۔ اُس کی آواز نیند کے اثر سے
تھی۔

طاہرہ تھوڑی دیر تک ہکلائی اور پھر اُس کی زبان قینچی کی طرح چل پڑی۔

دوسرا آدمی پہلے کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ طاہرہ کے خاموش ہوتے ہی اُس نے
"مجھے بتایئے! آپ کی کار کہاں ہے۔"

"وہ اُدھر.... نیچے.... آیئے.... دکھاؤں۔"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا! مجھے افسوس ہے کہ آپ کو پریشانی ہوئی۔"

پھر وہ دوسرا آدمی تنہا نشیب میں اُتر گیا۔ طاہرہ سوچنے لگی کہ کہیں وہ بھی کوئی نئی حرکت نہ

کر بیٹھے۔

"اب شامت آگئی کار کی۔" پھلوں کے لٹیرے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب....!"

"میرے بڑے بھائی ہیں۔ پاگل بھی ہیں۔ میں تو عاجز آگیا ہوں ان سے۔ خدا نے چاہا تو کار سمیت کھڈ میں گریں گے۔ چلو پیچھا چھوٹا۔"

طاہرہ بوکھلا کر نشیب کی طرف دوڑی۔ لیکن اُسے موڑ ہی پر رک جانا پڑا۔ کیونکہ دوسرا آدمی کار کو بیک کرتا ہوا سڑک کی طرف لا رہا تھا۔ وہ الٹے پاؤں واپس آئی۔

کار سڑک پر آگئی اور دوسرا آدمی اُس پر سے اُترتا ہوا بولا۔ "میں ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ کو پریشان ہونا پڑا۔"

طاہرہ اس طرح خالی الذہن ہو گئی تھی کہ کچھ کہے بغیر کار میں بیٹھی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

اُن کی تلاش

طاہرہ کئی دنوں تک اُن دونوں کے متعلق سوچتی رہی۔ وہ دونوں ہی عجیب تھے۔ ایک انتہا غیر سنجیدہ اور تکلیف دہ حد تک بے تکلف، دوسرا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اُس دوسرے آد کے متعلق اُس نے بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ لیکن وہ لمحات یاد کر کے وہ نہ جانے کیوں کانپ جاتی۔ وہ لمحات.... جب اُس نے اُس سے گفتگو کی تھی۔

طاہرہ کو عورت پن سے نفرت تھی۔ وہ مردوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھی۔ اُسے کبھی کسی سے خوف محسوس نہیں ہوا۔ لیکن.... وہ آدمی.... وہ اکثر سوچتی کہ اُس نے اُس کے شریر ساتھی کے مقابلے میں اُس کے متعلق کوئی اچھی رائے کیوں قائم کی ہے۔ وہ اس کے بارے میں کیوں سوچتی ہے۔ اس کا ذہن اُسے یادداشت کی سطح سے جھٹک کیوں نہیں دیتا.... شائد اس لیے کہ اُس نے اپنی زندگی میں خود کو پہلی بار عورت محسوس کیا تھا.... اور اس وقت جب کہ وہ اُس سے ہم کلام تھی۔

طاہرہ نے ان واقعات کا تذکرہ اپنی سب سے قریبی دوست کورنیلیا سے کیا۔ جسے وہ پیار سے کورنی کہتی تھی۔ کورنیلیا اینگلو انڈین تھی۔ اُس کی ہم عمر اور ہم جماعت بھی تھی وہ بھی طاہرہ ہی کی طرح افتادِ طبع کے معاملے میں انوکھی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ دونوں نصیر آباد ہی آئے ہیں۔" کورنی نے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے لیکن اس یقین کی بنیاد کسی منطقی دلیل پر نہیں ہے۔"

"دل کہتا ہے کیوں؟" کورنی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

طاہرہ اُس کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی۔ "مجھے دراصل اُس سور سے انتقام لینا ہے جو پھلوں کی ٹوکری اور تھرماس لے گیا تھا۔"

"میں سمجھی.... تو پھر کیا ارادہ ہے؟ انہیں تلاش کریں۔" کورنی نے پوچھا۔

"دل تو یہی چاہتا ہے۔ مجھے بڑی خفت ہوئی تھی اور تم جانتی ہو کہ جب مجھے کسی مرد کے مقابلے میں خفت اٹھانی پڑتی ہے تو میں کیا کرتی ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ مگر ہم انہیں کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہمیشہ دل کی آواز سچی ہی ثابت ہو۔"

"دیکھو....!" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ٹورسٹ تھے اگر ٹورسٹ تھے تو اُن کا قیام یقینی طور پر سریم بالا ہلز پر ہوگا۔"

"تب تو میں ضرور چلوں گی۔ آج کل سریم بالا گلزار ہوگا۔ اوہو.... تمہاری ایک کوٹھی بھی تو ہے وہاں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں وہاں مل جائے تو کسی تدبیر سے اُسے گیارہویں زینے پر چڑھا دینا۔"

یک بیک طاہرہ سنجیدہ ہو گئی۔

"کورنی.... ڈیئر....!" اُس نے تھوڑی دیر بعد مغموم لہجے میں کہا۔ "اُس منحوس کا حوالہ میرے سامنے نہ دیا کرو۔"

"میں نے اکثر اُس کے متعلق سوچا ہے.... طاہرہ! کیا وہ سب کچھ حقیقت ہے جو میں اُس کے بارے میں سنتی رہی ہوں۔"

"تم کئی بار پوچھ چکی ہو۔ کورنی اس کی حقیقت میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے وہ زینہ اب تک

پانچ جانیں لے چکا ہے۔"

"کیا یہ بھی صحیح ہے کہ ہمیشہ گیارہ تاریخ اور گیارہ بجے رات ہی کو وہ حادثات پیش آئے تھے۔"

"ہاں یہ بھی حقیقت ہی ہے۔ اس کے آخری شکار کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا صرف ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"آخر وہ آدمی زینے پر چڑھا ہی کیوں تھا۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"محض یہ ثابت کرنے کے لئے وہ سب کچھ واہمہ تھا۔ ہم سب وہاں موجود تھے۔ جیسے ہی کلاک نے گیارہ بجائے وہ زینوں پر چڑھتا چلا گیا پھر وہ گیارہواں ہی زینہ تھا جس پر قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ سر کے بل نیچے آیا اور تین چار منٹ کے اندر ہی اندر تڑپ کر سرد ہو گیا۔"

"مجھے معلوم ہے تمہارے چچا نے اُس رات شائد ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو بھی وہاں مدعو کیا تھا۔"

"یقیناً اُس کے علاوہ اور پھر کیا کرتے۔ وہ ہمارا نیا منیجر تھا۔ شاید تم نے بھی اُسے دیکھا ہو۔ جوان آدمی تھا۔ بس ایک دم سے وہ اُسے واہمہ ثابت کرنے پر تل گیا۔ چچا جان نے اُسے باز رکھنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اور دوسرے آفیسروں کو دراصل اسی نے مدعو کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ سریم بالا والی کوٹھی کو حکومت کرائے پر حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ خدا جانے! چچا جان نے عذر پیش کیا کہ وہ آسیب زدہ ہے اور ہر ماہ کی گیارہ تاریخ گیارہ بجے رات کو وہاں کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوتی ہے اور بالا خانے کا گیارہواں زینہ تو خاص طور پر مخدوش ہو جاتا ہے۔ اس پر ہمارے نئے منیجر نے کہا کہ یہ سب واہمہ ہے اور وہ اُسے ثابت کر دے گا۔ بہر حال درجنوں تماشائیوں کے مجمع میں وہ زینوں پر چڑھا.... اور انجام جو کچھ ہوا وہ ان آنکھوں نے بھی دیکھا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔ "شاید تم نے کوٹھی نہیں دیکھی۔ بہت کشادہ ہے۔ اُس کے کئی حصے اب بھی سیزن میں کرائے پر اٹھا دیئے جاتے ہیں مگر آسیب زدہ حصہ مقفل ہی رکھا جاتا ہے۔"

"ختم کرو۔" کورنی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "چلنے کے متعلق کیا کہتی ہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"مگر کم از کم ایک ہفتہ ضرور قیام کریں گے۔ کیا کوٹھی کا کوئی حصہ خالی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ دو کمرے ابھی تک خالی ہیں۔ یا کئی ہوں۔ کوٹھی چونکہ بدنام ہے اس لئے بہت کم ٹورسٹ اُدھر کا رخ کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس کے ایک مخصوص حصے کے علاوہ اور ہر جگہ امن رہتا ہے.... مگر شاید اس بار پھر کسی کی شامت آئی ہے۔"

"یعنی....!"

"اس بار پھر وہ آسیب زدہ حصہ کرائے پر اٹھ گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے چچا سے سرکاری طور پر اُس کے لئے جواب طلب کیا جائے گا۔ یعنی حالات سے باخبر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اُسے کرائے پر اٹھا دیا۔"

"جواب طلب ہونے کی صورت میں وہ قطعی بری الذمہ ہوں گے کیونکہ یہ حصہ اُسی ڈی۔ ایس۔ پی کے ایماء پر دیا گیا ہے جو حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔"

"تب تو معاملہ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔" کورنی سر ہلا کر بولی۔

"مجھے خود بھی حیرت ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی سے اُس کی دشمنی ہو۔ جسے وہ حصہ کرائے پر دلوایا گیا ہے۔"

اُسی سہ پہر کو وہ سریم بالا کے لئے روانہ ہو گئیں۔ سریم بالا کی شادات پہاڑیاں نصیر آباد سے دس میل دور شمال کی جانب واقع تھیں لیکن آبادی کا شمار نصیر آباد ہی کی آبادی میں ہوتا تھا۔ گرمیوں کی شروعات تھی اس لئے سریم بالا کی پہاڑیاں پہلے سے زیادہ آباد ہو گئی تھیں۔ نزدیکی شہروں کے ٹورسٹ کافی بڑی تعداد میں یہاں آئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پورا سیزن یہیں گذارنا چاہتے تھے۔ بہر حال یہ یہاں تفریحات کا زمانہ تھا۔ نائٹ کلب اور ہوٹل دن رات آباد رہتے تھے۔

اقامتی ہوٹلوں میں جگہ نہیں رہ گئی تھی اور کرائے پر اٹھنے والی عمارتوں کا یہ حال تھا کہ کالی کوٹھی جیسی بدنام عمارت کے بھی وہ حصے قریب قریب آباد ہی ہو گئے تھے جن پر آسیب کا اثر نہیں تھا۔

یہ کوٹھی نصیر آباد کے ایک متمول خاندان کی ملکیت تھی اور اس کے متعلق کئی پشتوں سے پُراسرار واقعات سنے جا رہے تھے۔ اسی خاندان کے کئی افراد اُسی کوٹھی میں پُر اسرار حالات میں

موت کا شکار ہو چکے تھے۔ گیارہویں زینے کی داستانیں ان اطراف میں عام تھیں۔ طاہرہ بھی اُسی خاندان کی ایک فرد تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ دونوں سیریم بالا پہنچ گئیں۔

"مگر کورنی....!" طاہرہ نے کہا۔ "ہم اُن کی تلاش کہاں سے شروع کریں۔"

"فی الحال انہیں جہنم میں جھونکو۔ ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھو اور ان کی چوٹیوں پر چھائی ہوئی سنہری دھند جن میں کئی رنگ لہریں لے رہے ہیں۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ کورنیا بڑبڑاتی رہی۔ میں ان مناظر کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک ننھی سی بچی کی طرح ان پہاڑیوں پر چھلانگیں مارتی پھروں۔"

"مجھے ان سب میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔" طاہرہ نے کہا۔

"تم میں جمالیاتی حس ہے ہی نہیں۔"

"چھوڑو.... ختم کرو۔" طاہرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اچھا تو پھر ہم فی الحال کوٹھی ہی کی طرف چل رہے ہیں۔"

"جہاں دل چاہے چلو۔ مجھے اُن آدمیوں سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے جن کے چکر میں تم یہاں آئی ہو۔ مجھے تو تبدیلی درکار تھی۔ اپنا شہر تو ہڈیوں کے پنجروں اور زندہ لاشوں کا مسکن ہے یا پھر وہاں کے آدمی چلتی پھرتی مشین معلوم ہوتے ہیں۔"

"بہت اونچی اڑ رہی ہو آج کل۔ کس شاعر کا مطالعہ کر رہی ہو۔ کیٹس یا بائرن کے علاوہ اور کون ہوگا۔ یہ ساری باتیں جو تم نے ابھی کی ہیں میری نظر میں اُن کی وقعت ذہن کے جالے سے زیادہ نہیں ہے۔"

"تمہاری تخلیق ریتلی مٹی سے ہوئی ہے۔" کورنیا نے کہا۔

اُن کی کار کالی کوٹھی کے پھاٹک پر پہنچ چکی تھی۔ اس عمارت کا نام تو دانش منزل تھا مگر یہ سریم بالا میں کالی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ غالباً وجہ تسمیہ وہ پُر اسرار روایات تھیں جو اس سے منسوب رہی تھیں۔

یہ ایک کافی لمبی چوڑی عمارت تھی۔ گرمیوں میں اس کے پھاٹک پر ایک چوکیدار بھی نظر آنے لگتا تھا۔ ورنہ ویسے یہاں صرف ایک مالی اور ایک ایسا آدمی رہتا تھا جس کے سپرد عمارت کی

دیکھ بھال تھی۔

چوکیدار طاہر کو پہچانتا تھا۔ وہ اسکی کار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کار کی رفتار رینگنے کی حد تک کم تھی۔ چوکیدار طاہرہ کو بتا رہا تھا کہ آسیب زدہ حصے کے کرایہ دار اپنا زیادہ تر وقت عمارت کے اندر ہی گذارتے ہیں اور آج صبح انہوں نے سیاہ رنگ کی بلیوں کے پانچ سر باہر پھینکوائے تھے۔

"جی ہاں.... مس صاحب۔" چوکیدار نے کہا۔ "انہوں نے مالی کو بتایا تھا کہ صرف سر ہی ملے تھے اور دھڑ غائب تھے۔"

"وہ کتنے آدمی ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"دو ہیں صاحب! مگر وہ خائف نہیں معلوم ہوتے۔ انہوں نے بڑی لاپروائی سے وہ پانچوں سر باہر پھینک دیئے تھے۔"

"ہاں...اچھا...دیکھو...سامان اتراؤ..اور اُن سے کہہ دو کہ میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں....!" کورنیا نے کہا۔ "نہیں! اس بوریت سے کیا فائدہ۔ سامان اترادو۔ اس کے بعد ہم کہیں چل کر چائے پئیں۔"

"نہیں میں انہیں سمجھاؤں گی۔ وہ اسی وقت اُس حصے کو خالی کر دیں۔" طاہرہ نے کہا۔

"تم بعض اوقات بہت شدت سے کھلنے لگتی ہو۔" کورنیا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیا وہ بچے ہیں کیا انہیں حالات کا علم نہ ہوگا۔"

طاہرہ کار سے اُتر گئی اور اُس نے اپنے ساتھ کورنیلیا کو بھی عمارت کے اُس حصے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا جس کا رخ مغرب کی جانب تھا۔

"وہ یہی سمجھیں گے کہ ہم اُن سے فلرٹ کرنا چاہتے ہیں۔" کورنیلیا نے کہا۔

"چلو.... بکواس نہ کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ اس عمارت کی تاریخ میں کسی نئے حادثے کا اضافہ ہو۔"

"آہا.... اب مجھ سے بھی اڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔" کورنیا مسکرائی۔ "یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم اُن دلیر آدمیوں کو دیکھنا چاہتی ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔ میں انہیں دیکھنا اور سمجھنا چاہتی ہوں۔"

کورنیلیا خاموش ہو گئی وہ دونوں وہاں پہنچ گئیں۔

برآمدے کا رخ مغرب کی جانب تھا اور وہاں سرخی مائل دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور دونوں کرائے دار برآمدے ہی میں موجود تھے۔ ان کی آہٹ پر ایک آدمی مڑ کر باہر دیکھنے لگا۔

"ارے....!" دفعتاً طاہرہ چلتے چلتے رک گئی اور ساتھ ہی وہ آدمی بھی اچھل پڑا۔ اُس کی اس حرکت پر دوسرے نے بھی مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔

"یہ تو وہی دونوں ہیں۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"کون.... وہی.... نہیں....!" کورنیلیا بھی متحیر نظر آنے لگی۔

طاہرہ پہلے تو ٹھٹکی تھی مگر اب وہ آگے بڑھی۔

اُدھر پھلوں کے لٹیرے نے دوسرے سے کہا۔ "کیوں؟ میں نہ کہتا تھا کہ آسیب وہیں سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے آئے ہیں۔"

"اوہ.... آیئے آیئے۔" دوسرا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اوپر برآمدے میں آگئیں۔ یہاں اور بھی کرسیاں موجود تھیں۔

"بیٹھئے....!" اُس نے کہا۔

طاہرہ تو آ گئی تھی لیکن اُس کے قریب پہنچتے ہوئے اُس کی پھر وہی حالت ہو گئی جو پہلی بار ہوئی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ بمشکل ہی اُس سے گفتگو کر سکے گی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بیٹھ گئی۔

پھلوں کا لٹیرا کورنیلیا کو گھور رہا تھا اور کورنیلیا بڑی بے پروائی سے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ اس عمارت کی ہسٹری سے واقف ہیں۔" طاہرہ نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔

"جی ہاں اچھی طرح۔" اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اس کے باوجود بھی.... خیر.... میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ آپ کسی دوسرے حصے میں منتقل ہو جایئے۔"

"شکریہ.... لیکن میں آپ کی اس کرم فرمائی کا مقصد ضرور پوچھوں گا۔"

"بس یونہی! کیا آپ ایک دن میرے کام نہیں آئے تھے۔" طاہرہ نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ وہ خود میں اتنی ہمت ہی نہیں پاتی تھی کہ اُس سے آنکھ ملا کر گفتگو کر سکتی۔ نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔ بظاہر وہ کچھ غنودہ سی تھیں۔ کچھ اداس اداس سی۔ پلکیں نیچے کی طرف جھکی

رہی تھیں۔

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔"

"میں نے یہ سنا تھا کہ کسی نے یہ حصہ کرائے پر لیا ہے۔ دراصل یہ عمارت میرے ہی خاندان کی ملکیت ہے۔"

"اوہ.... آپ نواب عابد کی کون ہیں۔"

"بھتیجی.... مجھے طاہرہ کہتے ہیں.... اور یہ میری دوست.... کورنیلیا ڈڈرتھ۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" پھلوں کا لٹیرا بولا۔

"دیکھئے محترمہ طاہرہ۔ ہم لوگ یہاں بہت آرام سے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔ "رہ گئے یہ معمولی واقعات تو ہم اُن سے خائف نہیں ہیں۔"

"آخر آپ خاص طور پر اسی حصے میں رہنے پر کیوں مصر ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"بس یونہی۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مجھے بھوتوں سے دلچسپی ہے۔"

"اور مجھے چڑیلوں سے۔" پھلوں کے لٹیرے نے کہا۔

لیکن طاہرہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ البتہ کورنیلیا نے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ لٹیرا اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا اور اُس کی نظر اُسی پر تھی۔

"خیر....!" طاہرہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ "لیکن اُن زینوں سے ہوشیار رہئے گا۔"

"میں آج کافی دیر تک گیارہویں زینے پر بیٹھا رہا ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے لیکن وہ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ اور گیارہ بجے رات کو مخدوش ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ خود کو خطرے میں کیوں ڈال رہے ہیں۔"

"آپ بیکار پریشان ہیں۔" دوسرا آدمی ہنسنے لگا۔ "ہم بالکل محفوظ ہیں، اور کسی قسم کی بھی بے اطمینانی نہیں محسوس کرتے.... بات دراصل یہ ہے کہ یہ ایک شرط کا معاملہ ہے۔ مسٹر ایس۔ پی راجن سے شرط ہوئی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ ہم ایک ہفتے سے زیادہ اس عمارت میں نہیں رہ سکیں گے۔"

"تب تو مجھے کہنے دیجئے کہ راجن آپ کا دشمن ہے اور اس طرح آپ کی جان لینا چاہتا ہے۔"

"ارے نہیں....!" وہ ہنسنے لگا۔

"آپ بھی یہیں کہیں مقیم ہیں۔" پھلوں کے لٹیرے نے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں شمالی رخ کے کمروں میں ہوں۔"

"اچھی بات ہے تو میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ اپنا سامان آپ کے کمروں میں لے چلتا ہوں۔ انہیں یہیں رہنے دیجئے۔"

دوسرے آدمی نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ اپنا سر سہلانے لگا۔

نہ جانے کیا تھا

اُسی رات کو طاہرہ اور کورنیلیا اپنے رہائشی کمرے میں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔

"اس لفنگے کو یقیناً کچھ سزا دینی چاہئے۔" کورنیلیا بولی۔ "وہ دوسرا بیچارہ تو بڑا شریف معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے کچھ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔" طاہرہ بولی۔ "محض ایڈونچر کی خاطر آج تک کوئی کرایہ دار یہاں نہیں آیا۔ آخر یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ مجھے خود بھی یقین نہیں ہے کہ کوئی آسیبی خلل ہے۔"

"کیا....!" کورنیلیا نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"لیکن تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔ کبھی نہیں۔ اب میں نے سوچا ہے کہ میں قصے کو ختم ہی کر دوں۔"

"کیسا قصہ! میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"ٹھہرو! بتاتی ہوں۔" طاہرہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "ذرا کافی کا برتن آتش دان پر رکھ دوں۔"

کورنیلیا حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طاہرہ آتش دان پر کافی کے لئے پانی رکھ کر پھر واپس آ گئی۔

"میرے خاندان کا کوئی فرد بھی اسے آسیبی خلل نہیں سمجھتا۔ لیکن ظاہر یہی کیا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ پھر اور کیا کہا جائے۔"

"تو گویا وہ موتیں....!"

"ہاں! میں سمجھ گئی تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو۔ مگر اُن موتوں کے ذمہ دار ہمارے خاندان والے نہیں ہیں۔ چھ ماہ قبل جس آدمی کو حادثہ پیش آیا تھا اُسے روکنے کے لئے ہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔"

"وہ تھا کون....؟"

"پتہ نہیں کون تھا۔ اُس کے متعلق آج تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ اپنی موت سے دو ماہ قبل ہمارے یہاں آیا تھا۔"

"مگر تم کہانی تو سنانے جا رہی تھیں۔ کیا اُن کے کہانیوں کے علاوہ کوئی اور بھی داستان ہے جو عام طور پر مشہور ہیں۔"

"ہاں! لیکن کورنیلیا تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔"

"کبھی نہیں۔"

"میں تمہیں صرف اس لئے بتا رہی ہوں کہ ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہے۔"

"میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔" طاہرہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" باہر سے آواز آئی۔

"یہ تو اُسی لفنگے کی آواز ہے۔" کورنیلیا نے آہستہ سے کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ آخر اٹھ کر اُس نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"کون ہے؟" طاہرہ نے بلند آواز میں پوچھا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر وہ کمرے سے ٹارچ نکال لائی اور پائیں باغ میں اُس کی روشنی ڈالنے لگی۔ آس پاس ایک متنفس نظر نہیں آیا۔

وہ دونوں پھر کمرے میں آ گئیں اور دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

"آواز تو اُسی کی تھی۔" کورنیلیا نے کہا۔

"اونہہ....!" طاہرہ آتش دان سے کافی کا برتن اتارتی ہوئی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "شاید وہ

ہمیں ڈرانا چاہتا ہے۔"

"کیا آپ دروازہ نہیں کھولیں گی۔" باہر سے آواز آئی۔

"نہیں....!" طاہرہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"اچھا تو پھر میں کسی رخنے یا سوراخ سے اندر آجاؤں گا۔ لیکن آپ اس وقت "فاؤل" کا نعرہ نہیں لگائیں گی۔"

"جواب مت دو۔" طاہرہ نے آہستہ سے کورنیلیا سے کہا۔

کورنیلیا مسکرائی لیکن وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر وہ دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔

"اچھا تو میں آرہا ہوں۔" باہر سے آواز آئی اور ساتھ ہی کورنیلیا نے چٹخنی گرا کر دروازہ کھول دیا۔

لیکن آنے والا صرف ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا تھا جس سے ٹکرا کر سامنے کی دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر ہلنے لگا۔ باہر پہلے ہی کا سناٹا طاری تھا۔ کورنیلیا نے جھپٹ کر ٹارچ اٹھائی اور باہر نکل گئی۔

دور لان پر کوئی کھڑا تھا۔ اُس نے روشنی ڈالی۔ یہ وہی لفنگا تھا۔

وہ اُس کی طرف بڑھنے لگا اور قریب آکر بولا۔

"اب ٹھیک ہے میں دراصل تمہیں ہی باہر لانا چاہتا تھا۔"

"کیوں؟" کورنیلیا نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہارا نام بھول گیا تھا۔ یاد کرنے کی کوشش کی تو الجھن ہونے لگی سوچا چل کر پوچھ ہی لوں لیکن اُس نکچڑھی لڑکی کی موجودگی میں نہیں پوچھنا چاہتا تھا۔"

"کیا ہم میں بے تکلفی ہے۔" کورنیلیا نے جھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"نہیں ہے تو اب ہو جائے گی اس کی فکر فضول ہے۔ ہاں تو مجھے تمہارا نام گوریلا یاد آرہا تھا۔ کیا صحیح ہے۔"

"تم گدھے ہو۔ خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم بھی اُس کی طرح چڑچڑی اور بد دماغ نکلیں۔" اُس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

کورنیلیا کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اُس نے اپنی آواز میں نرمی اور لگاوٹ پیدا کر کے کہا۔ "میں

غلط نہیں کہا تھا کہ تم گدھے ہو۔ یہاں کتنی سردی ہے۔ کیا تم کمرے میں نہیں چل سکتے۔"

"وہ چڑچڑی بد مزگی پیدا کر دے گی۔"

"ہرگز نہیں تمہارا منہ میٹھا ہو جائے گا۔ ہم نے کافی تیار کی ہے۔"

کورنیلیا اُسے کمرے میں لائی لیکن قبل اس کے کہ طاہرہ کچھ کہتی اُس نے کہا۔ "بگڑنے کی ورت نہیں۔ یہ باہر سردی کھا رہے تھے۔"

"جی ہاں.... روکھی سردی۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "انہوں نے کہا کہ اندر حلق تر کرنے کے ئے بھی کچھ مل جائے گا۔"

طاہرہ خاموش ہی رہ گئی۔

کورنیلیا نے دروازہ بند کر دینے کے بعد اس سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

وہ ایک آرام کرسی میں گرتا ہوا کراہا۔

"انہیں ایک کپ کافی چاہئے۔" کورنیلیا اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

طاہرہ سر ہلا کر دروازے کی طرف گئی اور اُسے مقفل کر کے کنجی جیب میں ڈال لی۔

"ہائیں....!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں قوت میں تم سے کم نہیں ہو سکتی۔" طاہرہ تلخ انداز میں مسکرائی۔ "اور پھر ہم دو ہیں۔"

"یا اللہ....!" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ پھر اپنا سر سہلانے لگا۔

"بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ہم لوگ احمق ہیں اور جان دینے آئے ہیں۔ اُسے بھوت مار ڈالیں گے اور میں تو خیر اُسی ت مر گیا تھا جب پہلی بار تم نظر آئی تھیں اور مس کورنیلیا کو دیکھ لینے کے بعد تو خیر تجہیز و ین بھی ہو گئی۔ حسرت ان گدھوں پر ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

"کورنی....!" طاہرہ کورنیلیا کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "میرے سوٹ کیس میں چمڑے کا ٹر ہو گا.... نکالو....!"

"نکالو بھئی! کھڑی منہ کیا دیکھتی ہو۔" پھلوں کے لٹیرے نے کورنیلیا سے کہا۔ "میں ہمیشہ ڑے کا ہنٹر کافی میں بھگو کر کھاتا ہوں۔"

"تم شاید مذاق سمجھتے ہو۔" طاہرہ اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ کر غصیلے لہجے میں بولی۔

"میں تمہیں پیٹوں گی۔ تم بے بسی سے پٹتے رہو گے اگر غل غپاڑہ مچاؤ گے تو پھر جانتے ہی ہو کہ کیا ہوگا۔ لوگ تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔"

"اور تم فارغ البال ہو جاؤ گے۔" کورنیلیا نے کہا۔ "اچھا میں ہنٹر لاتی ہوں۔"

"ذرا ٹھہریئے!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب مجھے سوچنا پڑے گا۔ میں سنجیدہ ہوں۔"

"کیا سوچنا پڑے گا۔"

"یہی کہ میں اس وقت بڑی خراب پوزیشن میں ہوں۔ اگر میرا شور سن کر کچھ آدمی آگئے تو میں سچ مچ فارغ البال ہو جاؤں گا۔"

"سمجھتے ہو نا۔" کورنیلیا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"بالکل سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر چپ چاپ ہنٹروں کا شمار کرتا رہوں گا۔"

"نہیں طاہرہ۔" کورنیلیا سر ہلا کر بولی۔ "اس سے کام نہیں چلے گا۔ کیوں نہ ہم دونوں یونہی شور مچانا شروع کر دیں۔"

"مچاؤ....!" لٹیرے نے لاپروائی سے کہا۔ "خوب حلق پھاڑو۔ جب لوگ اکٹھا ہو جائیں تو جو دل چاہے اُن سے کہہ دینا۔ میں اول درجے کا بے حیا ہوں۔ سو پچاس جوتوں میں عزت نہیں جاتی اور ہزار دو ہزار مارنے کون آئے گا.... ہاں شروع ہو جاؤ۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔ مگر اس سے پہلے اگر کافی کا ایک کپ مل جاتا تو اچھا تھا۔"

طاہرہ خونخوار نظروں سے اُسے گھورتی رہی۔ البتہ کورنیلیا بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"میں ہر وقت ہر قسم کے حادثات کے لئے تیار رہتا ہوں۔"

"تو بتا دو چم چم ڈیئر تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔" کورنیلیا اُس کا سر سہلا کر بولی۔

"پہلے ہی اس طرح پوچھا ہوتا۔ خواہ مخواہ اپنا اور میرا وقت برباد کیا۔ لاؤ کافی لاؤ۔ ذرا دماغ کی خشکی رفع ہو تو اپنی شخصیت اور یہاں آنے کے مقصد پر روشنی ڈالوں۔"

کورنیلیا کپ میں کافی انڈیلنے لگی۔ طاہرہ اب بھی وہیں کھڑی تھی اور اُس کے چہرے پر درشتی کے آثار اب بھی موجود تھے لیکن اُس نے کورنیلیا کو روکا نہیں۔ کورنیلیا نے کافی کا کپ پھلوں کے لٹیرے کو دیتے ہوئے کہا۔

"بس اب شروع ہو جاؤ۔ زیادہ بیوقوف بنانے کی کوشش فضول ہے۔ ورنہ پھر میں طاہرہ کو کسی طرح نہ روک سکوں گی۔"

"اوہو! تو کیا میں ان محترمہ سے خائف ہوں۔"

"تم یقیناً خائف ہو۔" کورنیلیا نے کہا۔ "اور زبردستی دلیر بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"چلو خیر یہی سہی۔ تمہارے کہنے سے میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اُس نے جلد ہی پیالہ خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور جیب سے پائپ نکال کر اُس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"تم پھر خاموش ہو گئے۔" کورنیلیا نے اُسے ٹوکا۔

"آ.... ہاں.... اچھا.... ٹھہرو....!" وہ پائپ کو دانتوں میں دبا کر دیا سلائی جلانے لگا۔

طاہرہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی بھینچے ہوئے تھے اور الجھن آنکھوں سے مترشح ہو رہی تھی۔

اُس نے ایک بار بھی کورنیلیا کی طرف نہیں دیکھا۔ اُس کی نظر پھلوں کے لٹیرے کی طرف تھی جو سر جھکائے پائپ سلگا رہا تھا۔

اُس نے دو تین کش لے کر دھوئیں کے بادل اڑائے اور سنجیدگی سے بولا۔

"میرے بڑے بھائی کمال صاحب اچھے خاصے بھوت ہیں۔ عالم یہ ہے کہ رات کو سوتے سوتے چونکے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر جو بھی قریب ہوا اُس کی شامت آگئی۔ کہتے ہیں اٹھو ٹہلیں گے۔ گھڑی کی طرف دیکھئے تو تین بجے ہیں۔ ٹہلنے کہاں جائیں گے۔ مرگھٹ.... خدا کی پناہ۔ چاروں طرف ہو کا عالم۔ کالی اور بھیانک رات۔ ذرا ایسے میں کسی مرگھٹ کا تصور کیجئے۔ بس جناب ٹہل رہے ہیں۔ جلی ہوئی چتاؤں کی راکھ کریدی جا رہی ہے۔ کسی طرح اس عمارت کے متعلق سن پایا اور بس آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔ میں تو جب سے یہاں آیا ہوں رات بھر جاگتا ہوں اور دن بھر سونے کا پروگرام رہتا ہے۔"

"اس میں سچائی کتنی ہے۔" طاہرہ نے بڑی دیر بعد تلخ لہجے میں پوچھا۔

"جتنی آپ سمجھ لیں۔" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"پچھلی رات کیسی گذری۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بہت بُری۔ رات بھر بلیاں روتی رہیں۔ صبح جب صحن میں نکلے تو زینوں کے نیچے پانچ سیاہ بلیوں کے سر ملے۔"

"تمہیں خوف نہیں محسوس ہوا۔"

"نہیں بھائی کمال کی موجودگی میں بھوتوں سے ڈرنا فضول ہے بلکہ منطقی اعتبار سے قطعی لغو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بھائی کمال سے خائف نہیں تو سمجھ لیجئے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا بھوت اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

طاہرہ کو یک بیک دوسرے آدمی کی آنکھیں یاد آگئیں اور وہ کانپ کر رہ گئی۔ لہٰذا ایسی صورت میں وہ اُس کے بیان کی تردید کیسے کر سکتی تھی۔ ایسی جو عام آدمیوں میں نہیں ہوتی۔

"میں تمہاری آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتی ہوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"بھائی صاحب نے ابھی تک مقصد پر روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ وہ ساری رات صحن ہی میں گذارتے ہیں اور صحن ہی پر بھوتوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔"

"اور تم کیا کرتے ہو۔"

"بس واویلا نہیں کرتا اور سب کچھ کر گذرتا ہوں۔ سوچنے کی بات ہے۔ خدا کی پناہ میں کہاں تک اور کیا کیا بتاؤں۔"

"میں تم لوگوں کی آمد کے مقصد کے علاوہ اور کچھ نہیں جاننا چاہتی۔"

"جب بھی مجھے مقصد معلوم ہوا اُس کے ایک گھنٹے کے بعد تمہیں بتادوں گا۔"

طاہرہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" کورنیلیا نے پوچھا۔

"چوکیدار.....!" باہر سے آواز آئی۔

"کیا بات ہے۔" طاہرہ نے اٹھ کر قفل میں کنجی گھماتے ہوئے کہا۔

لیکن دروازہ کھلنے تک باہر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چوکیدار سامنے کھڑا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر اُس آدمی پر پڑی اُس نے کہا۔

"اوہ آپ یہاں ہیں۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"وہاں پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے ابھی ایک فائر کی آواز سنی تھی۔" چوکیدار نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"فائر کی آواز.....!" طاہرہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! وہ سو فیصدی فائر ہی کی آواز تھی۔"

پھلوں کا لٹیرا اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ اُس کے ساتھ ہی طاہرہ بھی نکلی۔ پھر وہ بڑی تیزی سے عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ چوکیدار بھی تھا۔

برآمدے میں پہنچتے ہی انہوں نے کچھ اس قسم کی آوازیں سنیں جیسے بند کمرے میں دھڑا دھڑ فرنیچر گر رہا ہو۔ کچھ آدمی لڑ پڑے ہوں۔ قدموں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"کون ہے.... کون ہے۔" چوکیدار نے ڈری ڈری آواز میں ہانک لگائی۔

"سوتے جاگتے رہو۔"

اندر کی آوازوں میں سرعت اور تیزی پیدا ہو گئی۔

"کیا کمال صاحب اندر ہیں۔" طاہرہ نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں! میں انہیں یہیں چھوڑ کر نکلا تھا۔" اُس نے جواب دیا اور آگے بڑھ کر دروازہ پیٹنے لگا۔ پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ "گھبرائیے گا نہیں۔ یہاں بہت سے لوگ ہیں۔"

یکلخت اندر سے آوازیں آنی بند ہو گئیں لیکن وہ برابر پیٹتا رہا۔

دو منٹ گذر گئے۔ پھر کمرے کے اندر قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں جو آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آ رہی تھیں۔

دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ کمال سامنے کھڑا انہیں قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور شب خوابی کا لباس تار تار ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" طاہرہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔" اُس نے خلاف توقع نرم آواز میں کہا۔ درشتی کے آثار آن واحد میں غائب ہو گئے تھے۔ لیکن طاہرہ اس کے بعد پھر کچھ نہ سن سکی۔ کیونکہ اُس نے اپنے ساتھی کو اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔"

وہ دونوں کافی دیر تک برآمدے میں گم سم کھڑی رہیں۔

بھیانک چہرہ

انہوں نے چوکیدار کو رخصت کر دیا اور چپ چاپ اپنے کمروں کی طرف روانہ ہو گئیں۔

طاہرہ کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ بدقت تمام اپنے کمروں تک پہنچیں کورنیلیا کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور زبان خشک ہو کر تالو سے لگ گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہو جانے کے بعد بھی اُن کی حالت اعتدال پر نہیں آئی۔

طاہرہ ایک گلاس ٹھنڈا پانی چڑھا کر آرام کرسی میں گر گئی پھر تقریباً پانچ منٹ تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کیطرف دیکھے جا رہی تھیں بالآخر طاہرہ بولی۔

"کمرے میں اُس کے علاوہ اور کون تھا۔"

"میرا خیال ہے.....!" کورنیلیا اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی اُس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

طاہرہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔

"میں ہوں۔ دروازہ کھول دو۔"

یہ ساجد کی آواز تھی۔ پھلوں کے لٹیرے نے انہیں اپنا نام ساجد بتایا تھا۔

کورنیلیا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ساجد ہی تھا۔ لیکن طاہرہ کو اُس کے چہرے پر سراسیمگی یا پریشانی کے آثار نہیں نظر آئے۔

"کیا سچ مچ تمہارے پاس چمڑے کا کوئی ہنٹر ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"ہاں ہے تو..... کیوں؟" طاہرہ کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"ضرورت ہے..... واپس کر دیا جائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ اس عمارت سے بھی زیادہ پُراسرار ہو۔ وہاں کمرے میں کیا ہو رہا تھا۔"

"دیکھو گی۔" اُس نے پوچھا۔

"کیا؟"

"وہی جو کمرے میں ہوا ہے۔"

طاہرہ نے اقرار یا انکار کی صورت میں جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی سے اُسے گھورتی رہی۔

"چمڑے کا ہنٹر۔" ساجد نے پھر کہا۔

"اُسے نکال لاؤ۔" طاہرہ کورنیلیا کی طرف مڑ کر بولی۔ کورنیلیا کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کر

سرے کمرے میں چلی گئی۔

"ہنٹر کیا کرو گے۔" طاہرہ نے ساجد سے پوچھا۔

"اگر دیکھنا چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

"کیا دیکھوں گی۔"

"بہت کچھ..... بلکہ اس سے بھی زیادہ۔" اُس نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر مسکرانے لگا۔

"پھر کوئی شرارت.....!" طاہرہ بھی مسکرائی لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "کمال احب اندر کیا کر رہے تھے۔"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ بس وہ چیز دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔"

"مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔"

"جانے دو..... میں خوشامد تو نہیں کرتا۔" ساجد نے لاپروائی سے کہا۔

کورنیلیا واپس آ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بہت بڑا ہنٹر تھا۔

"آخر ہنٹر کی ضرورت کیوں پیش آئی۔" طاہرہ نے پوچھا۔ اُس کے چہرے پر الجھن کے ثار تھے۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد واپس کر دوں گا۔"

ساجد کورنیلیا کے ہاتھ سے ہنٹر لے کر باہر چلا گیا اور پھر وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک سرے کی طرف دیکھتی رہیں۔

"میں دیکھوں گی کہ وہ ہنٹر کیوں لے گیا ہے۔" طاہرہ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"اونہہ! لے گیا ہو گا۔ چلو ادھر خواہ مخواہ خود کو الجھن میں ڈال رہی ہو۔ مجھے نیند آ رہی ہے بھئی۔"

"تم سو جاؤ۔" طاہرہ نے دروازے میں رک کر کہا۔

کورنیلیا کا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن اُسے مجبوراً اُس کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ طاہرہ اُسے ڈرپوک سمجھے۔

باہر بالکل سناٹا تھا۔ کبھی کبھی چوکیدار کی صدا "سوتے جاگتے رہو" سناٹے میں لہراتی ہوئی دور ت پھیلتی جاتی۔

وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ ان کی رفتار معمول سے زیادہ تھی۔

آمدے کے قریب پہنچ کر وہ دبے پاؤں اوپر چڑھ گئیں۔

دروازے کی جھریوں سے کمرے کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ طاہرہ نے سینڈل بھی اتار

دیئے اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی ایک دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ کورنیلیا بھی اُس کی تقلید کر رہی تھی۔

کمرے کے اندر کا منظر عجیب تھا۔ نہ جانے کیوں طاہرہ نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ کورنیلیا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

کمال ایک کرسی میں بندھا ہوا تھا اور ساجد ہاتھ میں ہنٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہا تھا جیسے اُس سے پہلے بھی دو چار ہاتھ رسید کر چکا ہو۔

"تو تم نہیں بولو گے۔۔۔ کیوں؟" ساجد نے غصیلی آواز میں کہا۔

لیکن کمال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

"شائیں.....!" ساجد نے ہنٹر رسید کیا لیکن کمال پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے یک بیک ساجد پر ہنٹر برسانے کا بھوت سوار ہو گیا ہو۔ "شائیں شائیں" کی آوازیں بغیر توقف کمرے میں گونج رہی تھیں۔

طاہرہ کا قلب الٹنے لگا۔ اُسے کمال کی خاموشی پر حیرت تھی۔

ساجد نے اُسے بتایا تھا کہ کمال اس کا بڑا بھائی ہے۔ لیکن یہ کیا ہو رہا تھا.... اور ایسی حالت میں اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک انہوں نے پشت پر کسی کے قدموں کی آواز سنی اور بے ساختہ چونک کر مڑیں اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دھندلا سا سایہ نظر آ رہا تھا۔

"بُری بات ہے۔" سائے کی سرگوشی انہیں صاف سنائی دی۔

طاہرہ کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کا بٹن دب گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ لڑکھڑا کر دیوا سے جا لگی۔

اس کی ٹارچ کی روشنی جس آدمی پر پڑی تھی وہ کمال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر اند اب بھی ہنٹر کی "شائیں شائیں" گونج رہی تھی۔ طاہرہ کا سر چکرا گیا۔ کورنیلیا بھی اسی سے لگی ہو کھڑی تھی۔ دونوں کے جسم بُری طرح کانپ رہے تھے۔ کورنیلیا بھی دروازے کی جھری سے کمرے کے اندر کے حالات دیکھتی رہی تھی۔ اور اِدھر ٹارچ کی روشنی میں اس نے بھی کمال کو پہچان لیا تھا۔

"ڈرو نہیں۔" انہوں نے پھر سرگوشی سنی۔ "چلو میں تمہیں تمہارے کمروں تک چھو آؤں۔" لیکن اُن دونوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

"چلو....!" اس بار انداز میں تحکم تھا۔

طاہرہ ہمت کر کے آگے بڑھی۔

"سینڈل پہنو....!"

اُن دونوں نے مشینوں کی طرح حکم کی تعمیل کی اور برآمدے سے نیچے اُتر گئیں۔

سایہ اُن کے ساتھ چل رہا تھا۔

وہ شمالی برآمدے تک اُن کے ساتھ گیا جب وہ اوپر برآمدے میں پہنچ گئیں تو اُس نے "ٹھہرو۔ میں دو چار باتیں بھی کروں گا۔ کمرہ کھولو۔"

طاہرہ نے کمرے کے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ اندر کی روشنی سائے کے ے پر پڑی۔ یہ سو فیصدی کمال ہی تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اُس نے دروازہ بند کر دیا۔

"سگار کا دھواں گراں تو نہیں گزرے گا۔" کمال نے دانتوں میں سگار کا گوشہ کاٹتے ہوئے چھا.... طاہرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں بھوت نہیں ہوں۔" کمال نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں بیٹھ جاؤ۔ تمہارے ر کانپ رہے ہیں۔"

وہ چپ چاپ بیٹھ گئیں۔

کمال نے دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر آہستہ آہستہ واں چھوڑنے لگا۔

"بہت زیادہ دلیر ہونا بھی اکثر مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔" کمال نے آہستہ سے کہا۔ "اب تم نوں اپنے کمروں سے باہر نہیں نکلو گی۔"

"لیکن یہ کیا ہو رہا ہے۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"اس عمارت کے لئے کوئی غیر متوقع بات تو نہیں۔" کمال نے کہا۔

"آپ کون ہیں۔"

"میں کمال ہوں۔ تمہارا کرایہ دار....!"

"اور وہ.... وہاں.... کمرے میں....!"

"اوہ....!" کمال مسکرایا۔ "وہ میرا بھوت ہے۔ لیکن تم دونوں اس کا تذکرہ کسی سے نہیں رو گی۔ بہتر تو یہ ہو گا کہ یہاں سے چلی ہی جاؤ۔"

”آپ مجھے اُس آدمی کے متعلق بتایئے جو کمرے میں.....!“

”نہیں.... بس تم کمرے سے نہیں نکلو گی۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔“

کمال جانے کے لئے مڑا۔ مگر دروازے کے قریب پہنچ کر پھر رک گیا اور اُن کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ”ایڈونچر کا شوق بُرا نہیں ہوتا لیکن ہم سانپ کے منہ میں انگلی دے دینے کو تو ایڈونچر نہیں کہیں گے۔“

”کمال صاحب۔“ طاہرہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آپ کا ہم شکل کون تھا۔“

”ہم شکل تھا۔“ کمال اُن کی طرف مڑ کر مسکرایا۔ ”کیا تمہیں اس پر حیرت ہے کہ ہم نے ایک بھوت پکڑلیا ہے۔ وہ جو میرا ہم شکل ہے۔ اس عمارت میں کسی بات پر حیرت کرنا بجائے خود حیرت انگیز ہے.... اور پھر جب حیرت کرنے والی عمارت کے مالکوں میں سے ہو.... تو.... مجھے حیرت کی وجہ ضرور معلوم کرنی پڑے گی اور میں یہ چاہوں گا کہ تم جو داستان کورنیلیا کو سنانا چاہتی تھیں مجھے بھی سنادو۔“

”آپ! آپ کو کیسے علم ہوا۔“ طاہرہ نے بے ساختہ پوچھا۔

”یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ ساجد نے تمہاری گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا مگر وہ بالکل گدھا ہے اُسے پوری داستان سننی چاہئے تھی۔ تم سنانے کے موڈ میں تھیں نا۔“

”ضروری نہیں کہ وہ آپ کو بھی سنائی جائے۔“ طاہرہ نے خشک لہجے میں کہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں اُسے اپنے اس کھردرے پن پر افسوس ہونے لگا۔

”آپ کی مرضی۔“ کمال نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

کورنیلیا نے جھپٹ کر چٹخنی چڑھادی اور ایک آرام کرسی میں گر کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

”کیوں تمہیں کیا ہوگیا۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”میرے خدا! اُس کی آنکھیں۔ میں نے سنا ہے کہ خبیث روحیں جیتے جاگتے انسانوں کی شکل میں آسکتی ہیں۔ لیکن وہ مخاطب سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرسکتیں۔ تم نے دیکھا تھا بات کرتے وقت وہ دوسری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ اور ویسے بھی اُس کی آنکھیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی سنسان جنگل میں دو چراغ روشن ہوں۔“

”آہا.... تم نے تو شاعری شروع کردی۔“ طاہرہ ہنسنے لگی۔

”تو کیا تم اُسے انسان سمجھتی ہو۔ کیا تم نے اُسے کرسی میں بندھا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ وہ بیک وقت ہنٹر کی مار بھی کھا رہا تھا اور باہر ہم سے ہم کلام بھی تھا۔“

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ خود بھی اسی مسئلے پر غور کر رہی تھی۔

”لیکن اُس نے ہمیں باہر نکلنے سے کیوں روکا ہے۔“ طاہرہ نے کہا۔

”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ دونوں ہیں کون۔“

”طاہرہ کہیں ہم کسی جال میں تو نہیں پھنس گئے۔“ کورنیلیا نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

طاہرہ کی پیشانی پر شکنیں تھیں جن سے ذہنی ہیجان مترشح تھا۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے۔“

”کیا ہوسکتا ہے۔“

”اوہ! کچھ نہیں.... کورنی ڈیئر اب ہمیں سوجانا چاہئے اور کل تم واپس چلی جانا.... میں یہیں ٹھہروں گی۔“

”یہ ناممکن ہے۔ واپسی تو ساتھ ہی ہوگی خواہ کل چلو خواہ کچھ دنوں کے بعد۔“

”کیا تمہارے لئے موجودہ حالت خوفناک نہیں ہے۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”تم اپنی کہو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔“

”میں.... میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ان دونوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانا میرے لئے ضروری ہوگیا ہے۔“

”تم پاگل ہوگئی ہو۔“

”چلو ختم کرو۔“ طاہرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”مجھے نیند آرہی ہے۔“

کورنیلیا پھر بھی نہ اٹھی۔

”کیوں....!“ طاہرہ بولی۔

”اوہو! دیکھو اگر ہم ایک ہی مسہری پر سوئیں تو کیا حرج ہے۔“ کورنیلیا نے کہا اس پر طاہرہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

”ڈرپوک.... میں سمجھ گئی.... اچھا چلو۔“

کورنیلیا سو گئی لیکن طاہرہ کروٹیں بدلتی رہی۔ اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اُس نے کئی بار

کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی وجہ یہ تھی کہ اُس کے ذہن پر مختلف قسم کے خیالات نے یلغار کر دی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اسی طرح یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تھا۔

آخر وہ اٹھ بیٹھی۔ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھی رہی پھر اٹھی۔ گھڑی ایک بجا رہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں بھی کچھ دیر کھڑی خیالات میں گم رہی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر ایک گرم پتلون اور جیکٹ نکالی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے سے نکل کر دروازہ مقفل کر رہی تھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی طاہرہ ہے جو ساڑھی میں بہت حسین لگتی ہے اب اُس کے جسم پر پتلون اور جیکٹ تھی اور پیروں میں گرپ سول کے جوتے۔ سر پر اُس نے ریشمی رومال باندھ لیا تھا اور اُس کے گھونگھریالے بال اُس میں بالکل چھپ گئے تھے۔ وہ برآمدے سے نیچے اُتر آئی۔

آسمان میں خالی خالی ستارے نظر آرہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں پورا آسمان بادلوں سے ڈھک جائے گا۔

وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف چل پڑی۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا اور اب چوکیدار کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ صبح کو اُس کی اچھی طرح خبر لے گی۔

مغربی حصے کا برآمدہ سنسان تھا۔ وہ نیچے ہی رک کر آہٹ لینے لگی۔ لیکن کسی طرح کی آواز نہ سنائی دی۔ البتہ دروازوں کی جھریوں سے کمرے کی روشنی صاف نظر آرہی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ وہ لوگ ابھی جاگ رہے ہیں۔

پھر طاہرہ آہستہ سے برآمدے میں داخل ہو گئی اور ایک بار پھر اُس کی داہنی آنکھ دروازے کی جھری سے جا لگی۔

کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا لیکن صحن کی طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ دراصل سونے کا کمرہ تھا اور ان دونوں کے بستر خالی نظر آرہے تھے۔

مسہریوں پر پڑی ہوئی چادریں چاروں طرف سے فرش پر لوٹ رہی تھیں۔ طاہرہ نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑے۔ پھر وہ واپسی کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ایک مسہری کی چادر ہلی اور اُس کے نیچے سے کوئی سیاہ سی چیز باہر رینگ آئی۔ پھر دوسری نکلی اور طاہرہ کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ کسی آدمی کے ہاتھ ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔ تھے تو ہاتھ ہی لیکن آدمی کے نہیں۔ ہاتھوں نے چادر اوپر اٹھائی اور طاہرہ کا خون رگوں میں منجمد ہو گیا یہ ایک انتہائی خوفناک چہرہ تھا۔ جس پر دو گول گول آنکھیں انگاروں کی طرح دمک رہی تھیں اور ان کے چاروں طرف بال ہی بال تھے۔ کھڑے

کھڑے سے سیاہ بال جن کی لمبائی ایک بالشت سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ طاہرہ نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

چیختی کھوپڑی

دوسری بار اُس کی آنکھیں غیر ارادی طور پر کھلیں لیکن اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ واپسی ہی کے لئے جنبش کر سکتی۔

وہ تاریک بلا مسہری کے نیچے سے نکلی لیکن تن کر کھڑے ہونے کے باوجود بھی اُس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ سارا جسم بڑے بڑے سیاہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پہلے وہ اُسے کوئی ان دیکھی چیز سمجھی تھی مگر اب اُسے یاد آیا کہ وہ نصیر آباد کے عجائب گھر میں صدہا بار اس قسم کے گوریلے دیکھ چکی ہے۔ یہ گوریلا ہی تھا لیکن عجائب گھر کے گوریلوں سے مختلف۔ ان گوریلوں سے الگ جن کی آنکھوں میں طاہرہ نے ہمیشہ اداسی دیکھی تھی اور جو بچوں کے تنگ کرنے پر کٹہرے کے اندر چیخ چیخ کر بے بسی سے خاک اڑانے لگتے تھے۔

یہ ایک خونخوار درندہ معلوم ہو رہا تھا۔ طاہرہ نے کمال کو پکارنے کی کوشش کی لیکن حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

مگر وہ چیخ تو بے اختیاری کی تھی جو دوسرے ہی لمحے میں حلق کے پھندوں سے آزاد ہو کر دور تک فضا میں پھیلتی چلی گئی تھی۔۔۔۔ اور پھر وہ کسی کے بازوؤں میں آرہی۔ شاید اُسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تم نہیں باز آؤ گی۔" یہ کمال کی آواز تھی جسے اُس نے انتہائی سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں بھی پہچان لیا۔

"وہ۔۔۔۔ وہاں۔۔۔۔ اندر۔۔۔۔ وہ سنو۔۔۔۔!" وہ ہکلائی۔

ساتھ ہی کمرے سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی کسی کو چمکار رہا ہو۔ پھر ہلکی سی غراہٹ۔۔۔۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔" اُس نے کمال کی غصیلی آواز سنی۔

"وہ۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ اندر۔۔۔۔ درندہ۔۔۔۔!" طاہرہ پھر ہکلائی۔

کمال نے اُسے ایک طرف ہٹا کر دروازہ کھولا۔ شاید وہ باہر سے مقفل تھا۔ کیونکہ طاہرہ نے قفل میں کنجی گھمانے کی آواز سنی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

"تشریف لے چلئے۔" طاہرہ نے ساجد کی آواز سنی وہ اُس کے پیچھے تھا۔ طاہرہ غیر ارادی طور پر کمرے میں داخل ہو گئی۔

لیکن اب یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ طاہرہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کمال پر نظر جمادی جو اس طرح ناک سکوڑے کھڑا تھا جیسے کسی قسم کی بو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

طاہرہ کے حواس آہستہ آہستہ واپس آگئے اور اُس نے کہا۔

"یہاں.... ایک گوریلا تھا۔"

"پتہ نہیں کیا کیا ہے یہاں لیکن تمہاری حرکت۔ تم یہاں کیوں آئی تھیں۔" کمال نے جھلا کر کہا۔

طاہرہ نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔

البتہ ساجد تڑ سے بولا۔ "کہیں یہ بھی کوئی بھوتنی نہ ہو.... ٹھہریئے! میں معلوم کئے لیتا ہوں۔" اُس نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور اُسے کھولتے ہوئے کہا۔ "بھوتوں کا خون سبز رنگ کا ہوتا ہے۔"

طاہرہ اُس کی طرف دھیان نہ دے کر بولی۔ "وہ اُس مسہری کے نیچے سے نکلا تھا۔"

"لیکن میں نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔" کمال نے خشک لہجے میں کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ ساجد اُسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن طاہرہ اُسے خاص طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اچانک کمال نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

طاہرہ نے چپ چاپ تعمیل کی۔ وہ نہ جانے کیوں اُس کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تھی۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئی تھیں۔"

"بس یونہی۔"

"ایڈونچر....!" کمال تلخ سے انداز میں مسکرایا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔"

کمال ساجد کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر بولا۔ "یہ واقعی بہت دلیر ہیں کیوں نہ انہیں کچھ دیر لئے اُس کمرے میں بند کر دیا جائے جس میں لاش رکھی ہوئی ہے۔"

"میں پانچ ہزار لاشوں میں بیٹھ کر ستار بجا سکتی ہوں کمال صاحب۔"

"آہا....!" ساجد نے قہقہہ لگایا۔ "تو ٹھہریئے! میں طبلے کا بھی انتظام کرلوں ورنہ آپ کو ت ہو گی۔"

"کیا واقعی اتنی ہی دلیر ہو۔" کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا اپنا تو یہی خیال ہے۔"

"صرف اسی معاملے یا ہر معاملے میں۔" کمال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

طاہرہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس کہا۔ "ابھی آپ نے کسی لاش کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں.... میرا اہم شبہہ مر گیا۔"

"کیا وہ حقیقتاً کوئی آدمی تھا۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ وہ آدمی ہی ہے۔" کمال اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

طاہرہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔ لیکن کمال وہ بات ہی اڑا کر بولا۔ "اس کے پاس کوئی بہت یع الاثر قسم کا زہر تھا۔ اُس نے خودکشی کر لی۔"

"پولیس کو سنانے کے لئے یہ کہانی بہت شاندار رہے گی۔" طاہرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ر شائد آپ کو معلوم نہیں کہ لاشوں کا پوسٹ مارٹم بھی کیا جاتا ہے لیکن ہنٹر کے نشانات کیسے پائیں گے آپ لوگ۔"

"ہاں! واقعی اُسے بھی سوچنا چاہئے۔" کمال نے تشویش آمیز نظروں سے ساجد کی طرف کر کہا۔

"کیوں نہ ہم اُسے چپ چاپ کہیں دفن کر دیں۔" ساجد بولا۔ "مگر مشکل تو یہ ہے کہ...!" وہ طاہرہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ محترمہ اپنی زبان بند ہی رکھیں گی۔" کمال نے طاہرہ کی طرف دیکھ کر "کیوں....؟"

"آپ کو اتنا یقین کیوں ہے کہ میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گی۔"

"اس لئے کہ تمہیں ان بھوتوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے والد کی موت کے

بھی یہی ذمہ دار نہیں تھے۔"

"آپ کیا جانیں....!" طاہرہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔" کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ "میں تمہیں وہ لاش دکھانا چاہتا ہوں۔ شائد پہلے بھی وہ آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہو۔"

"مگر وہ تو آپ کا ہم شکل تھا۔" طاہرہ نے کہا۔

"وہ میک اپ تھا۔ جواب نہیں ہے۔ اب تم اُسے اُس کی اصلی شکل میں دیکھو گی۔"

"اوہ! میں ضرور دیکھوں گی۔" طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر یک بیک اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور وہ کچھ ایسی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی جن میں خوف اور شبے کی آمیزش موجود تھی۔

"مگر یہاں ایک گوریلا تھا۔" اُس نے کہا۔

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" کمال نے بے پروائی سے کہا۔ "آدمی کے لئے آدمی سے زیادہ خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ فی الحال.... چلو.... شائد تم اُسے پہچانتی ہو۔"

"نہیں! میں اپنے کمرے میں واپس جاؤں گی۔"

اس پر ساجد نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور طاہرہ کی انا پھر جاگ اٹھی۔

"چلو....!" وہ غرا کر بولی۔

وہ کمرے سے نکل کر صحن میں آئے۔ صحن کافی طویل و عریض تھا اور یہاں چاروں طرف اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔

کمال اور ساجد کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔

ساجد نے پتھر کے زینوں کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ اوپر کے ایک کمرے میں ہے۔ کیوں طاہرہ صاحبہ کیا آپ ان زینوں پر قدم رکھنے کی ہمت کر سکیں گی۔"

"بکواس مت کرو۔" کمال نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا اور طویل دالان میں بائیں طرف مڑ گیا۔ پھر ایک کمرے کے سامنے رک کر ٹارچ کی روشنی دروازے پر ڈالی جس سے ایک بڑا سا قفل لٹکا ہوا تھا۔ قفل کھول کر اُس نے دروازے کو دھکا دیا لیکن ساتھ ہی اُس کے منہ سے ایک ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی۔ کمرہ خالی تھا۔ ساجد ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمال تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" طاہرہ نے دبی زبان سے پوچھا۔

"لاش یہیں تھی۔" کمال نے جواب دیا۔ "اور میرا دعویٰ ہے کہ اس قفل میں میرے علاوہ اور کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" طاہرہ نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔" کمال نے کہا اور جھک کر فرش کا جائزہ لینے لگا۔ فرش گرد آلود تھا۔ لیکن ایک جگہ کافی پھیلاؤ میں گرد کی تہہ کچھ بگڑی بگڑی سی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر انہیں باہر چلنے کا اشارہ کر کے وہ بھی کمرے سے نکل گیا۔

اب وہ کمرے کو کھلا ہی چھوڑ کر وہاں سے واپس جا رہے تھے۔ قفل کمال کے ہاتھ میں تھا۔

لیکن خواب گاہ کو انہوں نے اس حالت میں نہیں دیکھا جس میں چھوڑ کر گئے تھے۔ مسہریاں الٹی پڑی تھیں۔ بستر اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ دوسرا سامان بھی ردی حالت میں تھا۔

"کیا خیال ہے۔" کمال طاہرہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "کیا اب ہم لوگ یہاں سے بھاگ جائیں۔"

"میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ آپ اسی وقت دوسرے کمروں میں منتقل ہو جایئے۔ میں اور کورنیلیا ایک کمرے میں ہو جائیں گے۔ مگر.... میں یہ مشورہ فضول دے رہی ہوں.... پتہ نہیں آپ نے کس مقصد کے تحت اس حصے کو رہائش کے لئے پسند کیا ہے۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ لیکن میں اسے صرف ایڈونچر نہیں سمجھ سکتی۔"

"پھر....!"

"کمال صاحب! نہ جانے کتنے اس چکر میں یہاں آئے اور یا تو پراسرار طریقے پر غائب ہو گئے یا پھر اُن کی لاشیں ملیں۔"

"کس چکر میں۔ ہم کسی ایسے چکر سے واقف نہیں ہیں۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہمارا مقصد تو صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ ان بھوتوں کی تندرستی کیسی ہے۔"

"اگر خراب ہو تو.... وزارت صحت....!" ساجد جملہ پورا نہیں کر سکا کیونکہ وہ نہ جانے کیوں اچھل پڑا تھا۔ پھر اُس نے خفیف ہو کر کہا۔ "لاحول ولا قوۃ.... چوہا تھا شائد۔"

"آپ لوگ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" طاہرہ تنک کر بولی۔

"ہو سکتا ہے۔" کمال بولا۔ "ہم اُس وقت تک سنجیدہ نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ہمیں بھی وہی داستان نہ سنا دو جو کورنیلیا کو سنانے والی تھیں۔"

"کیا آپ اُس سے واقف نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ داستان آپ کو یہاں تک لائی ہوگی۔ ورنہ خواہ مخواہ خطرے میں پڑنا کسے پسند ہوگا۔"

"ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ یقین کرو ویسے میں روحانیات کا متعلم ہوں اور اس قسم کی مافوق الفطرت چیزیں میرے لئے بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔"

"لیکن ان واقعات کا روحانیات سے کیا تعلق؟" طاہرہ نے کہا۔

کمال جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صحن کی طرف سے ایک گرجدار آواز آئی۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ۔"

اور پھر سناٹا طاری ہو گیا۔ طاہرہ کو اپنے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ عجیب قسم کی آواز تھی۔ اُس نے کمال اور ساجد کی طرف دیکھا۔ ساجد کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے مگر کمال کا چہرہ پہلے ہی کی طرح پُرسکون نظر آرہا تھا۔

طاہرہ اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سن رہی تھی بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دل کانوں ہی میں دھڑکنے لگا ہو۔

"چلے جاؤ.... چلے جاؤ۔" آواز پھر آئی اور اس بار طاہرہ نے محسوس کر لیا کہ وہ آواز عجیب کیوں معلوم ہوتی تھی۔ آواز گرجدار ضرور تھی لیکن اُس میں رو دینے کا سا انداز بھی شامل تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شدید تکلیف کی بناء پر کوئی چیخ رہا ہو۔

"ان مسخروں کی شامت آ گئی ہے۔" کمال صحن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ساجد بھی اُن کے پیچھے چلا اور طاہرہ کے قدم بھی غیر ارادی طور پر اٹھ گئے۔

صحن میں تاریکی اور سناٹے کا وہی عالم تھا۔ جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں بھی سناٹے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔

عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے چمگادڑوں کے چیخنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی پھر کسی نے کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... چلے جاؤ۔"

آواز زینوں کی طرف سے آئی تھی۔ کمال کی ٹارچ روشن ہو گئی۔ ساتھ ہی طاہرہ کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ درمیانی زینے پر ایک کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔

"کیا مسخرہ پن ہے۔" کمال بڑبڑایا۔ "یہی گیارھواں زینہ ہے۔"

روشنی کا دائرہ اب بھی کھوپڑی ہی پر تھا۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے.... چلے جاؤ۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔

طاہرہ نے بڑی مضبوطی سے ساجد کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

"میں وہیں آرہا ہوں.... فرزند....!" کمال نے کہا اور زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔ طاہرہ نے بے اختیارانہ انداز میں کمال پر چھلانگ لگائی۔

"نہیں.... نہیں.... آپ پاگل ہو گئے ہیں۔"

"اوہ.... اسے لے جاؤ.... تم بھی جاؤ۔" کمال نے اُسے ساجد کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "کمرہ اندر سے بند رکھنا۔ جاؤ۔"

پھر طاہرہ کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کس طرح کمرے میں پہنچی۔ تھوڑی دیر بعد جب اُس کے حواس بجا ہوئے تو اُس نے خود کو اُسی کمرے میں پایا جہاں سے کچھ دیر پہلے اُس نے وہ ڈراؤنی آوازیں سنی تھیں۔

ساجد سینے پر ہاتھ باندھے کمرے کے وسط میں خاموش کھڑا تھا۔

طاہرہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ نہ ملے۔ اُسے اپنا جسم اتنا ہلکا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کا ایک معمولی سا جھونکا اُسے اڑا دینے کے لئے کافی ہوگا۔

"تمہاری حالت اچھی نہیں ہے۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اُس وقت اُس کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ اُسے اس کا احساس تھا لیکن اس پر افسوس ہرگز نہیں تھا۔ اس کیفیت کی وجہ وہ خود بھی نہ سمجھ سکی۔ حالانکہ وہ مواقع اُس کے لئے بڑے تکلیف دہ ہوتے تھے جب اُس کے غرور کو ٹھیس لگتی تھی۔

"تم نے.... تم نے.... کمال صاحب کو.... روکا نہیں۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"ہاں.... میں نے نہیں روکا۔" ساجد مسکرا کر بولا۔ "میں نے سوچا اگر کمال صاحب درمیان سے ہٹ جائیں تو تم مجھ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔ کمال صاحب عورتوں کے معاملے میں بدنصیب ترین انسان ہیں۔ اس لئے اُن کے پیچھے پڑنا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے دیکھو.... میں ایک منٹ میں پندرہ ہزار میل کی رفتار سے آہیں بھر سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ....!"

"تمہاری مرضی۔" ساجد مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

طاہرہ صحن کی طرف کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی جو اندر سے بند تھا۔

"رمبا ناچنا آتا ہے تمہیں۔" ساجد نے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔ "پتہ نہیں تم لوگ کیا کر رہے ہو۔"

"ہم لوگ....!" ساجد ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے صحن کی طرف سے دروازے کو دھکا دیا۔ ساتھ ہی آواز بھی سنائی دی جو کمال ہی کی تھی۔

ساجد نے دروازہ کھول دیا۔ کمال اندر داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں وہی انسانی کھوپڑی تھی جسے کچھ دیر قبل طاہرہ نے گیارہویں زینے پر دیکھا تھا۔

کمال نے اُسے فرش پر ڈالتے ہوئے طاہرہ سے کہا۔ "کیا تم رات یہیں بسر کرو گی۔"

"نن.... نہیں.... تو....!"

"اب جاؤ....!" اُس نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر ساجد سے بولا۔ "انہیں ان کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔"

طاہرہ چپ چاپ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس میں اُس کے ارادے کو قطعی دخل نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں کمال اُس کے ذہن پر اس بُری طرح حاوی ہو گیا تھا۔

بھوتوں کے شکاری

دوسری صبح کورنیلیا نے اُسے جھنجھوڑ کر جگایا لیکن اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نشے میں ہو۔ پچھلی رات تقریباً ساڑھے تین بجے وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تھی اور کورنیلیا کے پاس سو گئی تھی۔ کورنیلیا اُس وقت بے خبر سوئی ہوئی تھی۔

"کیا بھنگ پی رکھی ہے تم نے۔" کورنیلیا نے اُسے کھینچ کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اوں.... ہوں.... مجھے سونے دو۔"

"وہاں ایک صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ لیکن وہ اُن دونوں میں سے نہیں ہے۔"

"اوہ.... کہہ دو کہ میں سو رہی ہوں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"وہ بہت غصے میں ہے۔"

"اوہ.... کان نہ کھاؤ.... کہہ دو....!"

"وہ بدتمیز بھی معلوم ہوتا ہے۔ میں اُس سے دوسری بار گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔" کورنیلیا نے کہا۔

اتنی دیر میں طاہرہ اچھی طرح ہوش میں آ گئی تھی۔

"کون ہے! کیا چاہتا ہے۔"

"میں نہیں جانتی.... وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیا وہ مجھے جانتا ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"عجیب احمق ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔"

"اوہ.... اچھا....!" طاہرہ اٹھ کر غسل خانے میں آئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے دیتے وقت اُسے پچھلی رات کے واقعات یاد آئے اور وہ اُن دونوں کی خیریت دریافت کرنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ کمال جیسا آدمی آج تک اُس کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔

اُسے وہ خوفناک کھوپڑی یاد آئی جو انسانوں کی طرح بولتی تھی اور جسے کمال نے بعد میں اس طرح فرش پر پھینک دیا تھا جیسے اس کی نظروں میں وہ بالکل بے حقیقت ہو۔

پھر اُس کے بعد کیا ہوا ہو گا؟ طاہرہ کا ذہن بھٹکنے لگا اور وہ بے خیالی میں اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتی رہی۔ اُسے وقت کا احساس نہیں رہ گیا تھا اگر کورنیلیا باہر سے اُسے مخاطب نہ کرتی تو وہ نہ جانے کتنی دیر تک کھڑی اس شغل کو جاری ہی رکھتی۔ پھر کورنیلیا بھی غسلخانے میں گھس آئی۔

"کیا سو گئی ہو۔" اُس نے کہا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔

"وہ کہتا ہے کہ اگر دیر ہو گئی تو میں وہیں آ جاؤں گا۔"

"کون گدھا ہے۔ میں دیکھتی ہوں۔"

طاہرہ نے اُسی لباس پر شب خوابی کا لبادہ ڈال لیا اور کورنیلیا کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں حقیقتاً ایک آدمی اس کا منتظر تھا اور وہ اُسے جانتی تھی۔ یہ یہاں کا ایک مستقل کرائے دار تھا۔ لیکن طاہرہ نے اس سے پہلے اُسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ قویٰ مضبوط تھے اور وہ اپنے مضبوط بازوؤں کی نمائش کا خاص طور پر شائق معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک سرد صبح ہونے کے باوجود بھی وہ آدھی آستین کی قمیض میں تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کی پالیسی کیا ہے۔" اُس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" طاہرہ حیرت سے بولی۔

"آخر نواب صاحب اُس حصے کو کرائے پر کیوں اٹھا دیتے ہیں جب کہ انہیں معلوم ہے کہ یہاں ایک نہیں کئی کیس ہو چکے ہیں۔"

"آپ کو اس سے کیا نقصان پہنچا ہے۔" طاہرہ کا موڈ بھی خراب ہو گیا۔

"راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ بُرا ہو مکانوں کی قلت کا ورنہ یہ عمارت رہنے کے قابل ہے۔"

"آخر ہوا کیا.....!"

"میرے ساتھ چلئے تو دکھاؤں۔ جب بھی اُس حصے میں کوئی کرایہ دار آتا ہے میری شامت آجاتی ہے۔ میرا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ ایک چیز بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ صرف وہی کمرہ محفوظ ہے جس میں سوتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"چلئے نا میرے ساتھ۔ میں دکھاؤں۔ کسی نے ساری چیزیں کچل کر رکھ دی ہیں۔ کرسیاں اور میزیں تک چور ہو کر رہ گئی ہیں۔"

"اوہ تو ایسی صورت میں آپ کو کمرے چھوڑ دینا چاہئے کہیں اور انتظام کر لیجئے۔"

"کہاں! جہنم میں۔" وہ غرایا۔ "آپ ہی کوئی اور جگہ دلوا دیجئے۔ دوسرا مکان حاصل کر لینا ایسا آسان ہے۔ دیکھئے۔ میں کھلے ہوئے الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ حصہ آج ہی مقفل نہ کرا دیا گیا تو معاملے کو آگے بڑھا دوں گا۔"

"یعنی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میں پولیس کو اس کی اطلاع دوں گا۔ جب وہ حصہ مخدوش ہے تو اُسے کرائے پر کیوں اٹھایا جاتا ہے۔ اخبارات میں مقامی حکام سے سوال کر دوں گا کہ وہ اُسے ہمیشہ کے لئے کیوں نہیں بند کرا دیتے۔ آج سے چھ ماہ قبل ایک واردات ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی۔ آخر اُسی وقت وہ حصہ سرکاری طور پر کیوں نہیں مقفل کرا دیا گیا تھا.... اور پھر یہ دونوں کرائے دار مجھے اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"میں آپ سے استدعا کروں گی کہ ایسا ضرور کیجئے۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ اُس حصے کو سرکاری طور پر مقفل کرا دیا جائے۔"

"وہ دونوں ہیں کون....!"

"میں نہیں جانتی۔"

"مگر چوکیدار تو کہہ رہا تھا کہ وہ پچھلی رات کو یہاں آئے تھے۔"

"آپ قطعی غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں۔" طاہرہ جھلا گئی۔

"اچھی بات ہے۔ اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"کریک ہے کیا۔" کورنیلیا نے ہنس کر کہا لیکن طاہرہ خاموش ہی رہی۔

اس کا ذہن پھر رات کے واقعات میں الجھنے لگا تھا۔

"کیا معاملہ ہے۔ کوئی خاص بات۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بہت خاص۔ لیکن میں الجھن میں ہوں۔ وہ دونوں میرے لئے مستقل درد سر ہو گئے ہیں۔"

"کیا دونوں سے عشق ہو گیا ہے۔" کورنیلیا نے قہقہہ لگایا۔

"گھٹیا باتیں نہ کرو۔" طاہرہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان دونوں پر سب کے سب کیوں خار کھائے ہوئے ہیں۔ یہ کون تھا جو ابھی بکواس کر کے گیا ہے۔"

"ایک کرائے دار۔" طاہرہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔

"ہمیں وہ سب کچھ ضرور دیکھنا چاہئے جس کے متعلق اُس نے کہا تھا۔"

"مگر اس کا خیال رکھنا کہ وہ بہت تاؤ کھا کر یہاں سے گیا ہے۔" کورنیلیا نے کہا۔

طاہرہ نے دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور باہر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ کورنیلیا پہلے ہی سے تیار تھی۔

وہ عمارت کے اُس حصے میں آئیں جہاں وہ کرائے دار مقیم تھے۔

"دیکھئے! مجھے افسوس ہے۔" طاہرہ نے اُس سے کہا۔ "میں سو کر اٹھی تھی اور آپ جانتے ہیں کہ ایسے اوقات میں دماغ پر قابو نہیں ہوتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" کرائے دار بولا۔ "لیکن میرے اس نقصان کا کیا ہو گا۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جائیے دیکھ لیجئے۔" وہ ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی حالت وہیں سے صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی طاہرہ اندر چلی گئی۔ کورنیلیا بھی ساتھ تھی۔ دونوں نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ کمرہ درحقیقت کسی کباڑی کی دوکان معلوم ہو رہا تھا۔ فرنیچر اور دوسرے آرائشی لوازمات شکستہ حالت میں ڈھیر تھے۔ ان میں سوکھی ہوئی گھاس اور خشک مٹی کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی شامل تھے۔

زیادہ غور سے جائزہ لینے پر جانوروں کی ہڈیاں سینگ اور پھٹے پرانے جوتے بھی نظر آئے۔

کرایہ دار باہر ہی تھا وہ ان کے ساتھ اندر نہیں آیا تھا۔

طاہرہ گھوم پھر کر کمرے کی تباہ حالی دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ چلتے چلتے رک گئی اور جھک کر فرش سے کوئی چیز اٹھائی۔ پھر چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھ کر اُسے اپنے بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے۔ مجھے حیرت ہے۔" طاہرہ نے اُس سے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ جب بھی کوئی اُس منحوس حصے میں مقیم ہوا ہے میرا کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوا ہے۔"

"آپ دوسرے کمرے میں سوئے تھے؟ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔"

"جی نہیں وہاں کوئی نہیں تھا۔" اُس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں مقامی حکام سے ضرور فریاد کروں گا اور آپ شام کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھیں گی۔ میرا اتنا نقصان ہوا ہے۔ سینکڑوں روپے کا فرنیچر برباد ہو گیا۔"

"آپ کو اس سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔" طاہرہ نرمی سے بولی۔ "یقیناً آپ کا بہت نقصان ہوا ہے۔"

"میں کہتا ہوں! وہ حصہ کرائے پر اٹھایا ہی کیوں جاتا ہے۔"

"دیکھئے۔ یہ ہمارا قطعی نجی معاملہ ہے۔ ہم کسی سے درخواست کرنے نہیں جاتے کہ وہ ہمارا کرایہ دار بنے۔ آپ ہر وقت کمرے خالی کر سکتے ہیں۔"

"پھر وہی فرعونیت والی بات۔" کرایہ دار جھلا اٹھا۔ "اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔"

وہ دونوں وہاں سے چلی آئیں۔ کورنیلیا نے اُس کے متعلق گفتگو چھیڑنی چاہی لیکن طاہرہ نے ہاتھ ہلا کر اُسے روک دیا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

"اچھا تم نے وہاں سے کیا اٹھایا تھا۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بھوت کی لنگوٹی۔" طاہرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مجھے تو اب تم سے خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ واپس جاؤ۔"

"اور تم یہیں رکو گی.... آخر کیوں.... کیا واقعی! وہ آدمی کمال تمہارے ذہن پر۔"

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے....!"

"پھر مجھے بتاؤ نا کہ تم یہاں کیوں رکنا چاہتی ہو۔ وہاں سے تم نے کیا اٹھایا تھا۔"

"میں یہ معلوم کیے بغیر نہیں جا سکتی کہ وہ دونوں کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں۔"

کورنیلیا خاموش ہو گئی۔ طاہرہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھی۔

"کیا وہیں جا رہی ہو۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"تب تم تنہا ہی جاؤ۔ مجھے نہ جانے کیوں اُس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"کس سے۔"

"کمال سے.... لیکن وہ دوسرا آدمی.... ساجد.... کافی دلچسپ ہے۔"

کورنیلیا اُس کے ساتھ نہیں گئی۔ مغرب رخ والے برآمدے کے قریب پہنچتے ہی طاہرہ کو وائیلن کی آواز سنائی دی۔ نشست کے کمرے کے دروازے کھلے ہوئے تھے اُسے ساجد نظر آیا جس کے سر پر سفید سمور کی ٹوپی تھی اور جسم پر تبت کے لاماؤں کا سا زرد رنگ کا ریشمی لبادہ۔ وہ آنکھیں بند کیے جھوم جھوم کر وائیلن بجا رہا تھا۔ طاہرہ بے تکلف اندر چلی گئی۔ کمال موجود نہیں تھا۔ ساجد نے شائد اُس کی آہٹ نہیں سنی تھی۔ وہ بدستور آنکھیں بند کیے وائیلن بجاتا رہا۔

طاہرہ نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور ساجد اچھل پڑا۔

"آہا.... آہا....!" وہ شور مچانے کے سے انداز میں بولا۔ "تان سین کے متعلق مشہور ہے کہ اُس کے گیت پر ساز خود بج اٹھتے تھے.... اور جب میں ساز بجاتا ہوں تو زمین پھٹتی ہے اور اُس میں سے عورتیں ابلنے لگتی ہیں۔"

"کمال صاحب کہاں ہیں۔" طاہرہ نے اُس کی بکواس پر دھیان نہ دے کر پوچھا۔

"کمال صاحب!" ساجد نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

"کہاں ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"میں نے پچھلی رات انہیں ذبح کر دیا اور اس وقت وائیلن بجا رہا ہوں۔ بیٹھو تمہیں وہ گیت سناؤں.... جو تان سین نے....!"

"کمال صاحب۔" طاہرہ نے پکارا۔

اور ساجد وائیلن پر بجانے لگا۔ "آواز دے کہاں ہے۔ دنیا مری جواں ہے۔" طاہرہ آگے بڑھی۔ وہ دوسرے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

"ٹھہریئے۔" ساجد وائیلن ایک طرف رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ "وہ اس وقت کسی سے نہیں مل

سکتے۔ آپ کیا چاہتی ہیں۔"

طاہرہ جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑی۔ "میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ لوگ جلد سے جلد یہ عمارت خالی کر دیں۔ سمجھے! ورنہ بات بہت بڑھ جائے گی۔"

"ہم تین ماہ کا کرایہ ادا کر چکے ہیں۔" ساجد بولا۔

"رقم واپس کر دی جائے گی۔"

"ہم تین ماہ گذارے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔" ساجد نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو پھر پولیس آپ سے جواب طلب کرے گی۔"

"کیا بات ہے محترمہ طاہرہ۔" وہ کمال کی آواز سن کر مڑی۔ کمال دروازے میں کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"آپ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں قانون اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"کیا آپ پچھلی رات کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں۔"

"نہیں....!" طاہرہ اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالتی ہوئی بولی۔ "کیا یہ فاؤنٹین پن آپ کا نہیں ہے۔" اُس نے گریبان سے ایک فاؤنٹین پن نکال کر اُسے دکھایا۔

"دیکھوں....!" اُس نے ہاتھ بڑھا کر فاؤنٹین پن اُس سے لے لیا۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اُس کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ "ہاں یہ میرا ہی ہے۔ آپ کے پاس کیسے پہنچا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی رات ساگر صاحب کے کمرے میں آپ ہی تھے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

طاہرہ نے اُسے بتایا کہ وہ قلم اُسے کہاں سے اور کن حالات میں ملا تھا۔ کمال پوری بات سن کر مسکرایا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ اُس کمرے میں میں نے ہی توڑ پھوڑ مچائی ہو گی۔"

"پھر یہ قلم وہاں کیسے پہنچا۔ ساگر اس کی اطلاع پولیس کو دینے جا رہا ہے۔"

"تب تو پھر مجھے بھی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے کہ پچھلی رات یہاں ایک انسانی کھوپڑی حلق پھاڑ رہی تھی۔ میرے ہم شکل نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ محترمہ طاہرہ کو ایک گوریلا نظر آیا تھا اور مجھے ان ساری حرکتوں کی ذمہ دار محترمہ طاہرہ معلوم ہوتی ہیں۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ لاجواب ہو گئی تھی۔

وہ کچھ دیر تک خاموش ہی پھر اُس نے کہا۔ "آپ اُس کھوپڑی کو اٹھا لائے تھے۔"

"ہاں! وہ تمہارے سامنے ہی کی بات ہے.... بیٹھ جاؤ۔"

"تشریف رکھئے محترمہ طاہرہ۔" ساجد نے پھر ایک طویل سانس لی اور کمال اُسے گھورنے
اُس نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر وائیلن کے تاروں پر ناخن لگانا شروع کر دیا۔

"بند کرو! ورنہ میں اسے تمہارے سر پر پھوڑ دوں گا۔" کمال غرایا۔

"اچھا جناب!" ساجد نے وائیلن میز پر ڈال کر ایک طویل انگڑائی لی اور باہر چلا گیا۔

"یہ عجیب آدمی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کبھی غصے میں انہیں مار نہ بیٹھوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"ایسے مواقع پر غصہ ضبط کر لینا۔" کمال مسکرایا۔ "وہ بہت شریر ہے! خیر ہاں تو.... ہم اُس وپڑی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔"

"آپ نے اُسے کیسے ہاتھ لگایا ہو گا۔"

"کیوں؟ بھلا اس میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ کوئی بُری روح لی جو اُس کے اندر چیخ رہی تھی۔"

"پھر....!" طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"قطعی نہیں! مگر میں آپ کو کیوں بتاؤں۔ آپ نے مجھے اب تک وہ داستان نہیں سنائی جو پ اپنی ساتھی کو سنانے والی تھیں۔"

"کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہے۔"

"نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تو پھر کیا یہاں جھک مارنے آئے ہیں۔"

"نہیں بھوت مارنے۔ میں ایک پیشہ ور قسم کا بھوت مار ہوں۔ میں نے اب تک درجنوں ے بڑے اور بین الاقوامی قسم کے بھوتوں کا قلع قمع کیا ہے۔ یہ ہے میری موجودگی کا مقصد....!"

پرانی داستان

کمال خاموش ہو گیا۔ طاہرہ بیک وقت کئی باتیں سوچ رہی تھی۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا اس کے بس سے باہر تھا کہ وہ کمال کو کیا سمجھے۔

کمال اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مسکراہٹ معنی خیز تھی لیکن طاہرہ اُسے بھی کوئی معنی نہ

پہنا سکی آخر کمال بولا۔

"تم مجھے اُن لوگوں میں تصور کر رہی ہو جو یہاں دفینے کے چکر میں آتے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں کوئی ایسا دفینہ نہیں ہے جس پر روحوں کا سایہ ہو۔ روحیں جو دفینے کے لئے قربانیاں مانگتی ہوں۔"

"اُوہو.... پھر کیا مقصد ہے۔" طاہرہ بے ساختہ بولی۔

"مقصد ابھی بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔" کمال نے سگار سلگا کر دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر وہ کھوپڑی...." طاہرہ نے کہا۔ "وہ غیر ارادی طور پر بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔"

"اوہ.... محض بچوں کا کھیل۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کے اندر مائیکروفون کا ایک چھوٹا سا ہارن فٹ تھا اور تاروں کا ایک سلسلہ اوپری منزل پر چلا گیا تھا۔ لیکن میں اُن کے دوسرے سرے تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ مجھے اوپر آتے دیکھ کر انہوں نے تار کاٹ دیئے اور اپنے ساز و سامان سمیت غائب ہوگئے۔"

طاہرہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔

"اب ایسی صورت میں.... میں کیا سمجھوں۔" کمال نے کہا۔ "دفینے پر منڈلانے والی روحیں یا.... تم کیا سوچنے لگیں۔"

"میں ابھی تک یقین اور شبہے کی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ روایت یہی ہے کہ یہاں ایک دفینہ ہے اور اُس پر روحوں کا سایہ ہے۔ لیکن اب.... اب....!"

"اب تم یہ سوچنے لگی ہو کہ پھر ان حرکتوں کا کیا مطلب ہے۔"

"یقیناً....!"

"کیا اس دفینے کے علاوہ بھی تمہیں کسی دوسری داستان کا علم ہے۔"

"نہیں! اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ یہ کوٹھی دراصل ہمارے مورث اعلیٰ کو جاگیر میں ملی تھی۔ لیکن یہ اُس وقت اتنی بڑی اور عظیم الشان نہیں تھی۔ یہاں دراصل کسی فرقے کی عبادت گاہ تھی۔ غدر کے زمانے میں اس فرقے کے افراد نے یہاں بہت سے انگریزوں کو قید کر رکھا تھا اور اُنکے مذہبی پیشوا نے کافی لوٹ مار کی تھی اور لوٹ کا بہت سامان یہاں اکٹھا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مقامی راجہ کو اُس نے قتل کر کے اُسکی بے شمار دولت پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ساری دولت یہیں کسی مقام پر چھپا دی گئی تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ لوگ دراصل ٹھگ تھے بہرحال

ارے مورث اعلیٰ کی مدد سے انگریزی فوج یہاں پہنچی اور یہاں کافی کشت و خون ہوا۔ کہا جاتا ہے اُن لوگوں کا مذہبی پیشوا یا سرغنہ یہیں قتل کر دیا گیا تھا لیکن مقامی راجہ کا خزانہ کسی کو بھی نہ مل کا۔ خود میرے ہی خاندان کے کئی افراد اس چکر میں موت کا شکار ہوئے۔ میرے والد....!"

طاہرہ خاموش ہوگئی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر کمال نے کہا۔ "یہ داستان بھی میرے لئے نئی نہیں۔"

"پھر آپ اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"چھ ماہ پہلے جو واقعہ پیش آیا تھا اُس کی تفصیل۔"

"اس کی بھی موت ہی اُسے یہاں لائی تھی۔ وہ ہمارا منیجر تھا۔ حکومت نے کسی مقصد کے لئے کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے کی پیشکش کی تھی۔ ہماری طرف سے یہی عذر پیش کیا گیا۔ اس پر یجر نے کہا کہ وہ گیارہ تاریخ کو گیارہ بجے رات گیارہویں زینے پر چڑھ کر دکھا دے گا۔ غالباً اُس کا ھی یہی خیال تھا کہ ان واقعات میں کسی آدمی ہی کا ہاتھ ہے۔ اُس نے شہر کے بعض حکام کو مدعو یا اور ان کے سامنے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی اُس نے گیارہویں زینے پر قدم رکھا ایک تیز قسم ی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ہم نہیں دیکھ سکے کہ وہ کیسے نیچے گرا۔ کچھ وگوں کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اُچھلا تھا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ سر ے بل گرا تھا۔ ظاہر ہے جو حالت ہوئی ہوگی۔ گیارہواں زینہ کافی بلندی پر ہے۔ بہرحال وہ بیچارا اپنا بیان دینے کے لئے زندہ نہیں رہ سکا۔ پھر کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ اوپر جاسکتا۔ دوسرے ن البتہ پوری کوٹھی پولیس والوں سے بھر گئی تھی۔"

طاہرہ خاموش ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اب آپ کا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ چند نامعلوم آدمیوں ہی کی حرکت ہے۔ لیکن گیارہواں زینہ! آخر وہ گرا کیسے ہوگا۔ کیا یارہویں زینے کے نیچے اسپرنگ پوشیدہ ہیں۔"

"قطعی نہیں۔" کمال بولا۔ "اس سلسلے میں بھی میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔ اسپرنگ کا مکان نہیں ہے لیکن تم اُس روشنی کو کیوں نظر انداز کیے دے رہی ہو جو اچانک اور غیر متوقع طور پر نظر آئی تھی کیا اس کے اچانک ظاہر ہونے پر تم اچھل نہ پڑی ہوگی۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں بے تحاشہ اچھل پڑی تھی۔ وہ روشنی اتنی تیز تھی کہ نیچے کئی پٹرومیکس لیمپ ایسے ہی نظر آنے لگے تھے جیسے خود اُن کے سامنے کوئی ننھا سا دیا بے وقعت ہو جائے۔"

"اچھا اب اُس آدمی کے متعلق سوچو جو زینوں پر چڑھ رہا تھا۔ وہ لاکھ دلیر سہی لیکن غیر متوقع طور پر ظاہر ہونے والی روشنی نے اُس کے پیر ضرور اکھاڑ دیئے ہوں گے۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ روشنی کے ساتھ ہی ساتھ اُسے اوپر کچھ اور بھی نظر آیا ہو۔ گیارہویں کیا نویں ہی زینے سے اوپر کے دریچے صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ فرض کرو اُسے وہاں کوئی گوریلا ہی نظر آیا ہو۔ اس کی جگہ اگر تم ہوتیں تو تمہارا بھی یہی حشر ہوتا حالانکہ تم عام عورتوں سے بہت مختلف ہو۔"

"مکھن.... مسکا.... بٹر....!" ساجد نے برآمدے سے نعرہ لگایا۔

اور طاہرہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ کمال بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

ساجد نے اُس کے بعد خاموشی اختیار کرلی۔ ماحول پھر سنجیدہ ہو گیا اور طاہرہ نے کہا۔

"مگر وہ لوگ اتنی جلدی غائب کہاں ہو جاتے ہیں۔"

"شائد تم یقین نہ کرو۔" کمال نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "اس عمارت کے نیچے سرنگوں اور تہہ خانوں کا جال سا بچھا ہوا ہے۔"

طاہرہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں.... یہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں.... ان میں کچھ سرنگوں کی حالت بتاتی ہے کہ وہ صدہا سال پرانی ہیں اور کچھ بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمارت کا شاید ہی کوئی کمرہ ایسا ہو جس میں تہہ خانہ نہ ہو۔ رات میں نے تمہارے کمرے کی بھی سیر کی ہے۔ اُس کے فرش میں بھی ایک پوشیدہ دروازہ ہے۔"

طاہرہ اس طرح ہنسنے لگی جیسے اُسے یقین نہ آیا ہو۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔" کمال نے کہا۔

"اچھا آپ نے میرے کمرے میں کیا دیکھا۔"

"تم اور کورنیلیا ڈر کے مارے ایک ہی مسہری پر سوئی تھیں۔"

"اوہ.... آپ نے کسی نوکر سے سنا ہوگا۔" طاہرہ پھر ہنسنے لگی۔

"اچھا.... آج رات دیکھ لینا۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن مقصد! آپ کہتے ہیں کہ دفینے والی داستان فضول ہے۔ آپ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ انسانوں ہی کی حرکتیں ہیں۔ پھر.... مقصد!.... آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ گیارہ تاریخ.... گیارہ بجے رات.... گیارہواں زینہ.... یہ سب کیا بلا ہیں۔ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجے رات یہاں نہ جانے کیا ہوتا ہے۔ بارہویں کی صبح کو زینوں پر خون ملتا ہے۔ خصوصاً گیارہویں

زینے پر تو ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں ملتی جہاں خون نہ ہو۔ گیارہویں زینے سے اوپر کے زینے بے داغ ہوتے ہیں۔ ان پر خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں نظر آتا۔ رات بھر وہ غل غپاڑہ رہتا ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ بھلا کس میں ہمت ہے کہ وہ اُس وقت یہاں داخل ہو سکے۔"

"میں وہ رات یہیں گذاروں گا۔" کمال نے مسکرا کر کہا۔

"آپ پتہ نہیں کس مٹی سے بنے ہیں۔" طاہرہ بولی۔

"ملتانی مٹی سے۔" ساجد نے برآمدے سے ہانک لگائی۔ "چکنے گھڑے ہیں۔"

اس بار اُن دونوں ہی نے دھیان نہیں دیا۔

"کیا تم اس مہم میں حصہ لینا چاہتی ہو۔ میں تمہیں خطرات سے دور ہی رکھوں گا۔"

"میں تیار ہوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"یا اللہ۔" ساجد نے برآمدے میں اتنے زور سے ٹھنڈی سانس لی کہ اُسے کھانسی آنے لگی۔

طاہرہ کو پھر ہنسی آ گئی اور کمال جھلا کر اٹھا لیکن ساجد اُس کے برآمدے میں پہنچنے سے قبل ہی کھسک گیا تھا۔ کمال واپس آ گیا۔

"یہ آپ کے چھوٹے بھائی ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"بیہودہ ہے۔" کمال نے بات اڑا دی۔ "ہاں! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم کافی ذہین اور دلیر ہو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام بہ آسانی انجام دے سکو گی۔ مگر یہ بات ایک مخصوص مدت تک راز ہی رہے گی۔ تم اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی۔ حتیٰ کہ کورنیلیا سے بھی نہیں۔"

"آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"ساگر کی نگرانی۔"

"ساگر....!" طاہرہ کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔

"ہاں ساگر۔ آج اُس کی نقل و حرکت پر نظر رکھو۔"

طاہرہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ میں نے تم پر اتنی جلدی اعتماد کیسے کر لیا۔" کمال نے کہا۔

"اوہ.... کیا آپ جادوگر ہیں۔" طاہرہ نے حیرت سے کہا۔ "ہاں میں یہی سوچ رہی تھی اور یہ بھی سوچ رہی تھی کہ میں آپ پر اعتماد کروں یا نہ کروں۔"

"میں تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہوں؟" کمال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا تمہارے ساتھ کسی قسم کی سازش کا امکان ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر....!"

"پھر کچھ نہیں۔ میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔ میں اس کا تعاقب ضرور کروں گی۔ آخر اُسی کے کمرے پر بھوتوں کا حملہ کیوں ہوا اور وہاں آپ کے قلم کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔"

"اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کمال سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں اُبھری ہوئی تھیں اور طاہرہ اُسے عجیب انداز سے دیکھ رہی تھی۔

پھر کمال نے ایک نئی تجویز پیش کی۔ اُس نے اُس سے کہا وہ بھی ساگر کے ہمراہ پولیس اسٹیشن جائے اور کسی طرح کمال کا فاؤنٹین پن شناخت کرلے۔

طاہرہ اس عجیب و غریب تجویز پر اُلجھن میں پڑ گئی اور کمال اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ لیکن اس نے اس کی تشفی کردی۔ اُس نے کہا کہ وہ اس طرح ساگر کا اعتماد حاصل کرسکے گی اور اگر تعاقب کے دوران میں ساگر کی نظر اس پر پڑ بھی گئی تو وہ اُسے محض اتفاق سمجھے گا۔ اس طرح وہ شبہے سے بالاتر ہو جائے گی۔

طاہرہ مطمئن تو ہوگئی مگر ایک بے نام سی خلش اُس کے ذہن میں اب بھی باقی تھی۔ اب بھی وہ اس بات کا فیصلہ نہیں کرسکی تھی کہ کمال کو دوست سمجھے یا دشمن۔

بہر حال وہ کمال کی تجاویز کو ذہن نشین کرلینے کے بعد اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوگئی۔

لیکن یہاں نیا شگوفہ کھلا دیکھا۔ کورنیلیا اپنے سامان کے ساتھ ایک پورٹیبل گراموفون بھی لائی تھی جس پر اس وقت موسیقی کا ایک ریکارڈ بج رہا تھا اور کورنیلیا ساجد کے ساتھ رمبا ناچ رہی تھی۔

ساجد اپنے اسی مضحکہ خیز لباس میں تھا۔ یعنی سمور کی سفید ٹوپی اور زرد رنگ کے لبادے میں۔

طاہرہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس کی دانست میں ابھی تک وہ دونوں دور دور ہی رہے تھے اور حقیقت بھی یہی تھی۔

طاہرہ کو دیکھتے ہی کورنیلیا اچھل کر الگ ہٹ گئی۔ لیکن ساجد آنکھیں بند کئے ہوئے بدستور ناچتا رہا اور اس انداز میں جیسے کورنیلیا اب بھی اُس کے بازوؤں میں ہو۔ وہ ناچتا رہا..... طاہرہ بے تحاشہ ہنستی رہی۔ کورنیلیا بھی ہنس رہی تھی۔ لیکن اس کی ہنسی میں ندامت بھی شامل تھی۔

اچانک وہ آنکھیں بند کئے ہوئے طاہرہ کی طرف جھپٹا اور طاہرہ نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر اُسے دھکا دے دیا۔ وہ دیوار سے جا ٹکرایا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں لیکن پیشانی پر

ناگواری کی شکن تک نہیں تھی۔

اُس نے بڑے پُر خلوص انداز میں کہا۔ "میرے لائق کوئی خدمت۔"

"چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔" طاہرہ سنجیدگی سے بولی۔ "کمال صاحب نہیں چاہتے کہ ہم لوگوں میں کسی قسم کا تعلق ظاہر ہو۔"

"آہم....!" ساجد ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "پوری طرح پھنس گئی ہو۔ خیر میرا کیا جاتا ہے۔ اگر تم اپنی خوشی سے اپنے سر پر استرا نہ پھروالو تو میرا ذمہ۔ ویسے مجھے ان گھونگھریالے بالوں کے ضائع ہونے کا بڑا افسوس ہوگا۔"

"کیا مطلب....!"

"کمال صاحب کریک ہیں۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔ "فلسفہ کے کیڑے ہیں۔ لہٰذا کھوپڑی الٹ گئی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر عورتیں سر منڈوانا شروع کردیں تو دنیا کی آبادی حیرت انگیز طور پر بڑھ سکتی ہے۔ دلیل کے طور پر وہ افریقہ کی اُن اقوام کو پیش کرتے ہیں جن کی عورتوں میں سر منڈوانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ اُن میں سے ہر عورت عمر طبعی کو پہنچتے پہنچتے تقریباً تیس یا چالیس بچے جن ڈالتی ہے.... ہاں.... تو....!"

"کیوں بکواس کررہے ہو۔ جاؤ۔" طاہرہ نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ساجد لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میں نے اپنا فرض ادا کردیا۔ یہ تو تم محسوس کررہی ہوگی کہ وہ حیرت انگیز طور پر اپنی باتیں منوا لیتے ہیں۔ تم خوشی سے اپنا سر منڈواؤ گی۔ ان کا فلسفہ اتنی مضبوطی سے تمہارے ذہن میں جڑیں پکڑے گا کہ تم مجبور ہو جاؤ گی۔ میں اب تک چالیس عدد حسین ترین لڑکیوں کا حشر دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی سر منڈواتی ہیں اور خوش ہیں.... اچھا.... ٹاٹا.... میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسری کی طرف دیکھتی رہیں پھر انہوں نے بیساختہ ہنسنا شروع کردیا۔

"ذرا سوچو تو۔" کورنیلیا نے کہا۔ "تمہارا سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف ہے اور کانوں میں آویزے جھول رہے ہیں۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک ہے اور نشیلی آنکھیں.... ہائے۔"

"تم بتاؤ کمینی۔ یہ ذرا سی دیر میں اتنی بے تکلفی کیسی۔" طاہرہ نے اُس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"اُرر.... چھوڑو...." کورنیلیا ایک طرف لچکتی ہوئی بولی۔ "بتاتی ہوں۔"

"چلو ساؤنڈ بکس اٹھاؤ۔" طاہرہ نے اُسے گراموفون کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"میں کیا بتاؤں طاہرہ۔" کورنیلیا ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس اٹھا کر ٹرن ٹیبل کو روکتی ہوئی بولی۔

"میں خود نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں اس طرح بے تکلف ہو جاتا ہے جیسے برسوں پرانی ملاقات ہو۔ میں تو کم از کم یہی محسوس کرنے لگی تھی۔ صرف پندرہ منٹ میں اُس نے مجھے رقص کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اب مجھے خود الجھن ہو رہی ہے۔"

"یہ دونوں ہی عجیب ہیں۔" طاہرہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"کیوں؟ کوئی خاص بات۔"

"کچھ نہیں! میں بھی ساگر کے ساتھ پولیس اسٹیشن جاؤں گی۔ مجھے یہاں ان دونوں کی موجودگی الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"مگر تم نے تو ابھی اُس سے کہا.... تھا....!"

"وہ کچھ نہیں.... اُسے بھول جاؤ۔ وہ بھی ایک چال تھی۔ یہ دونوں نہ جانے کون ہیں مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"ہائیں! لفظ خوف.... اور تمہاری زبان سے۔ میں کیا سن رہی ہوں۔"

"میں بھی انسان ہی ہوں۔" طاہرہ نے لاپروائی سے کہا۔

چور دروازہ

اس طرح طاہرہ نے اُسے ٹال دیا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ اُس کی چھٹی حس ان لوگوں کی طرف سے اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

ساگر نے اُس کے اس خیال کو بہت سراہا کہ وہ بھی اُس کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا کر اپنی طرف سے بھی ایک رپورٹ درج کرائے گی۔ طاہرہ اُس کے تباہ حال کمرے میں کمال کا فاؤنٹین پن دوبارہ ڈال کر مطمئن ہو گئی تھی۔

اسکیم کے مطابق اُس نے ساگر کے ساتھ ہی اپنی رپورٹ بھی درج کرائی اور موجودہ گڑبڑ کے سلسلے میں کمال اور ساجد پر شبہہ ظاہر کیا پھر جب پولیس موقع واردات کا جائزہ لینے کے لئے کوٹھی میں آئی تو طاہرہ نے کمال کا فاؤنٹین پن شناخت کر لیا لیکن اُسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سب

انسپکٹر نے اس سلسلے میں کمال سے کیا گفتگو کی۔ بہر حال جب سب انسپکٹر کمال کے کمرے سے نکل کر جانے لگا تو طاہرہ اور ساگر مغربی رخ والے بر آمدے سے زیادہ دور نہیں تھے۔ طاہرہ نے کمال کو دیکھا جو بر آمدے میں کھڑا غرا رہا تھا۔ سب انسپکٹر بر آمدے کے نیچے اُتر آیا تھا۔

کمال اُس سے کہہ رہا تھا۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں جناب۔ جائیے نصیر آباد کے ڈی۔ ایس۔ پی مسٹر کمار سے پوچھ لیجئے کہ میں کون ہوں۔ انہیں کی سفارش پر میں نے یہ حصہ کرائے پر حاصل کیا ہے.... اور میں کوئی گیا گذرا آدمی نہیں ہوں کہ آپ لوگ آکر مجھ پر دھونس جمائیں۔ میں جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روحانیات کا صدر ہوں میرے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے پہلے اپنے ڈی۔ ایس۔ پی سے ضرور مشورہ لیجئے گا سمجھے۔"

اتنا کہہ کر وہ تیر کی طرح اندر چلا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دروازہ بھی ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

سب انسپکٹر کے چہرے پر جھلاہٹ اور شرمندگی کے ملے جلے آثار تھے وہ سیدھا طاہرہ اور ساگر کی طرف چلا آیا۔

"آپ لوگ فکر مت کیجئے۔" اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں ان حضرت کو دیکھ لوں گا۔ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کے باپ بھی جھک ماریں گے۔ ساگر صاحب! اب آپ ایک رپورٹ اور درج کرا دیجئے کہ اُس نے پولیس کی کاروائی کے بعد آپکو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔"

"آہا....!" ساگر نے انتہائی خلوص سے کہا۔ "آپ کا جو دل چاہے لکھ لیجئے۔ دستخط میں کر دوں گا۔"

"اچھا تو آپ آدھے گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیے گا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ پھر طاہرہ سے بولا۔ "اور آپ بطور گواہ اپنا ایک بیان دیجئے گا۔ یہی کہ دھمکی آپکی موجودگی میں دی گئی تھی۔"

"آں.... ہاں.... ضرور....!" طاہرہ نے بے دلی سے کہا۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ حقیقتاً اُسے کیا کرنا چاہئے کہیں یہ چیز کمال کے خلاف نہ ہو۔

سب انسپکٹر کے چلے جانے کے بعد اُس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کمال تک پہنچ سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب اُسے ساگر کی شخصیت بھی بڑی پُر اسرار معلوم ہونے لگی تھی۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ ساگر ان دونوں سے کچھ اسی قسم کی پرخاش رکھتا تھا جیسے عمارت کے بھوت وہی ہوں۔ آدھے گھنٹے کے بعد اُسے پھر ساگر کے ساتھ پولیس اسٹیشن جانا پڑا۔ سب انسپکٹر نے پہلے ہی سے رپورٹ تیار کر رکھی تھی۔ انہیں صرف اسی پر دستخط بنانے پڑے۔

"کم از کم تین آدمی اور مل جائیں تو بہتر ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"کیسے تین آدمی.....!" ساگر نے پوچھا۔

"ایسے جو اس دھمکی کے سلسلے میں شہادت دے سکیں۔"

ساگر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں مہیا کرلوں گا۔"

"جتنی جلدی ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

پولیس اسٹیشن سے باہر آکر ساگر نے طاہرہ سے استدعا کی کہ وہ کچھ دیر تک اور اُس کے ساتھ رہے کیونکہ وہ اب تک اسی کی کار استعمال کرتا رہا تھا۔ طاہرہ نے سوچا شاید وہ اُن تینوں آدمیوں کی فکر میں ہے جن کی فراہمی کے لئے اُسے سب انسپکٹر سے ہدایت ملی ہے۔

طاہرہ نے بڑی خوشی سے اُس کے لئے ڈرائیو کرنا منظور کرلیا۔

تقریباً ڈھائی گھنٹے میں وہ ایسے تین آدمی مہیا کرسکا۔ اس کے لئے طاہرہ کو متعدد ہوٹلوں، کلبوں اور عمارتوں کے سامنے کار روکنی پڑی تھی۔

بہر حال سارا دن گذر گیا اور طاہرہ کمال کی ہدایت کے مطابق چھپ کر ساگر کا تعاقب نہ کرسکی۔

پھر رات ہوگئی۔ وہ کمال تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھی اور اس بات کی منتظر تھی کہ کسی طرح کورنیلیا سو جائے۔ ساگر کی طرف سے تو وہ مطمئن تھی کہ وہ اُسے کمال سے ملتے نہ دیکھ سکے گا کیونکہ وہ یہاں تھا ہی نہیں۔ سر شام ہی وہ یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ جب تک حالات درست نہ ہو جائیں گے وہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ قیام کرے گا۔

تقریباً گیارہ بجے کورنیلیا سوئی۔ طاہرہ نے پھر سیاہ پتلون اور سیاہ جیکٹ پہنی۔ باہر پھیلی ہوئی تاریکی نے اُسے اپنے سینے میں چھپالیا۔

اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ اس ملاقات کے علاوہ اور کسی چیز کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی حتیٰ کہ ملاقات کا مقصد بھی اُس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ اندھیرے میں آگے بڑھتی جارہی تھی۔ اس عمارت سے متعلق ڈراؤنی باتیں بھی اُسے یاد نہیں آئیں۔

برآمدے میں پہنچ کر اُس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہیں ملا۔ کمرے میں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ دوسرے دروازوں پر جاکر بھی اُس نے اطمینان کرلیا کہ وہ دونوں اندر ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ کوئی بھی دروازہ مقفل نہیں تھا۔

اُس نے ایک ایک کر کے سارے دروازوں پر دستک دی لیکن اندر بدستور سناٹا رہا۔ اپنے

کمروں سے یہاں تک آنے میں ذرہ برابر بھی خوف نہیں محسوس ہوا تھا۔ لیکن اب اُس کے پیر کانپنے لگے اور پھر اُسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ ایک حماقت میں مبتلا ہوگئی ہے۔

وہ بڑی تیزی سے برآمدے سے اتری اور بے تحاشہ اپنے کمروں کی طرف دوڑنے لگی پیروں میں کرپ سول جاتے تھے ورنہ چوکیدار کو یقیناً اپنی طرف متوجہ کرلیتی جو کہیں تھوڑے ہی فاصلے پر "سوتے جاگتے رہو" کی ہانک لگا رہا تھا۔ وہ اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے ہانپتے ہوئے سوچا کہ خوف کے احساس میں ایک مخصوص قسم کی بو بھی شامل ہوتی ہے۔ پھر وہ اُس بو کے متعلق سوچنے لگی جو اس وقت اُس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی۔ اس طرح وقتی طور پر خوف کا احساس زائل ہوگیا اور پھر وہ اُس بو کے راز کو بھی پاگئی۔ وہ تو شبنم میں بھیگی ہوئی گھاس کی بو تھی جو اُس کے کپڑوں میں بسی ہوئی نفتھلین کی بو سے ہم آہنگ ہو کر ذہن پر ایک عجیب سا اثر ڈال رہی تھی۔

اُس نے جیکٹ اور پتلون اُتار کر سونے کا لباس پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے ستے ہوئے زرد چہرے کو گھورنے لگی اُسے اپنے عورت پن پر بڑی کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ ان دنوں سے پہلے کبھی اُس کے وہم میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ وہ کسی موقعے پر خائف بھی ہو سکتی ہے۔

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن درمیان ہی سے اُس کا سلسلہ منقطع ہوگیا کیونکہ اُس نے اپنے قریب ہی ایک عجیب طرح کی کھڑ کھڑاہٹ سنی تھی.....وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ سنگار میز کی داہنی طرف دیوار میں ایک بڑی سی خلاء نظر آئی۔ طاہرہ نے پھر بے تحاشہ ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے ایک ہلکا سا قہقہہ سنا اور دیوار کی خلاء میں دو چہرے دکھائی دیئے۔ جانے پہچانے چہرے۔

دیکھتے ہی دیکھتے کمال اور ساجد کمرے میں آگئے۔

"تم نے دیکھا۔" کمال آہستہ سے بولا۔

"دیکھا.....!" طاہرہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ "لیکن اس طرح" اُس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کہاں تک درست ہے۔"

"مجھے افسوس ہے محترمہ طاہرہ۔" کمال بولا۔ "ہم یہ رات اسی کمرے میں گذاریں گے۔ پھر یہ دیکھئے کہ ہم سچ مچ بھوت تو ہیں نہیں کہ ہماری زندگیاں ہر حال میں محفوظ ہوں.....ذرا ٹھہریئے۔"

کمال خلاء کی طرف واپس گیا۔ طاہرہ صرف اتنا ہی دیکھ سکی کہ اُس نے ایک بار خلاء میں ہاتھ ڈال کر اُسے بڑی سرعت سے باہر نکال لیا اور پھر اُسی قسم کی گھڑگھڑاہٹ کمرے میں گونج کر رہ گئی جیسی پہلے سنائی دی تھی.... دیوار برابر ہو چکی تھی۔ کمال اُس کی طرف لوٹ آیا۔

"اس وقت وہ ہماری تاک میں ہوں گے۔" کمال نے کہا۔ "ہمارے کمروں پر یقیناً ایک منظم حملہ کیا جائے گا جس کے اثرات تم کل صبح بھی دیکھ سکو گی۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اُن کے لباس اچھی حالت میں نہیں تھے۔ اُن پر کافی گرد تھی اور جابجا مکڑیوں کے جالے لپٹے نظر آرہے تھے۔

طاہرہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "بیٹھ جائیے! میں ابھی آپ کے کمروں کی طرف گئی تھی۔"

"واقعی تم بہت باہمت ہو۔" کمال نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن طاہرہ اپنی بدحواسی یاد کر کے دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔

"میں یہ بتانے گئی تھی کہ....!"

"آہا.... مجھے معلوم ہے کہ وہ شام تک آپ کو ساتھ لئے پھرتا رہا ہے۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"دن کی بات ہے۔ کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو چھپ سکتا۔"

"خیر بہر حال! مجھے تعاقب کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"حالانکہ آپ اُس کا تعاقب ہی کرتی رہی تھیں۔ اگر آپ اُن مقامات کی تفصیل دے سکیں جہاں جہاں وہ گیا تھا تو اس سے مقصد حل ہو جائے گا۔"

"اوہ.... وہ تو میں بتا سکتی ہوں۔" طاہرہ نے کہا اور بیان کر چلی۔

"ذرا ٹھہریئے۔ اگر میں نوٹ کرتا چلوں تو زیادہ بہتر ہو گا مگر اس وقت نہ میرے پاس کاغذ ہے اور نہ قلم۔"

طاہرہ نے سنگار کی دراز سے پنسل اور پیڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ....!"

طاہرہ نے ایک بار پھر تفصیل دہرائی اور وہ نوٹ لیتا گیا۔

"بس ٹھیک۔" اُس نے پنسل میز پر ڈال کر ایک انگڑائی لی اور جیب سے سگار نکال کر اُس کا کونا توڑنے لگا۔

"آپ نے سب انسپکٹر سے سخت کلامی کر کے اچھا نہیں کیا۔" طاہرہ نے تشویش آمیز لہجے

ں کہا۔ "وہ انتقامی جذبہ کے تحت کوئی نہ کوئی کاروائی ضرور کرے گا۔"

"اس کی پروانہ نہ کرو۔ لیکن میں ایک بار پھر تمہیں سمجھاؤں گا کہ اس طرح تنہا باہر نہ نکلا د۔ اس وقت تم نے ایک بہت بڑی حماقت کی تھی۔"

"آئندہ احتیاط برتوں گی۔ مگر وہ چاہتے کیا ہیں۔ انہوں نے عمارت پر کیوں قبضہ کر رکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تقریباً سو سال سے عمارت اُن کے قبضے میں ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے اور قبضے کا مقصد غالباً آج بھی وہی ہے جو سو سال پہلے تھا۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ اب تم سو جاؤ۔ ہم دونوں اسی کمرے میں رہیں گے۔ لیکن اس ے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ شائد دوسرے ہی کمرے میں کورنیلیا سو رہی ہے.... اوہ.... کوئی ا بات مت سوچو۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اُس کمرے میں بھی ایک چور دروازہ موجود ہے۔"

ہڈیوں کے ڈھانچے

خواب گاہ میں آکر کافی دیر تک طاہرہ ٹہلتی رہی۔ کورنیلیا بے خبر سو رہی تھی۔ دوسرے ے میں کمال اور ساجد تھے لیکن ساجد اس وقت بہت سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اُس نے ایک بار بھی اہرہ کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دونوں کمروں کے درمیان صرف ایک دروازہ حائل تھا ر کمال کی ہدایت کے مطابق اُسے کھلا ہی رہنے دیا گیا تھا۔ مسہری دروازے کے سامنے ہی تھی۔ اہرہ سوچ رہی تھی کہ ایسی حالت میں مسہری پر لیٹنا اُس کے لئے قریب قریب ناممکن ہی ہو گا۔ ڑ کے دباؤ سے پپوٹے بوجھل ہوئے جا رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ گذر گیا۔ طاہرہ ایک آرام ی میں پڑی ہوئی نیند سے لڑتی رہی۔ دوسرے کمرے میں بھی ایک مسہری تھی جس پر ساجد اٹے لے رہا تھا۔ یہ دراصل کورنیلیا کا کمرہ تھا لیکن پچھلی رات سے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں رہی تھیں۔

کمال کی عجیب کیفیت تھی لیکن طاہرہ کو اُس میں ذرہ برابر بھی تصنع نظر نہ آیا۔ وہ کبھی ٹہلنے لگ کبھی بیٹھ کر سگار کا دھواں بکھیرتا۔ کبھی پنسل سے کچھ لکھنے لگتا۔ اُس نے ایک بار بھی طاہرہ کے کمرے کی طرف نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا ہو۔ جیسے ساجد

کے خراٹوں کی آوازیں بھی اس کے کانوں تک نہ پہنچ رہی ہوں۔ اکثر وہ پلکیں جھپکائے بغیر کافی دیر تک کمرے کی کسی نہ کسی چیز کو گھورتا رہتا۔

طاہرہ کا ذہن غنودگی سے ہم آغوش ہونے کے باوجود بھی اُس میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نامعلوم توجیہہ کی بناء پر مطمئن ہو گئی۔ ساجد اور کمال اُسے اپنے ہی خاندان کے افراد معلوم ہونے لگے۔ ہوسکتا ہے کہ نیند سے بوکھلائے ہوئے ذہن نے اُسے فریب دیا ہو۔ بہرحال وہ آرام کرسی ہی پر سوگئی۔

پھر دوسری صبح وہ خود سے نہیں جاگی۔ کورنیلیا نے اُسے جگایا اور ساتھ ہی وہ اُس پر برس بھی پڑی۔

"کیوں تم آرام کرسی پر کیوں سوئی تھیں۔ کہہ دیا ہوتا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں سوسکتی۔"

"اوہ.... وہ.... بات یہ ہوئی...." طاہرہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اُس نے سوچا کہ کمال وغیرہ کورنیلیا کے بیدار ہونے سے قبل ہی وہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ ورنہ وہ آرام کرسی پر سونے کے سلسلے میں شکوہ کیوں کرتی۔

"بس یونہی بیٹھے بیٹھے سوگئی تھی۔ ارادتاً ایسا نہیں ہوا تھا۔" اُس نے کہا۔

پھر وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ طاہرہ بہت ذہین تھی اُس نے سوچا کہ کمرے میں اِدھر اُدھر سگار کی راکھ ضرور موجود ہوگی۔ لہٰذا اُسے صاف کردینا چاہئے۔ ورنہ کورنیلیا خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنادے گی... مگر اُسے کہیں بھی سگار کی راکھ نہ ملی۔ سگار کی راکھ ہی پر منحصر نہیں کمرے میں کہیں بھی کسی دوسرے کی موجودگی کے نشانات نہ ملے۔ ساجد مسہری ہی پر سویا تھا۔ لیکن اُس وقت بستر پر ایک شکن بھی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ساری رات خالی پڑا رہا ہو۔

طاہرہ نے اس سلسلے میں سکوت اختیار کرلیا۔

وہ سارا دن اُن دونوں کمروں میں چور دروازے تلاش کرتی رہی لیکن اُسے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس کمرے میں بھی جہاں اُسے پچھلی رات ایک دیوار میں خلاء نظر آئی تھی۔ اس وقت اُس کا نشان بھی نہ مل سکا۔

ساجد اور کمال سے دن بھر ملاقات نہ ہوئی البتہ سرشام ساگر آیا اور اُس نے بتایا کہ پولیس اسٹیشن میں پھر طلبی ہوئی ہے۔ لیکن گواہوں سمیت۔ لہٰذا اُسے اُن تینوں آدمیوں کو پھر تلاش کرنا پڑے گا جن کی شہادتیں درج کرائی گئی تھیں۔

اس مہم کے لئے طاہرہ نے خود سے اپنی خدمات پیش کیں۔

"میں آپ کو بہت تکلیف دے رہا ہوں۔" ساگر نے شرمندگی ظاہر کی۔ "لیکن آپ کے

پاس کار ہے۔ وقت کم صرف ہوتا ہے۔"

"اسکی پرواہ نہ کیجئے۔" طاہرہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ "اسمیں میرا مفاد بھی شامل ہے۔"

سب سے پہلے وہ ایک ریستوران میں آئے۔ ساگر نے اُس کے منیجر سے کسی آدمی کے متعلق پوچھ گچھ کی اور پھر مایوسانہ انداز میں سرہلاتا ہوا باہر نکل آیا۔

"بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" اُس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "راجن کو اس وقت یہاں ہر حال میں موجود رہنا تھا۔ دیکھئے اب اختر اور مائیکل بھی ملتے ہیں یا نہیں۔ اس وقت تھانے میں اُن کی حاضری ضروری ہے۔"

"چلئے دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے راجن صاحب تھوڑی دیر بعد یہاں آئیں۔" طاہرہ بولی۔ "آپ نے منیجر سے تو کہہ ہی دیا ہوگا۔"

"جی ہاں.... دیکھئے۔"

کار پھر آگے بڑھ گئی۔ سورج دور کی پہاڑیوں میں غروب ہورہا تھا اور سرسبز چٹانوں پر کئی طرح کے رنگ لہریں لے رہے تھے۔ سریم بالا کی آبادی بکھری ہوئی ہے اور کسی جگہ بھی آدمی کو اس کا احساس نہیں ہونے پاتا کہ وہ کسی شہری آبادی میں ہے۔ ہری بھری پہاڑیوں کے درمیان سفید اور بھوری عمارتیں چاروں طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ طاہرہ کار ڈرائیو کرتے وقت سوچ رہی تھی کہ آج بھی وہ کمال کے لئے خاصی معلومات فراہم کرسکے گی۔ مگر ساگر کا ان معاملات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ وہ پچھلے دو دنوں کے علاوہ ہمیشہ اُسے سیدھا سادہ بے ضرر انسان معلوم ہوا تھا۔ وہ سریم بالا کے لینڈ کسٹم کا انسپکٹر تھا اور طاہرہ کی کوٹھی کے ایک حصے کا مستقل کرایہ دار۔ اُس کے خاندان کے دوسرے افراد نصیر آباد میں کہیں رہتے تھے اور وہ ملازمت کے سلسلے میں سریم بالا میں مقیم تھا۔

کار اونچی نیچی اور چکر دار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

"ساگر صاحب۔" طاہرہ نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ گڑبڑ میں انہیں دونوں کا ہاتھ ہے۔"

"ہو یا نہ ہو۔" ساگر بولا۔ "لیکن موجودہ خلفشار کا باعث یہی دونوں ہیں۔ ان کی آمد سے قبل سکون تھا۔ یوں تو ہر ماہ کی گیارہ کی رات کو وہاں شیطانی ہنگامہ برپا ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگوں پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"اچھا آپ کے کمرے کی تباہی کا ذمہ دار کون ہوسکتا ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔ "ویسے اس کا

فاؤنٹین پن وہاں ملا ہے.... لیکن....!"

"میں یہ کبھی بھی نہیں سوچ سکتا کہ اسکے ذمہ دار وہ دونوں ہیں۔ بھلا وہ میرے کمروں میں داخل کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر وہ کمرہ مقفل تھا۔ میں ہمیشہ کچی نیند سوتا ہوں۔ لیکن یقین کیجئے اُس رات ایک سیکنڈ کیلئے بھی میری آنکھ نہیں کھلی اور سارا سامان چوری ہو گیا۔ کیا یہ کسی آدمی کا کام ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اتنا فرنیچر توڑنے میں اتنا شور ہوتا کہ مردے بھی قبروں سے نکل پڑے۔"

"پھر وہاں.... اُس کے فاؤنٹین پن کا پایا جانا....؟" طاہرہ نے سوال کیا۔

"بدروحوں کی حرکت۔ وہ اسی طرح وہاں سے انہیں ہٹانا چاہتی ہیں۔ اب دیکھئے نا کہ میں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ان دونوں کے خلاف رپورٹ درج کرادی ہے۔"

"مجھے تو وہ دونوں بھی بھوت ہی معلوم دیتے ہیں۔" طاہرہ نے کہا۔ "یقیناً وہ ساری رات سو نہ سکتے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اُن کے دماغوں میں فتور ہے۔ وہ اُس روایتی دفینے ہی کے چکر میں ہیں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے دفینے پر جس کے حصول کے لئے زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑے۔ ویسے یہ روایت بھی مجھے بکواس ہی معلوم ہوتی ہے.... آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہم سب بھی اسے بکواس ہی سمجھتے رہے ہیں۔" طاہرہ بولی۔ "ورنہ اب تک کوٹھی کا ایک ایک حصہ کھود ڈالا جاتا۔"

"مگر یہ دونوں ہیں کون۔" ساگر نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "اُس نے کل سب انسپکٹر سے کہا تھا کہ وہ جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روحانیات کا صدر ہے۔ لیکن جلال آباد یونیورسٹی میں روحانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔"

"روحانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔" طاہرہ نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں نہیں ہے۔ میں تحقیق کر چکا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" طاہرہ نے کہا۔ "اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی نصیر آباد نے اُن کی سفارش کی ہو گی۔"

"مجھے بھی یقین نہیں ہے۔" ساگر بولا۔ "یہاں کے انچارج نے اُس کے متعلق معلوم کرنا چاہا تھا لیکن ڈی۔ ایس۔ پی صاحب مل نہیں سکے۔ وہ آج کل دورے پر ہیں۔"

"بس پھر کیا ہے۔" طاہرہ نے خوش ہو کر کہا۔ "سب انسپکٹر انہیں پھانس لے گا۔"

"لیکن یہ بات آپ کو کس سے معلوم ہوئی تھی کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے انکی سفارش کی تھی۔"

"چچا جان سے.... نواب عابد صاحب سے۔"

"نہیں محترمہ طاہرہ.... کوئی بات ضرور ہے۔" ساگر سر ہلا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ خود نواب صاحب بھی اب دفینے کے چکر میں پڑ گئے ہیں اور ان دونوں آدمیوں کی مدد سے اُسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ لیکن چچا جان نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

جواب میں ساگر نے کچھ نہیں کہا.... کار چلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے اُسے ایک عمارت کے سامنے رکوایا اور طاہرہ کو منتظر رہنے کا اشارہ کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اب اچھی طرح اندھیرا پھیل گیا تھا۔ طاہرہ نے محسوس کیا کہ اُس نے اتنی دیر میں پورے سریم بالا کا چکر لگا ڈالا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ساگر نے واپس آ کر کہا۔

"وہ دونوں تو مل گئے اختر اور مائیکل.... ہو سکتا ہے راجن اب پولیس اسٹیشن پہنچ گیا ہو۔"

پھر اُس نے دوسری طرف مڑ کر کہا۔ "تم دونوں پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

پچھلی نشست کا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر بیٹھ گئے۔ ساگر طاہرہ کے برابر جا بیٹھا۔

"اب ہمیں سیدھے پولیس اسٹیشن ہی چلنا چاہئے۔" ساگر بولا۔

کار پھر چل پڑی۔ تھوڑی دیر تک چلتی رہی۔ پھر ساگر نے کہا۔

"اوہ ٹھیک یاد آیا۔ میں بھی کتنا احمق ہوں۔ کہیں راجن ہیری کاٹیج میں نہ ہو۔ ذرا کار دائیں طرف موڑ لیجئے۔ یہاں بھی دیکھ لوں۔"

"راستہ ٹھیک نہیں۔" طاہرہ بولی۔

"تو پھر یہیں روک لیجئے۔ آپکو تکلیف تو ہو گی۔ بہت دیر ہو گئی۔ ایک فرلانگ چلنا پڑے گا۔"

طاہرہ نے سنسان سڑک پر کار روک دی۔ لیکن انجن نہیں بند کیا۔ ہیڈ لائیٹس اور اندر کی لائٹ بدستور جلتی رہیں اختر اور مائیکل یا جو کچھ بھی اُن کے نام رہے ہوں پچھلی نشست ہی پر موجود تھے۔ راجن کی تلاش میں ساگر تنہا گیا تھا۔

طاہرہ اب بور ہونے لگی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ قصہ بھی جلد ہی ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ اُس نے دونوں کہنیاں اوپر اٹھا کر ایک انگڑائی لی لیکن ہاتھوں کے گرانے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ وہ پیچھے سے پکڑ لئے گئے تھے۔ قبل اس کے کہ طاہرہ سنبھلتی ایک ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور وہیں جم کر رہ گیا۔

پھر انجن بند ہوتے ہی روشنی بھی گل ہوگئی۔ طاہرہ کو پچھلی نشست پر کھینچ لیا گیا تھا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ جنبش کرنا بھی محال تھا۔

کسی کا ہاتھ بدستور اُس کے منہ پر جما رہا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا گلا بھی گھونٹا جا رہا ہو۔ ذرا سی دیر میں اُس کا ذہن گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

لیکن دوبارہ ہوش آنے میں بھی دیر نہیں لگی۔ کار ابھی تک چل رہی تھی اور اُس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا اور وہ سانس لینے میں دشواری محسوس کر رہی تھی۔

اندر کی روشنی بجھی ہوئی تھی۔

بندشیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کار رک گئی اور اُسے کار سے نکال کر نیچے زمین پر ڈال دیا گیا۔ طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ کس مقام پر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔

پھر دو آدمیوں نے اُسے اٹھایا اور ایک طرف چلنے لگے۔ طاہرہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی تھی اور اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور اب اُسے سچ مچ خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

اُسے کمال اور ساجد یاد آئے لیکن وہ سوچنے لگی کہ ممکن ہے کہ وہ اب تک اُسے دھوکا دیتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ساگر اور وہ ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں۔ کچھ دیر بعد طاہرہ نے محسوس کیا جیسے وہ لوگ زینوں سے نیچے اُتر رہے ہوں۔

دوسرے ہی لمحے میں کسی نے ٹارچ روشن کی اور وہ ساگر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اُس کے آگے چل رہا تھا۔ طاہرہ عجیب قسم کی بدبو محسوس کر رہی تھی۔ سیلن کی بو اور بساندھ۔ یقیناً یہ کوئی تہہ خانہ ہی تھا۔

"اب یہ اپنے پیروں سے چلے گی۔" ساگر نے رک کر اُس پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

طاہرہ کو فرش پر ڈال دیا گیا۔ پھر اُس کے ہاتھ پیر رسیوں کی بندش سے آزاد ہوگئے۔ منہ سے کپڑا بھی نکال دیا گیا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" طاہرہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" ساگر نے نرم آواز میں کہا۔ "تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ مطمئن رہو۔"

وہ پھر چل پڑے۔ یہ کوئی سرنگ تھی جو تقریباً چھ فٹ چوڑی اور آٹھ فٹ اونچی رہی ہوگی۔

بدبو کی وجہ سے طاہرہ کا دم گھٹ رہا تھا۔

ساگر ایک ایسے دروازے کے سامنے رک گیا جس میں بڑا سا قفل پڑا ہوا تھا اور سرنگ یہاں ختم ہونے کے بجائے دو شاخوں میں تقسیم ہو کر مخالف سمتوں میں مڑ گئی تھی۔ ساگر نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا اور ٹارچ کی روشنی میں اندر جو کچھ بھی طاہرہ کو نظر آیا اُس کی ایک جھلک ہی رگوں میں خون منجمد کر دینے کے لئے کافی تھی۔ بے شمار ہڈیوں کے ڈھانچے۔ طاہرہ کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں نے اُسے اندر دھکیل دیا۔ طاہرہ کی چیخ تہہ خانے میں گونج کر رہ گئی۔

وہ اُن ڈھانچوں پر جا گری تھی۔ گرنے کے بعد بھی اُس کے منہ سے پے در پے کئی چیخیں نکل گئیں۔

ساگر نے ایک طرف رکھا ہوا مٹی کے تیل کا لیمپ روشن کر دیا۔ طاہرہ بے تحاشہ اٹھ کر دیوار سے جا لگی اور ساگر ہنسنے لگا۔

"ڈرو نہیں۔" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر تم میرے سوالات کے صحیح جوابات دو گی تو تمہارا یہ حشر نہیں ہوگا۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کوئی چیز اُس کے حلق میں پھنس کر بولنے سے روک رہی تھی۔

ساگر اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اختر اور مائیکل دروازے کے دونوں طرف خاموش کھڑے تھے۔

"وہ دونوں کون ہیں اور کہاں ہیں؟" ساگر نے پوچھا۔

"مم.... میں....!" طاہرہ ہکلا کر رہ گئی۔

"ڈرو نہیں....!"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔"

"لیکن تم اُن سے برابر ملتی رہی ہو۔"

طاہرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر....!"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہیں۔"

"تم وہ قلم میرے کمرے سے اٹھا لے گئی تھیں.... اور پھر اُسے وہیں ڈال گئی تھیں۔ کیا اُسی نے ایسا کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اُسی نے کہا تھا۔"

"اور اُسی کے مشورے پر تم نے بھی رپورٹ درج کرائی تھی۔"

طاہرہ نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور تم انہیں نہیں جانتیں۔"

"نہیں....!"

"بکواس ہے.... میں کبھی یقین نہیں کر سکتا۔" ساگر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

اور طاہرہ صرف تھوک نگل کر رہ گئی۔

"وہ کہاں ہیں؟" ساگر نے خونخوار آنکھوں سے گھور کر پوچھا۔

"وہیں ہوں گے وہیں.... اور میں کیا جانوں۔"

"نہیں! وہ کل رات سے وہاں نہیں ہیں۔"

"پھر میں کیا بتا سکتی ہوں۔ آپ یقین کیجئے۔ میں ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"تم جھوٹی ہو۔" ساگر نے گرج کر کہا۔

طاہرہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس مصیبت سے پیچھا چھڑائے۔ وہ اپنی حالت سنبھالے رکھنے کیلئے انتہائی جدوجہد کر رہی تھی۔ وہ حقیقتاً کمال اور ساجد کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی اُسے بتاتی کیا۔ بہر حال وہ انہیں دونوں کی بدولت اس نامعلوم وبال میں پھنسی تھی اور اب وہ اپنے ایڈونچر کے شوق کو دل ہی دل میں سلواتیں سنا رہی تھی۔

"یوں نہیں جناب۔" دروازے کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔ "صرف ایک چھٹانک خون.... عقل ٹھکانے آ جائے گی۔"

"مجبوراً کوئی نہ کوئی اذیت دینی ہی پڑیگی۔" ساگر طاہرہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتی ساگر صاحب۔" طاہرہ گڑگڑائی۔

"نہ جانتی ہو گی۔" ساگر نے لاپروائی سے کہا۔ "خیر اب اپنی معلومات میں اضافہ کرو۔ دنیا کے بہتیرے عجائبات ابھی تک تمہاری نظروں سے نہ گذرے ہوں گے۔ تم ایک ذہین لڑکی ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری جنرل نالج میں اضافہ ہو۔ کیا تم آدم خور چوہوں کے متعلق علم رکھتی ہو۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔

ساگر نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔ "تم نہیں جانتیں لیکن میں تمہیں دکھاؤں گا۔ اختر.... وہ پنجرہ لاؤ....!"

اختر چلا گیا۔ ساگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ طاہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ نواب عابد کے خاندان کا کوئی فرد اس چکر میں پڑ کر موت کا شکار ہو۔ لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا۔ تم ان خوفناک چوہوں کے ساتھ یہاں چھوڑ دی جاؤ گی اور صرف دو دن بعد ہمیں یہاں ہڈیوں کا ایک نیا پنجرہ ملے گا۔"

طاہرہ کانپ گئی۔

ساگر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے میں اختر خالی ہاتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" ساگر نے حیرت سے پوچھا۔

"جناب! یہاں ہمارے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔" اختر ہانپتا ہوا بولا۔

"ہشت کیا بکواس ہے۔ تم نے کسی کو دیکھا ہے۔"

"جی نہیں آہٹیں سنی ہیں۔"

"وہم ہے.... جاؤ.... پنجرہ لاؤ.... وہ بہت دنوں سے بھوکے ہیں اور پھر آج انہیں زندہ گوشت ملے گا.... جاؤ....!"

"ساگر صاحب! خدا کے لئے۔" طاہرہ گڑگڑائی۔

"مجھے خدا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے وہ چوہے آج ضرور خدا کا شکر ادا کریں گے۔"

اختر دوبارہ چلا گیا تھا اور اب کمرے پر خاموشی مسلط تھی۔ ویسے طاہرہ کو یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ہر سانس چیخ رہی ہو۔ دل کنپٹیوں میں دھڑکتا معلوم ہو رہا تھا۔

اچانک پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور اختر دھڑام سے اندر آ گرا۔

"جناب.... جناب....!" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ "میں نے کسی کو دیکھا ہے۔"

"ضرور دیکھا ہو گا۔" ساگر تلخ انداز میں مسکرایا۔ "اختر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں تم چاہتے ہو کہ یہ لڑکی صرف آج کی رات بچ جائے۔"

"جناب یقین کیجئے....!"

"مائیکل تم جاؤ....!" ساگر کا لہجہ بہت سرد تھا۔

"ٹھہرئیے۔" طاہرہ اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اٹھا کر بدقت بولی۔ "میں بتاتی ہوں۔ چچا جان نے اُن دونوں کو بھیجا ہے.... دفینہ تلاش کرنے کے لئے.... میں نے چچا جان سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں اس کام میں مدد دوں گی۔ وہ دونوں ڈاکو ہیں بینکوں کی تجوریاں توڑتے ہیں۔ نقب لگاتے ہیں۔"

"مکھیاں مار کر شمار کرتے ہیں۔" ساگر نے قہقہہ لگایا۔ پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "اب تم سچ بولو یا

جھوٹ میرے چوہے آج رات بھوکے نہیں رہیں گے اور اختر تم کب تک اس طرح زمین پر پڑے رہو گے.... اٹھو۔"

اختر ہاتھ ٹیک کر اٹھ رہا تھا کہ مائیکل نہ جانے کس طرح اُس کے اوپر آگرا اور دونوں کی چیخیں تہہ خانے میں گونج کر رہ گئیں۔

ساگر جھلا کر پلٹا۔ لیکن اُس کے منہ سے بھی ایک تحیر آمیز آواز نکلی اور طاہرہ کی آنکھیں تو پہلے ہی پھیل گئی تھیں۔

دروازے میں کمال کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"میں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں ساگر صاحب۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ آپ یہ ڈھانچے کس حساب سے فروخت کریں گے۔ یہ اتنے ہی ہیں یا کچھ اسٹاک کسی دوسرے گودام میں بھی ہے۔"

"تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔" ساگر غرایا۔

اس کی پھرتی یقیناً بڑی حیرت انگیز تھی۔ اس نے طاہرہ کو اپنے آگے کر کے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور کمال کے ریوالور کا رخ طاہرہ کے سینے کی طرف تھا۔

لیکن اب طاہرہ کو نہ جانے کیوں اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔ اُس نے رہائی کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔

"اختر.... مائیکل....!" ساگر چیخا۔ لیکن اُن کے اٹھنے سے پہلے ہی ساجد کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ تھی۔ پہلے اختر ہی سامنے پڑا۔ اور اُسے دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پکڑ کر ڈھیر ہو جانا پڑا۔

پھر مائیکل غرا کر جھپٹا۔ ساجد نے سلاخ گھمائی تو لیکن وہ مائیکل کی گرفت میں آگئی۔ پہلے سلاخ کے لئے زور ہوتا رہا پھر دونوں لپٹ پڑے۔ کمال آہستہ آہستہ ساگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک اس کا پیر اختر کے سر سے بہتے ہوئے خون پر پھسل گیا اور انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ نہ سنبھل سکا۔ ادھر وہ گرا اُدھر ساگر نے طاہرہ کو چھوڑ کر اُس پر چھلانگ لگا دی۔

ریوالور اب بھی کمال کے ہاتھ میں تھا اور ساگر اُسے چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

طاہرہ بے حس و حرکت کھڑی اُن کی کشمکش دیکھ رہی تھی۔ مائیکل یقیناً ساجد سے زیادہ طاقتور تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر گھونسے برسا رہے تھے۔

طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

اچانک اسکی نظر لوہے کی سلاخ پر پڑی اور اُس نے جھپٹ کر اُسے اٹھالیا۔ پھر وہ آندھی کی طرح ساگر اور کمال کی طرف بڑھی۔ دونوں گتھے ہوئے تھے۔ اس نے سلاخ ساگر کے سر پر رسید کر دی مگر دوسرے ہی لمحے میں اُسکے ہاتھ پیر پھول گئے کیونکہ وہ کراہ ساگر کی نہیں بلکہ کمال کی تھی۔

وہ سب کیا تھا

غلطی کا احساس ہوتے ہی سلاخ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اُس نے بدحواسی میں ساگر کی بجائے کمال کے سر کو نشانہ بنالیا تھا۔

یہ لمحہ واقعی عجیب تھا۔ طاہرہ اُن دونوں پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً ساگر اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ ریوالور اُس کے ہاتھ میں تھا اُس نے کمال پر فائر کر دیا جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ طاہرہ نے اُسے اچھل کر دوسری طرف گرتے دیکھا اور وہ پاگلوں کی طرح ساگر پر ٹوٹ پڑی۔

پھر فائر ہوا اور گولی اُس کے داہنے بازو اور پسلیوں کے درمیان سے نکل گئی۔

طاہرہ کو دراصل ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

کمال نے پھر ساگر پر چھلانگ لگائی اور طاہرہ ہڈیوں کے ڈھانچے پر جا پڑی اُس نے ساگر کو کمرے سے بھاگتے دیکھا۔

لیکن کمال اُس کے پیچھے جانے کی بجائے مائیکل پر جھپٹا جو ساجد کو زمین پر گرائے ہوئے اُس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں طاہرہ نے اُسے کمال کی گرفت میں دیکھا وہ اُسے اپنے سر سے اونچا اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے اُسے فضا میں بلند کر کے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

مائیکل کے حلق سے ایک ہی چیخ نکل سکی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخری چیخ رہی ہو۔

طاہرہ اب بھی ہڈیوں کے ڈھانچوں پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے جسم میں آنکھوں اور تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو.... کمال نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا۔

"وہ....وہ نکل گیا۔" طاہرہ بدقت تمام بولی۔

"باہر نہیں نکل سکتا.... میں نے ساری راہیں پہلے ہی مسدود کردی ہیں۔ مگر ریوالور اُس کے پاس ہے۔"

قریب ہی ساجد کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"آپ کے سر سے خون بہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"محترمہ طاہرہ کی مہربانی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"دیکھئے....وہ.... غلطی....!" طاہرہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امنڈ آیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"انہیں سنبھالو۔" کمال نے ساجد سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"میں تمہیں کسطرح سنبھالوں۔" ساجد طاہرہ کے قریب جاکر بولا مگر وہ بدستور روتی رہی۔

"اب ایسی صورت میں میں بھی رونا شروع کردوں تو کیسی رہے۔" ساجد نے کہا۔

طاہرہ اب بھی کچھ نہ بولی۔ بس وہ روئے جارہی تھی اور اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیوں رورہی ہے۔ اُس نے کئی بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خاموش ہونے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی۔

"کیا یہ رونا بھی ایڈونچر میں شامل ہے۔" ساجد جل کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے.... مجھے افسوس ہے۔" طاہرہ بدقت تمام بولی۔

اور ساجد اچھل پڑا۔ اس کی وجہ شائد فائر کی آواز تھی جسے طاہرہ نے بھی سنا تھا۔ وہ حیرت انگیز طور پر خاموش ہوگئی۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی کار میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

ساجد دروازے کی طرف جھپٹا۔ طاہرہ بھی اُس کے پیچھے بھاگی لیکن سرنگ کے سرے پر پہنچ کر ساجد رک گیا۔

طاہرہ بھی سوچنے لگی کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

وہ تین سرنگوں کے دہانے پر کھڑے تھے اور اس کا فیصلہ کرنا آسان کام نہیں تھا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

"اس طرح آگے بڑھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔" ساجد بڑبڑایا۔ "وہ اس وقت پاگل ہورہا ہے اور اُس کے ہاتھ میں ریوالور ہے۔"

"کمال صاحب تنہا ہیں۔" طاہرہ نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ تنہائی میں اُن کے ہاتھ بہت تیزی سے چلتے ہیں۔"

"میں مطمئن نہیں ہوں۔"

"آہا....!" ساجد جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تمہیں میری فکر کیوں نہیں ہے۔ کمال صاحب میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔"

"آپ ایسی حالت میں بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آرہے ہیں۔" طاہرہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"لیکن اسکے باوجود بھی آج تک میری شادی نہیں ہوسکی۔" ساجد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔

اور ٹھیک اسی وقت انہیں قدموں کی آواز آئی جو داہنی طرف کی سرنگ سے آرہی تھی۔

"کون ہے؟" طاہرہ نے سرگوشی کی۔

"چلنے کا انداز....اپنے تیس مار خاں ہی کا سا ہے۔" ساجد بولا۔

اور پھر کمال روشنی میں آگیا۔

"وہ نکل گیا۔" اُس نے کہا۔ "لیکن....اب بھی میری دسترس سے باہر نہیں ہے۔ تم طاہرہ کو اُن کے کمرے میں لے جاؤ اور وہیں میرے منتظر رہنا۔"

"میری کار نہ جانے کہاں ہوگی۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"میں تمہاری کار ہی پر واپس آؤں گا۔ جاؤ۔"

طاہرہ ساجد کے ساتھ چلتی رہی۔ اُسے وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے اپنے کمرے میں پہنچی۔ ساجد نے چور دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

کورنیلیا موجود نہیں تھی اور کمرہ باہر سے مقفل تھا۔

طاہرہ نے دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔

"وہ یقیناً میری تلاش میں گئی ہوگی۔" طاہرہ نے کہا۔

"وہ رمبا بہت اچھا ناچتی ہے۔" ساجد بولا۔ "کیا تم بھی ناچ سکتی ہو۔"

"ساجد صاحب پتہ نہیں آپ دونوں کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"ہم دونوں پٹھان قسم کے آدمی ہیں۔ کمال صاحب نسلاً آفریدی ہیں۔ اور میں.... میری نسل کا پتہ آج تک نہیں چل سکا۔ ویسے تلاش جاری ہے۔"

"مجھے ان حادثات کے متعلق بتایئے۔"

"اگر یہ حادثات تھے تو مجھے ان پر پھر غور کرنا پڑے گا۔ کیونکہ میں تو ابھی تک پنگ پانگ کھیلتا رہا ہوں لیکن اگر تم کمال صاحب سے پوچھو تو وہ کہیں گے کہ میں لوڈو کھیل رہا تھا۔ بس طاہرہ صاحبہ! اس سے زیادہ میں بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"وہ ہڈیوں کے ڈھانچے کیسے تھے۔"

"کچھ پرانے تھے اور کچھ نئے۔ ویسے اپنے کام کا ایک بھی نہیں تھا۔"

"آپ مجھے چڑھا رہے ہیں۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔

"میں بہت تھک گیا ہوں طاہرہ صاحبہ۔" ساجد کچھ اور کہتے کہتے رک گیا پھر آہستہ سے بولا۔ "شاید ادھر کوئی آرہا ہے۔ اچھا میں چلا۔ ممکن ہے کورنیلیا ہو۔ میں دروازے کی طرف سے واپس آؤں گا اور اُس وقت مجھے گرما گرم کافی کا ایک کپ درکار ہوگا۔ کورنیلیا سے ان واقعات کا تذکرہ مت کرنا۔ کسی سے بھی نہیں سمجھیں۔"

ساجد چور دروازے میں اُتر گیا اور دیوار برابر ہوگئی۔ ساتھ ہی کسی نے باہر کے قفل میں کنجی گھمائی۔ آنے والی کورنیلیا ہی تھی۔ طاہرہ کو کمرے میں دیکھ کر اُس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ سچ مچ ڈر گئی تھی۔ لیکن طاہرہ نے اُسے بتایا کہ شاید وہ دوسری طرف کا دروازہ اندر سے بند کرنا بھول گئی تھی وہ کھلا ہوا تھا۔ لہٰذا اُسے اندر پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی۔

"تم ساگر صاحب کے ساتھ گئی تھیں۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"ہاں پھر اُس کے بعد اپنے ایک عزیز کے گھر چلی گئی تھی۔" طاہرہ نے بات ختم کردی۔

تھوڑی دیر بعد ساجد واپس آگیا۔ اس دوران میں طاہرہ نے کافی کے لئے ہیٹر پر پانی رکھ دیا۔

اُس کے آتے ہی نیا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ اُس نے کورنیلیا کو پھر رمبا ناچنے پر آمادہ کرلیا۔

طاہرہ کو الجھن ہو رہی تھی۔ اُس کے ذہن پر اب بھی ہڈیوں کے ڈھانچے مسلط تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر کمال اور ساجد وہاں نہ پہنچتے تو اس کا کیا حشر ہوتا.... آدم خور چوہے.... وہ کانپ گئی۔

گراموفون کی موسیقی کمرے میں گونج رہی تھی۔ کورنیلیا اور ساجد ناچ رہے تھے۔ پھر طاہرہ کو مائیکل یاد آیا جسے کمال نے دیوار پر دے مارا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ تو یقیناً مر گیا ہوگا۔ اختر کے سر پر ساجد نے سلاخ ماری تھی اور اب اتنے اطمینان سے ناچ رہا ہے جیسے سچ مچ وہ ابھی تک پنگ پانگ ہی کھیلتا رہا ہو۔

موسیقی کے ساتھ ہی ساتھ کورنیلیا کے چیختے ہوئے قہقہے بھی کمرے میں گونج رہے تھے۔

"بس بند کرو۔" طاہرہ جھنجھلا کر چیخی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس پر ہسٹریا قسم کا کوئی

دورہ پڑ جائے گا۔ ذہنی انتشار انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

دونوں ناچتے ناچتے رک گئے۔ ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس اٹھا دیا گیا اور ساجد نے طاہرہ سے کہا۔

"ابھی تو اچھی بھلی تھیں۔"

"تم لوگ مجھے پاگل بنا دو گے۔" طاہرہ نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا اور دوسرے کمرے میں آکر دروازہ بند کرلیا۔ وہ دونوں دوسری طرف سے دروازہ ہی پیٹتے رہ گئے۔

طاہرہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر آرام کرسی میں گر گئی۔

اُس پر سچ مچ غشی سی طاری ہوتی جارہی تھی۔

دوسری صبح اُسے کورنیلیا سے معلوم ہوا کہ کمال پچھلی رات آکر ساجد کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ اس کے بعد سے دونوں کا کوئی پتہ نہیں اور کوٹھی کی کمپاؤنڈ پولیس والوں سے بھری ہوئی ہے۔ طاہرہ بوکھلا کر باہر نکل آئی۔

حقیقتاً کمپاؤنڈ میں چاروں طرف پولیس ہی پولیس نظر آرہی تھی۔ طاہرہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف چل پڑی لیکن وہاں مسلح پہرہ تھا۔ اُسے برآمدے میں بھی نہیں جانے دیا گیا۔

اُس نے ایک کانسٹیبل سے کہا۔ "میں کمال صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"یہاں کوئی کمال ومال نہیں ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"کل تو تھے۔"

"میں نہیں جانتا۔ اُدھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

طاہرہ چپ چاپ پلٹ آئی اور دن بھر خاموشی سے سب کچھ دیکھتی رہی۔ کمال اور ساجد کا کہیں پتہ نہ تھا۔ گیراج سے ان کی کار بھی غائب تھی لیکن خود طاہرہ کی کار موجود تھی۔ اُسے اپنی کار کے اسٹیئرنگ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا بندھا ہوا نظر آیا۔ طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اُسے کھینچ کر کھول ڈالا۔ اس میں اُسی کو مخاطب کر کے کمال نے لکھا تھا۔

"ان واقعات سے متعلق اپنی زبان ہمیشہ بند رکھنا۔ میں تمہارا شکر گذار ہوں تم بہت دلیر لڑکی ہو۔ بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہونے کی توقع ہے۔ پھر میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا۔"

طاہرہ نے اس تحریر کو کئی بار پڑھنے کے بعد کاغذ کا ٹکڑا بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

تین دن تک طاہرہ وہاں مقیم رہ کر پولیس کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ لیکن وہاں پولیس کی موجودگی کی وجہ کسی کو بھی نہ معلوم ہوسکی۔ کورنیلیا اس ماحول میں نہ ٹھہر سکی۔ وہ دوسرے ہی دن سے رخصت ہوگئی تھی۔

تیسرے دن طاہرہ نے بھی اپنا سامان کار کی اسٹپنی میں رکھوادیا لیکن پولیس والوں نے کوئی تعرض نہ کیا.... طاہرہ کے ذہن پر عجیب طرح کی اداسی مسلط تھی۔

اُسکی کار سریم بالا کی پیچیدہ اترائیوں سے نکل کر میدان میں آگئی۔ آج وہ بہت بے دلی سے ڈرائیو کررہی تھی۔ اُسے تیز قسم کی ڈرائیونگ سے عشق تھا۔ لیکن آج اُسکی کار کی رفتار بہت کم تھی۔

اچانک ایک تیز رفتار کار برابر سے نکلی اور کوئی گیلی سی چیز اُس کے گال سے ٹکرا کر گود میں آرہی۔ یہ کیلے کا چھلکا تھا۔ یک بیک اُس کا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔

دوسری کار آگے جاکر رُک گئی تھی۔ طاہرہ نے رفتار بڑھادی اور چشم زدن میں اُس کے برابر پہنچ گئی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے ساجد بیٹھا ہوا گال کھجارہا تھا اور کمال پچھلی نشست پر تھا۔ طاہرہ سے نظر ملتے ہی وہ عجیب انداز سے مسکرایا۔

پھر وہ سب کاروں سے نیچے اُتر آئے۔

"میں تمہارا شکر گذار ہوں کہ تم نے کسی سے اُس کا تذکرہ نہیں کیا۔" کمال نے کہا۔ "آؤ اِدھر درخت کے نیچے آجاؤ۔"

وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا بیٹھے۔ ساجد خاموش تھا۔

"اسکا تذکرہ کسی سے کبھی مت کرنا۔" کمال نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر طاہرہ کیطرف بڑھاتے ہوئے کہا اور دفعتاً طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کارڈ پر تحریر تھا۔ "کرنل فریدی۔"

"آپ.... آپ....!"

"ہاں! میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے ہماری بہت مدد کی ہے۔"

طاہرہ کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت ملک کے ایک بہت بڑے آدمی سے ہم کلام تھی وہ جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

"میرے وزیٹنگ کارڈ ابھی چھپ کر نہیں آئے۔" ساجد بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ورنہ تم میری شخصیت سے بھی واقف ہو جاتیں۔ لوگ مجھے کیپٹن حمید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بھلا دیتے ہیں۔"

طاہرہ خاموش ہی رہی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کہنا چاہیئے۔

"ساگر گرفتار ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ درندوں اور فرشتوں کا گروہ تھا۔ اُن کے آباؤ اجداد ٹھگ تھے مگر غالباً اُن ٹھگوں سے مختلف جو کالی دیوی کے پجاریوں میں سے تھے اور اُسے انسانوں کی بھینٹ دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا دیوتا کالی سے مختلف ہے۔ کم از کم اپنے یہاں کی

ضمیات سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ ٹھیک گیارہویں زینے کے نیچے والے تہہ خانے میں اُس کا بت شکستہ حالت میں موجود ہے۔ یہ لوگ وہاں ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو انسانی قربانی دیا کرتے تھے۔ اس عمارت کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ غدر سے پہلے ان ٹھگوں کی عبادت گاہ تھی۔ اُن کی نسلیں آج تک وہاں عبادت کرتی رہی ہیں اور ان کا طریقہ کار یہی تھا جو تم دیکھ اور سن چکی ہو۔ دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ وہ حصہ آسیب زدہ ہے۔ لہٰذا لوگ اُس سے دور ہی دور رہتے تھے۔ بہر حال یہ مذہب پوشیدہ طور پر اب تک زندہ رہا۔ اس کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ اگر وہ دیوتا کو انسان کی بھینٹ نہ دیں گے تو مفلس ہو جائیں گے۔ اُن کے نام ہندوؤں مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کے سے ہیں لیکن حقیقتاً ان مذاہب سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا دیوتا دولت کا دیوتا ہے۔ دولت اس کی رحمت ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ اور وہ اُسے خوش کرنے کے لئے اُس پر اپنے ہی جیسے انسانوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ ساگر اُن کا مذہبی پیشوا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ لینڈ کسٹم کا انسپکٹر تھا۔ لیکن اُس سے زیادہ دولت مند شاید ہی ان اطراف میں اور کوئی نکل سکے۔ اس کا دیوتا رشوت کی شکل میں اس پر اپنی رحمتیں نازل کرتا رہا۔ وہ لاکھوں کا آدمی ہے۔ اب تک تقریباً ڈیڑھ سو افراد گرفتار ہو چکے ہیں لیکن ان میں ایک بھی مفلس نہیں ملا۔ انہیں انسانی خون کے عوض دولت ملی ہے۔"

تھوڑی دیر کے لئے سکوت ہو گیا۔ پھر طاہرہ بولی۔

"لیکن آپ اس واقعے کو چھپانا کیوں چاہتے ہیں۔"

"مصلحت....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ یہ خبر آگ کی طرح ساری دنیا میں پھیل جائے گی اور ہم مہذب ممالک کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔ تم خود سوچو کتنی بُری بات ہے۔"

"ہے تو....!"

"تم نے ہڈیوں کے ڈھانچے دیکھے۔ تھے۔ ایسے ہی سیکڑوں ڈھانچے دوسرے تہہ خانوں میں پٹے پڑے ہیں۔ یہ سب انہیں آدمیوں کے ڈھانچے ہیں جو اب تک اُس خونی دیوتا پر قربان کئے جاتے رہے ہیں۔ ان کم بختوں کے پاس سے کئی طرح کی بلائیں برآمد ہوئی ہیں۔ گوشت خور چوہے۔ خوفناک بن مانس۔ مردہ خور بجو مگر حیرت ہے کہ یہ لوگ اب تک بچے رہے۔"

طاہرہ خاموش رہی۔ وہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہنا چاہتی ہے آخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ مطمئن رہیے۔ میرے گھر والوں کو بھی اس کا علم نہ ہونے پائے گا۔"

"شکریہ....!" فریدی بولا۔ "اور میں ایک بار پھر اس کا اعتراف کروں گا کہ تم عام عورتوں سے بہت مختلف ہو۔ بہت دلیر۔ لیکن ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کروں گا کہ آئندہ الٹے سیدھے ایڈونچر سے احتراز کرنا۔ اکثر تم آنکھیں بند کر کے بہت آگے بڑھ جاتی ہو۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ نہ جانے کیوں وہ سوچ رہی تھی کہ فریدی کو اس کے علاوہ بھی اور کچھ کہنا چاہئے۔ لیکن اُس نے اور کچھ نہیں کہا۔ پھر دونوں بہت ہی مخلصانہ انداز میں مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔

طاہرہ کے ذہن پر کئی دنوں تک اُداسی چھائی رہی۔

وہ اکثر بے خیالی میں بڑبڑانے لگتی۔ "کمال کاش تم.... سچ مچ کمال ہوتے۔ ایک گمنام شخصیت.... ایک معمولی آدمی....!"

پھر خود ہی کہتی۔ "کیا بکواس ہے.... میں.... کیا بک رہی ہوں۔ وہ کسی ناول کا پلاٹ نہیں تھا۔ کسی فلم کی کہانی نہیں تھی جس میں میں نے ہیروئن کا رول ادا کیا ہو۔"

لیکن وہ بے نام سی اداسی ہر وقت اُس کے ذہن پر چھائی رہتی۔ وہ زبردستی ہنسنے کی کوشش کرتی.... بے تحاشہ قہقہے لگاتی.... لیکن اس کے بعد اس کا دل اور زیادہ ڈوبنے لگتا۔

ختم شد